ماہنامہ
آنچل
کراچی
aanchal.com.pk

بنگلو نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ، بلاک A نارتھ ناظم آباد کراچی 74700
+92300-8264242

# ماہنامہ آنچل کراچی

| | |
|---|---|
| بانی مدیرہ | ادیبہ اقبال |
| مدیر اعلیٰ | مشتاق احمد قریشی |
| مدیر | طاہر قریشی |
| مدیرہ | [illegible] |
| مدیرہ معاونین | [illegible] |
| ڈائریکٹر ایڈیٹوریل | عمران احمد قریشی |
| مینیجر | فرید احمد قریشی |
| ڈائریکٹر سرکولیشن و فنانس | انعام احمد قریشی |

جلد 44
شمارہ 11
فروری 2023

پاکستان (فی پرچہ).........120 روپے
پاکستان (سالانہ).........1400 روپے

نئے افق
نئے افق، آنچل، حجاب

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

www.naeyufaq.com
Aanchal & Hijab Official Group
/women.magazine

## ابتدائیہ



## دانش کدہ



## ہمارا آنچل



## سلسلے وار ناول



## مکمل ناول



## ناولٹ



## افسانے



## خلفائے راشدین



## مستقل سلسلے




Info@naeyufaq.com:ای میل 03008264242 کے ادارے مطبوعات نئے افق آنچل
Www.naeyufaq.com / www.aanchal.com.pk



پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتہ مکان نمبر B-1 مدینہ اسٹریٹ بالمقابل لاہور آفس ناظم آباد کراچی 74700

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فروری 2023ء کا آنچل آپ کے ذوقِ مطالعہ کی نذر ہے۔

آج میں اپنی نئی لکھنے والی بہنوں کو چند مشورے دینا چاہوں گی، جن پر عمل کر کے وہ بھی ایک اچھی مصنفہ بن سکتی ہیں۔ تحریر کسی بھی انسان کے خیالات وافکار کی عکاسی اور جذبات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کوئی بھی تحریر بے حد اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ تحریر کے ساتھ اس کا تخلیق کار بھی اہم ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کے ان خاص افراد میں سے ہوتا ہے جو انتہائی حساس اور تیز نظر رکھتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد کے ماحول اور معاشرے کو بہتر انداز سے پرکھتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے اور پھر سوچ وبچار کے بعد اس کو قلم بند کرتا ہے۔ لکھاری کے قلم سے نکلا ہوا ہر حرف اس کا بیش قیمتی اثاثہ ہوتا ہے اور انہی قیمتی الفاظ سے تحریر بن جاتی ہے۔ لکھاری کو اپنی ان تحاریر کو دیگر ادبی اصناف میں ڈھالنے کا فن بھی آنا چاہیے۔ لکھنے والوں کو بہترین لکھاری ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین قاری بھی ہونا چاہیے۔ وہ باقی لکھاریوں اور اپنی تحاریر کو بھی کبھی تنقید برائے اصلاح، کبھی تنقید برائے تعمیر اور کبھی تنقید برائے تنقید کی نظر سے پرکھنا چاہیے۔ جب لکھاری کسی ادارے کے لیے لکھتا ہے تو وہ اس ادارے کے اصول، قواعد وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھتا ہے۔ یہاں یہ بات سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اس بات کا علم ہو کہ کون سی تحریر قابل اشاعت ہو سکتی ہے، ہر انسان کا نقطہ نظر ہر شے کے بارے میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح اپنے ذہن کے مطابق کوئی قاری تحریر کو پرکھتا اور اسے قابل اشاعت یا ناقابل اشاعت قرار دیتا ہے۔ اس لیے میرا آپ نئی لکھنے والی بہنوں کو مشورہ ہے کہ آپ جس ادارے کے لیے لکھنا چاہتی ہیں آپ اس ادارے میں شائع ہونے والی نامور مصنفین کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں اور اس ادارے کے قواعد وضوابط اور اصولوں کے مطابق اپنی تحاریر کو قلم بند کریں اور اگر شروع میں آپ کی کوئی کہانی ناقابل اشاعت قرار پائے تو مایوس بالکل نہ ہوں اور مزید اچھا لکھنے کی کوشش کرتی رہیں اور اس کے ساتھ نامور و مشہور افسانہ نگاروں کو بھی اپنے مطالعہ میں رکھیں پھر آپ دیکھیں گی ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب آپ کا شمار بھی ملک کے نامور مصنفین میں ہونے لگے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ رب کریم ہمارے پیارے پاکستان کو اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے میدان میں دن دگنی، رات چوگنی ترقی کے راستے پر گامزن کرے، آمین۔

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر اور مئی کا عید نمبر ہوگا، قاری بہنیں نوٹ کر لیں۔

اس بار قاری بہنیں راحت وفا کی قسط "مجھے تسلیم کیوں نہیں کرتے" نہیں پڑھ سکیں گی کیونکہ قسط تاخیر کی وجہ سے شامل اشاعت نہیں، جس کے لیے راحت وفا کی طرف سے آپ سب سے بہت معذرت۔

اس ماہ کے ستارے۔

فرح بخاری، فرح بھٹو، سلمیٰ غزل، صبا ماہ اکبر، حسن تشا ورانی، عالیہ توصیف۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

مدیرہ

سعیدہ نثار



# حمد

حمد تیری الٰہی میں کیا کروں
ذکر تیرا ہو لب پہ جیوں یا مروں

لے کے کشکول جاؤں کہاں اور میں
نام تیرا ہی لے لے کے گاتے پھروں

میری ہستی کا کچھ اور مقصد نہ ہو
حکم تیرے بیاں ہوں جب تک جیوں

حکم تیرے سے باہر نہ نکلوں کبھی
جاں افسردہ ہو میری یا خوش رہوں

میرے مولا تو ظرف ایسا مجھے نہ دے
شکوہ تجھ سے کروں گر رہوں میں زبوں

تیری ہستی ہی ہے لائق حمد صرف
حمد سے اپنے چاک گریباں سیوں

میری ہستی پہ چھایا رہے ہر گھڑی
تیری الفت، محبت چاہت کا فسوں

# نعت

راہ راستی کا سب کو دکھایا میرے نبی ﷺ نے
پیغام حق ملا جو سنایا میرے نبی ﷺ نے

ہوں مشکلوں کے صحرا یا غم پہاڑوں جیسے
کبھی خیر کو نہ چھوڑو یہ کہا میرے نبی ﷺ نے

قول ان ﷺ کے سارے سچے کام ان ﷺ کے سارے اچھے
باطل کو حق کا رستہ دکھایا میرے نبی ﷺ نے

جھوٹوں سے ان کو نفرت جھوٹوں پہ رب کی لعنت
کبھی جھوٹ کا سہارا نہ لیا میرے نبی ﷺ نے

بڑی مشکلیں تھیں آئیں، بڑے راستے کٹھن تھے
سوائے خدا کے سر نہ جھکایا میرے نبی ﷺ نے

ہیں دلفریب کتنے باطل کے سارے رستے
باطل کی راہ پہ پاؤں نہ رکھا میرے نبی ﷺ نے

بے شک ہیں حق کے رستے پر سوز و پر خطر
کبھی ڈگمگا نہ جانا تھا کہا میرے نبی ﷺ نے

(سائرہ حمید تشنہ)

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

**صدف آصف...... کراچی**

پیاری صدف! سدا سہاگن رہو آپ کی والدہ کے انتقال کا سن کر بے حد دکھ و افسوس ہوا، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی کامل مغفرت و بخشش فرما کر آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے والدین ایسی نعمت بنا کر عطا کیے ہیں جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے اور ماں جیسی نعمت اور اس کے پیار کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندے سے پیار کرتا ہوں تو اس سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ماں کے پیار کا درجہ کتنا بلند ہے۔ ہم تمام قارئین سے ملتمس ہیں کہ وہ بھی بہن صدف کی والدہ کے لیے دعائے مغفرت و بخشش کریں۔

**بشریٰ سیال...... ساہیوال**

پیاری بشریٰ! سدا سہاگن رہو، اللہ سبحان و تعالیٰ نے ماں جیسی عظیم ہستی پیدا کر کے انسان کو اپنی خاص رحمت سے نوازا ہے جس کا کوئی بھی نعم البدل نہیں، آپ کی والدہ کے انتقال کا سن کر بہت افسوس ہوا، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ مرحومہ کی کامل مغفرت و بخشش فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما کر آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ تمام قارئین سے دعائے مغفرت کی ملتمس ہیں۔

**نازیہ کنول نازی...... عارف والہ**

پیاری نازیہ! سدا سہاگن رہو، آپ کو نئے گھر کی بہت مبارک باد ہو۔ ماشاء اللہ آپ کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنا گھر عطا فرمایا جو ہر شادی شدہ لڑکی کا خواب ہوتا ہے کہ شادی کے بعد اس کا اپنا ایک گھر ہو جس کو وہ اپنی مرضی سے سجا سنوار سکے اور سب کام کر سکے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بے حساب خوشیاں عطا فرمائے آسانی کے ساتھ خوش گوار زندگی گزرنے کی توفیق و آسانی پیدا کرے آمین۔

**سمیرا شریف طور...... گوجرانوالہ**

ڈیئر سمیرا! سدا سہاگن رہو آپ کی طویل غیر حاضری سے آپ کے مداح کافی پریشان ہیں اور آپ کو شدت سے یاد کر رہے ہیں۔ ہمیں علم ہے آپ کی بے حد مصروفیت کا ایک تو سرکاری نوکری وہ بھی شعبہ تدریس میں اور پھر دو پیارے پیارے سے بیٹوں کا ساتھ، اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو معہ آپ کے شوہر اور بچوں کے خوش و خرم و کامیاب رکھے آمین۔ اس بار تو کئی قارئین نے "آئینہ" میں بھی آپ کو یاد کیا ہے اور آپ کے لیے پیغام دیا ہے تو کچھ وقت نکال کر قارئین کی فرمائش کو پورا کیجیے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جلد ہی آپ کی طرف سے ناول موصول ہو جائے گا۔

**عشنا کوثر سردار...... کراچی**

پیاری عشنا! سدا شاد رہو آپ کی والدہ کی ناساز طبیعت کے بارے میں علم ہوا، اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ شفقت تادیر آپ کے سر پر قائم رکھے صحت و تندرستی کے ساتھ آمین۔ آپ تو آنچل و حجاب کو بالکل ہی بھول گئی ہیں کافی عرصے سے کوئی تحریر بھی ارسال نہیں کی، اب ہم امید کرتے ہیں کہ آپ سالگرہ نمبر کے لیے جلدی اچھے سے مکمل ناول لکھ کر بھیج رہی ہیں۔

**سویرا فلک...... کراچی**

پیاری سویرا! سدا سہاگن رہو، ماشاء اللہ سے آج کل آپ حضور اکرم ﷺ کی مداح سرائی کر رہی ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی محبت کو قبول فرما لے آمین۔

**صباء جاوید...... ہیڈ بکانی**

صباء پیاری! سدا شاد رہو آپ نے اپنی مصروف زندگی میں سے چند پل چرا کر ہمارے نام کیے بہت اچھا لگا اور یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب آپ کا قلمی سفر پھر سے اپنی منزل کی جانب گامزن ہو گیا ہے۔ ہم اور ہمارے قارئین ہرگز آپ کو نہیں بھولے بلکہ ہم تو یہی کہیں گے کہ "خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی" اللہ تعالیٰ آپ کا زور قلم اور بھی زیادہ کرے آمین۔ ماشاء اللہ سے آپ نے ایک بار پھر سے کاغذ اور قلم سے ناطہ جوڑ لیا ہے اس بات کی خوشی ہوئی اور ہم امید کرتے ہیں کہ آپ پہلے سے اچھا لکھنے کی کوشش کریں گی محنت اور



مطالعہ جاری رکھیں، آپ کی طرف سے ای میل پر دو کہانیاں موصول ہوئی پہلی تحریر بعنوان "جنت حوا کی روشنی" قابل اشاعت ٹھہری اور ان شاء اللہ اس کو جلد شائع بھی کر دیں گے۔ دوسری تحریر "عزت" کے لیے معذرت قبول کیجیے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ آپ اس سے زیادہ بہتر اور اچھوتے موضوع پر کہانی ای میل کریں گی، محنت جاری رکھیں۔

**عابدہ صبا...... کوٹ، کے پی کے**

ڈیئر عابدہ! سدا آباد رہو، ماشاء اللہ سے آپ نئے لکھنے والوں میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہو رہی ہیں، آپ کی تحریریں پڑھ کر ہمیں اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اور آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ تحریر کا موضوع اچھوتا اور سبق آموز ہو، ہم امید کرتے ہیں اسی طرح آپ محنت کرتی رہیں گی اور قارئین کو اچھی تحریریں پڑھنے کو دیں گی۔ آپ کی تحریر "ضروری" قابل اشاعت ٹھہری اس پر آپ کو مبارک ہو اور ہم کوشش کر کے اس کو جلد شائع کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔

**سمعیہ رانی...... ملتان**

پیاری سمعیہ! سدا شاد رہو آپ کی تحریر "بجلی تماشا" کا پلاٹ کمزور ہے کہانی میں دلچسپی کا عنصر مفقود ہے بہرحال اس کہانی کے ذریعے ہمیں یہ آگاہی ملی کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے، مزید مطالعہ اور محنت کی بنا پر آپ بہتر لکھ سکتی ہیں، اس لیے نا امید مت ہوں بلکہ امید کا دیا روشن رکھیے۔

**مسکان نور...... لاڑکانہ**

ڈیئر مسکان! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "توجہ کے پھول" ای میل پر موصول ہوئی، آپ کو مبارک ہو آپ کی تحریر قابل اشاعت ٹھہری، جس کی آپ کو مبارک ہو۔ ان شاء اللہ باری آنے پر شائع کر دی جائے گی۔ امید ہے آپ کی اب تشفی ہو گئی ہوگی۔

**عظمیٰ صدیق...... کراچی**

پیاری عظمیٰ! سدا مسکراؤ، بے شک آنچل آپ بہنوں ہی کی بدولت سج سنور کر آپ کے ہاتھوں کی زینت بنتا ہے، آپ کی بہت سے تحاریر ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کی تحریریں شامل اشاعت ہوتی رہتی ہے باقی بھی ہو جائے گا بے شائع کرتے رہیں گے آپ نا امید نہ ہوں، آپ کے دونوں ای میل پر موصول شدہ تحریریں "لکیر کے پار" اور "تیری چاہ میں" قابل اشاعت ٹھہری ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**رائو سمیرا ایاز...... کراچی**

ڈیئر سمیرا! ہنستی رہو، ماشاء اللہ سے آپ کی تحریریں آنچل اور حجاب کے صفحات پر شائع ہوتی رہی ہیں اور ہم امید کر رہے تھے کہ آپ کے لکھنے میں مزید نکھار پیدا ہوگا پر آپ کی جانب سے موصول شدہ تحریر "عشق اور عشق" پڑھ کر بہت حیرت ہوئی کہ آپ نے یہ تحریر کیسی کہانی کو آپ ناولٹ کے طور لکھتی تو شاید کہانی اور موضوع سے انصاف کر پاتیں پر مکمل ناول کے طور پر آپ کہانی کو سنبھال نہیں پائیں۔ پڑھنے پر کہانی کئی جگہ سے بے ربط محسوس ہوئی اگر آپ کے پاس اس کی کاپی ہے تو آپ اس کو ایک بار پھر سے پڑھ کر دیکھیں ایک قاری کی نظر سے تو آپ کو اندازہ ہو پائے گا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ محنت جاری رکھیں گی۔

**نورین محمود...... مقام نامعلوم**

ڈیئر نورین! ہنستی رہو آپ کی تحریر "منزل سے انجان رستے" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو سخت محنت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے، آپ ابھی نام ور افسانہ نگاروں کو اپنے زیر مطالعہ رکھیں تا کہ آپ لکھنے کے علم سے بہتر انداز میں گزر سکیں۔ آپ کی کہانی میں الجھاؤ بہت تھا اور آپ کہانی میں تسلسل بھی قائم نہیں رکھ پائیں۔ امید ہے کہ مایوس نہیں ہوں گی بلکہ محنت جاری رکھیں گی۔

**اقصیٰ نادر...... لاہور**

پیاری اقصیٰ! سدا شاد رہو، گڑیا آپ کی کہانی "آن لائن دھوکا" ای میل کے ذریعے موصول ہوئی۔ جہاں تک ہمیں علم ہے کہ آپ کی کوئی تحریر پہلے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ یا آپ نے نہیں لکھی کہ کہانی موضوع اور انداز تحریر کے اعتبار سے غیر معیاری ثابت ہوئی۔ اس کہانی کے لیے ہماری طرف سے معذرت قبول کیجیے۔

**روحی مہدی...... ملتان**

ڈیئر روحی! ہنستی رہو آپ کی تحریر "لائی لگ" ای میل کے ذریعے موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو سخت محنت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ہمارا آپ کو یہی مشورہ ہے کہ آپ فی الحال نام ور افسانہ نگاروں کو اپنے زیر مطالعہ رکھیں تا کہ آپ کہانی لکھنا سیکھ پائیں۔ اس کہانی میں آپ نے

الفاظ کا چناؤ مناسب نہیں کیا اور کئی جگہ تضادات پائے گئے جس سے کہانی میں کافی الجھاؤ پیدا ہوا۔ امید ہے آپ مایوس ہوئے بغیر محنت جاری رکھتے ہوئے اپنا مطالعہ وسیع کریں گی۔

**اقرأ ساجد...... لاہور**

اقرأ ڈیئر! شاد رہو، بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ نظمیں غزلیں اگر معیاری ہوں تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی، آپ اپنی نگارشات بھجوا سکتی ہیں، ڈاک یا ای میل کے ذریعے۔

**فائزہ بلال...... رحیم یار خان**

ڈیئر فائزہ! جیتی رہو، آپ کی نگارشات تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شامل اشاعت نہ ہوسکیں، آپ مستقل سلسلوں میں شرکت کے لیے جلد از جلد اپنی نگارشات بھجوایا کریں اپنا تعارف لکھ کر بھیج سکتی ہیں اس میں پوچھنے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، ان شاء اللہ موصول ہوتے ہی فوری شائع کردیں۔ اب تو خوش ہیں کہ آپ کے خط کا جواب دے دیا، دعا کے لیے جزاک اللہ۔

**نادیہ یاسین...... ساہیوال**

چوری گڑیا! اسدا مسکراؤ، آپ کے تمام سوالوں کے جواب حاضر ہیں۔ گڑیا نظمیں، غزلیں آپ اپنی ذاتی کاوش کی صورت میں بھیج سکتی ہیں اور دیگر شعرا کا انتخاب بھی بھیج دیں بیاض دل کے لیے بس اشعار معیاری ہوں۔ ایس ایم ایس وغیرہ میں استعمال شدہ شاعری سے گریز کریں۔ رابطہ کے لیے خط و کتابت یا ای میل کا ہی ذریعہ ہے، سیل نمبر ہر ماہ آنچل و حجاب پر شائع ہوتا ہے آپ اس پر رابطہ کرسکتی ہیں، اپنا افسانہ بھجوادیں ہدایت نامہ کے مطابق جو اس سلسلے کے آخر میں ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے، پڑھ کر ہی رائے دے پائیں گے۔

**فوزیہ سلطان...... تونسہ شریف**

فوزی ڈیئر! اسدا آباد رہو، ہماری جانب سے آپ کو سالگرہ مبارک ہو آپ کی بڑی آپی، سمیرا شریف آپی اور عشنا آپی بہت جلد آنچل کی محفل میں شریک ہوں گی ہم سب بھی ان کی آمد کے منتظر ہیں اور ان سطور کے ذریعے ان تک آپ کا اور ہمارا پیغام مل جائے گا آپ کی دیگر تجاویز بھی نوٹ کرلی ہیں، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**ثمرین اصغر...... پشاور**

ثمرین ڈیئر! اسدا خوش رہو، محفل میں شرکت پر خوش آمدید۔ اب یہ خوف دل سے نکال دیں کیونکہ ناکامی کے خوف سے ہمت ہار دینا تو غلط بات ہے، آپ نے اپنی غزل اسی ایک صفحے پر لکھ دی ہے اس لیے معذرت خواہ ہیں، ہر کالم کے لیے الگ صفحہ استعمال کریں اور اس پر اپنا نام اور اپنے شہر کا نام بھی لکھیں اور ایک ہی لفافے میں رکھ کر بھیج دیجیے یا پھر ای میل کردیں اردو میں لکھ کر ہر ماہ ہر سلسلے پر اس کا ای میل پتا شائع کیا جاتا ہے۔

**سمیرا راجا...... آزاد کشمیر**

سمیرا ڈیئر! آباد رہو، خوب صورت انداز و اشعار سے سجا آپ کا خط بہت پسند آیا۔ تمام ساتھی مدیران جواب ہم میں نہیں رہے ان کے لیے آپ کے جذبات قابل تحسین ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ یہ تعلق یونہی استوار رہے۔

**شازیہ احمد...... خان پور**

شازیہ ڈیئر! اسدا سلامت رہیں، دعاؤں سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا۔ پیاری آپ اپنے چشم تصور سے ہمیں دیکھ سکتی ہیں البتہ آپ کے دیگر خیالات جان کر خود پر رشک آیا۔ بہرحال آپ نے کہا اور ہمیں آپ کا تحفہ موصول ہوگیا، اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت و تندرستی عطا کرے اور ان کا سایہ آپ کے سروں پر قائم رہے آمین۔

**عشرت اسلم...... راولپنڈی**

پیاری عشرت! اسدا آباد رہو، ہماری جانب سے آپ کو شادی کی ڈھیروں مبارک باد۔ سسرال پہنچ کر بھی آپ نے آنچل کا دامن تھامے رکھا، جان کر خوشی ہوئی۔ اسی طرح رابطہ بحال رکھیے گا اور اپنا خیال رکھیے گا۔

**ثناء اجالا...... پھلوال**

ثناء ڈیئر! اسدا اپنے علم سے اجالا بکھیرتی رہو، آپ کے بھائی کی کتابوں کی دکان ہے اور آنچل کی مقبولیت کے سبب وہ ہاتھوں ہاتھ بک جاتا ہے، یہ جان کر اچھا لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کے رزق میں برکت عطا کرے، گڑیا نظمیں غزلیں متعلقہ شعبے کو بھیج دی جاتی ہیں، قبول و رد ہونے کا معاملہ وہیں طے پاتا ہے، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**اقرأ فاز...... کراچی**

پیاری اقرأ! اسدا مسکراؤ، زیب النساء، غزالہ کنول، فرحت آپا اور قیصر آرا آپا کی صورت میں ہم نے جو گوہر نایاب کھوئے ہیں ان کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔ آنچل کی سالگرہ کے موقع پر اس کے بانی معمار کی حیثیت سے ان سب کی یادیں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ آپ کی تجویز نوٹ کرلی گئی ہے اور ان شاء اللہ کوشش کریں گے کہ سالگرہ نمبر میں اپنی تمام مدیران کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے کچھ کیا جائے۔ گڑیا آپ اپنا افسانہ ارسال کردیں، کہانی لکھنے اور بھیجنے کا طریقہ اسی سلسلے کے آخر میں ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے آپ اس کو پڑھ لیں۔

**شاہ بہرام انصاری...... ملتان**

بھائی! خوش رہیں، آپ کی شکایت درست ہے کہ ابھی ویب سائٹ پر کام ہو رہا ہے، پرانے شماروں کا تمام مواد اپ لوڈ کیا جا رہا ہے جو وقت طلب کام ہے اور اس کو پوری توجہ کے ساتھ کیا جا رہا ہے تاکہ غلطی کا امکان کم ہے کم ہے، آئینہ شہلا عامر نہیں کررہی ہیں پچھلے ماہ کرافٹس والوں کی غلطی سے نام غلط شائع ہوا۔ اب انشاء ہی کام کرتے ہیں جن سے غلطی ہوجاتی ہے۔ بہن نازیہ کنول کو ان سطور کے ذریعے آپ کی مبارک باد پہنچ جائے گی۔

**قابل اشاعت:۔**

لب میں ساس بہو، کفارہ، منتظر اخیال، لمحوں کے اسیر، بنت حوا کی روشنی، عادت، لکیر کے پار، ضروری، توجہ کے پھول، وہ بچے، تیری چاہ میں، مکمل کفارہ، ایمان باقی ہے ابھی، کیسے میں بھرا ذرا ہوا سے ملی۔

**ناقابل اشاعت:۔**

بابا کی آغوش سے، قتلی معصوم پری، عشق در عشق، منزل، منزل سے انجان رستے، بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، کچھیں، آن لائن دھوکہ، اور جتنی، عزت، لائی لگ، ٹیٹن، تیری میری لو اسٹوری، بیگی تماشا۔

www.naeyufaq.com

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگا کیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے بھیج کی فائل ہو ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نئی ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ editor_aa@naeyufaq.com

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے سکین امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ بنگلہ نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ، بالمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد بلاک A، کراچی 74700

**مرہ بن کعب :** یہ بھی اپنی قوم کے بڑے اہم سردار گزرے ہیں۔ بڑے دلیر، دانش مند تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چھٹی پشت میں جد اعلیٰ تھے۔ حضرت امام مالک کا سلسلہ نسب بھی اوپر کی پشتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان ہی مرہ پر جا ملتا ہے۔

**کعب بن لوی :** یہ بھی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ بھی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب کے بھی آٹھویں پشت میں جد اعلیٰ تھے۔ عرب اپنے قومی دن جمعہ کے روز ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ انہیں چند نصائح کرتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سناتے اور آگاہ کرتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری اولاد میں سے ہوں گے اور اپنی قوم کے تمام افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ بڑی ہی بزرگ و دانش مند شخصیت کے مالک اور اپنی قوم کے سردار تھے۔

درمیان کی دو کڑیوں لوی بن غالب اور غالب بن فہر کا احوال کوشش کے باوجود حاصل نہ ہو سکا۔

**فہر بن مالک :** ان سے قریشی نسل کی ابتدا ہوتی ہے۔ ان سے پہلے تمام ان کے جد اور والد کنانی کہلاتے تھے۔ یہ بڑے ہی کریم النفس، رحم دل اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرنے والے تھے۔ یہ اپنے مال سے حاجت مندکی حاجت روائی کیا کرتے۔ ان کی ہر طرح سے مدد کیا کرتے تھے۔ ان کا ہی نام قریش تھا۔ ان کی ہی نسبت سے قریشی قبیلہ معروف ہوا۔ ان کا ہی لقب قریش تھا۔

یہاں بھی فہر بن مالک کے بعد مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدر کہ (عامر) بن الیاس کے بارے میں خاموشی ہے۔

**الیاس بن مضر :** یہ بھی بڑے دانش مند اور حکیمانہ حیثیت کے مالک تھے۔ اپنی قوم میں لقمان حکیم کی حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے بقول جو شخص نیکی کا تخم بوئے گا وہ خوشی و شادمانی کا پھل پائے گا اور جو شخص شر و بدی کا تخم بوئے گا وہ ندامت و شرمندگی کا پھل کاٹے گا۔

یہاں بھی مضر بن نزار کے بارے میں خاموشی ہے۔

**نزار بن معد :** ان کا شمار نبی اکرم کے جد اعلیٰ میں ہوتا ہے۔ یہ اپنے دور میں بڑے عقل مند، دانشور تسلیم کیے جاتے تھے اور اپنے ہم عصر لوگوں میں بڑی فوقیت رکھتے تھے۔ یہ اپنے حسن و جمال میں یکتا تھے۔ جو دیکھتا وہ دیکھتا رہ جاتا اور ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ یہ بڑے ہی خوش الحان تھے۔ ان کے حکیمانہ

اقوال عرب میں مشہور تھے۔ مثلاً

(۱) سب سے بہتر نیکی وہ ہے جس پر جلدی عمل ہو۔

(۲) خود کو مصائب کے مقابلے کے لیے تیار رکھو۔

(۳) اپنے نفس کو ایسی خواہشات سے باز رکھو جس میں فساد کا اندیشہ ہو کیونکہ اصلاح و فساد کے درمیان صبر کا ہی تھوڑا فاصلہ ہے۔

انہوں نے ہی سب سے پہلے اونٹوں کے لیے حدی خوانی (گلہ بانی) کا آغاز کیا۔

**معد بن عدنان :** بنی اسرائیل کے خلاف میدانی اور چھاپہ مار جنگوں کے ہیرو تھے۔ بڑے بہادر اور دلیر جس سے بھی نبرد آزما ہوتے اسے شکست فاش سے دوچار کرتے اور ہمیشہ کامیاب و کامران رہتے۔ بڑے وجیہ، قد آور شخصیت کے مالک تھے اور اہل قریش کے مورث اعلیٰ تھے۔

نبی کریم ﷺ کے نسب کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ کے نسب کی ہر کڑی جس سے آپ کا سلسلۂ پیدائش مربوط ہے وہ نجابت و شرافت، عزت و نیک نامی کا مجسم پیکر ہے۔ آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد اور آپ ﷺ کی تمام امہات یعنی والدہ ماجدہ، نانیاں اور دادیاں سب کی سب نہایت پاکباز، نیک اور باوقار خواتین تھیں۔ آپ ﷺ کا سارا سلسلۂ نسب بہت ہی محترم اور نامور بزرگوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب کے سب اپنے اپنے وقت کے سردار اور قائد تھے اور معاشرے میں بڑے ہی معزز اور محترم حیثیت کے مالک تھے۔ شرافت نسبی آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مکہ کی نہایت معزز اور دولت مند خاتون تھیں ان کا لقب طاہرہ اور کنیت ام ہند تھی۔ سلسلہ نصب پانچویں پشت میں قصی بن کلاب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قریش کے نومتاز خاندانوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نسب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنی ننھیال اور ددھیال دونوں سے اعلیٰ ترین خاندانوں پر مشتمل ہے۔ آبائی سلسلے نسب کے اعتبار سے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھوپھی ہوتی تھیں۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کا تعلق آپ کی قوم قبیلہ قریش سے ہی تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اور اپنے خاندان کے مقام اور مرتبے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس میں فخر کی کوئی بات نہیں۔“ (مسند احمد۔ ترمذی)

خاندان نبوی کے انتخاب کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۳۳ میں ارشاد ہوا ہے۔

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمالیا۔ (العمران۔۳۳)

اس میں آنحضرت ﷺ آلِ ابراہیم علیہ السلام کے مصداق ہیں۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر لوگوں میں پیدا کیا۔ پھر اس نے ان کے دو گروہ بنائے تو مجھے ان میں سے سب سے اچھے گروہ میں پیدا کیا۔ پھر اس نے ان کے گھرانے بنائے تو اس نے مجھے ان میں سے بہتر گھرانے میں رکھا۔ میں ذات اور خاندان کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر اور افضل ہوں۔ (مسند احمد۔ ترمذی)

آپ ﷺ کے حسب نسب اور خاندان کی شرافت و عظمت کی شہادت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ' جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بڑے مخالفین میں شمار ہوتے تھے' نے سرعام نامور رومی حکمران ہرقل کے دربار میں دی تھی۔

جب نبی کریم ﷺ نے رومی حکمران ہرقل کو دعوت اسلام دینے کے لیے خط تحریر فرمایا تو اس نے اپنے کارندوں کے ذریعے حضرت ابوسفیانؓ کو طلب کیا اور اُس نے اُن سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات' آپ ﷺ کے خاندان اور آپ ﷺ کے دین کے متعلق بہت سے سوالات کیے۔ ہرقل نے دوسرے سوالات کے ساتھ یہ بھی پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کے حسب و نسب کیا ہے' کیسا ہے؟ تو ابوسفیانؓ نے جو اس وقت مخالفین اسلام میں پیش پیش تھے' اس کے باوجود انہوں نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے اندر عمدہ نسب والے ہیں۔" (بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادہ جدِ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادہ ہاشمی کے نام سے معروف ہے۔ دیکھنے اور سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کی بعثت کے بارے میں کیسا عظیم الشان بے داغ اہتمام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا معاملہ ہو آپ کی ولادت باسعادت کا معاملہ ہو آپ کی قوم و قبیلے کا معاملہ ہو سب کے سب کو اللہ نے اس مرتبہ و عزت و اہمیت سے نوازا ہے جس سے اللہ کے تعلق خاص کا برملا اظہار ہو رہا ہے۔ ہر ہر معاملے کو منفرد و ممتاز حیثیت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر دنیا کے مرکز کے مقام پر کرائی ہے جزیرہ نما عرب پرانی دنیا کے تمام معلوم براعظموں کے بیچ و بیچ واقع ہے اور خشکی سمندر کے راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ تقریباً ہر براعظم جزیرہ نما عرب سے جڑا ہوا ہے۔ یہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے ہمیشہ سے بین الاقوامی تجارت کا مرکز رہا ہے۔ اس باعث تمدن و ثقافت اور مذاہب کا مرکز بھی رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم سورۂ قریش کی تفسیر و تشریح کی طرف چلیں بہتر ہے کہ اس سے متصل سورۂ الفیل کی تشریح و تفسیر کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ اس کے حوالے سے سورۂ قریش کی تشریح' وضاحت بہتر طور پر ہو سکے۔

(جاری ہے)

www.naeyufaq.com



# ہمارا آنچل

## شاہ بہرام انصاری

السلام علیکم! آنچل، حجاب اور نئے افق ڈائجسٹ کے قارئین و قلم کاران آج پہلی دفعہ ہمارا آنچل کے اس خوب صورت سلسلے میں آپ سب صنف نازک کی بجائے صنف آہن سے تعارف کے لیے تیار ہو جائیں۔ جبھی جب خواتین زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ چل سکتی ہیں تو ہم بھی ان کے نقش قدم پر دوڑ سکتے ہیں۔ میں ایک سال سے آنچل میں شرکت کر رہا ہوں جبکہ اسے پڑھتے ہوئے چودہ سال ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ کم و بیش اتنے ہی سالوں سے بچوں کے لیے مختلف اخبارات و رسائل میں بھی لکھ چکا ہوں۔ ان میں خبریں، جنگ، نوائے وقت، ایکسپریس، اوصاف، پاکستان، دنیا، ٹی نیوز، نیا اخبار، حرف لازم، پھول، تعلیم و تربیت، نونہال، بچوں کا گلستان، کرن کرن روشنی، بزم طلبہ، پرائیویٹ ٹیچرز آواز، تاثرات، سہارا رپورٹ، حجاب، فیملی میگزین اور اخبار جہاں شامل ہیں۔ ایک لکھاری اور شاعر ہونے کے ناتے اس بزم میں شامل ہونا ہمارا حق ہے اور یوں آنچل پڑھنے اور اپنے اہل خانہ کو لا کر دینے والے تمام مرد حضرات کو بھی نمائندگی ہو جائے گی۔

سوال:۔ آپ کے نزدیک زندگی کا سب سے حسین دور کون سا ہے؟

جواب:۔ روایتی جواب بچپن ہے لیکن درحقیقت ہر وہ دور جب آپ کا دل و دماغ مطمئن اور پرسکون ہوں اور آپ زندگی کو جی رہے ہوں۔

سوال:۔ کیسے طالب علم تھے صرف پڑھائی پر توجہ دی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا؟

جواب:۔ مڈل تک بہت اچھا طالب علم رہا، ہمیشہ اول یا دوم پوزیشن آتی رہیں اور اسکول کی غیر نصابی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتا تھا۔

سوال:۔ کون سا مضمون سخت ناپسند ہے؟

جواب:۔ کوئی ایک مضمون خاص طور پر نہیں بس جب کبھی کوئی زیادہ مشکل نکات آ جائیں تو پھر وہ کوئی بھی مضمون ہو اچھا نہیں لگتا۔

سوال:۔ اپنی تعلیم کو کس طرح کام میں لا رہے ہیں؟

جواب:۔ تعلیم بس میٹرک ہی ہے جو کہ سن دو ہزار چودہ میں مکمل ہوئی تو یہ آج کل ان پڑھ جیسی بات ہے پھر بھی خدا کا شکر ہے بہت سوں سے بہتر ہیں اور کتابیں، رسالے، اخبارات اور کہانیاں پڑھ کر زندگی بہتر انداز میں گزارنے کی سعی جاری و ساری ہے۔

سوال:۔ آپ اپنے کس استاد سے متاثر ہیں؟

جواب:۔ ہر استاد اچھا ہوتا ہے اور اپنے طلبہ کو کوئی نہ کوئی سبق دیتا ہے اور اپنے تجربات کے ذریعے انہیں سکھاتا ہے ہمیں اپنے ہر پڑھانے والے کا دل سے احترام کرنا چاہیے باقی مجھے معلومات کے لحاظ سے بیسٹ ٹیچر مس زبیدہ لگیں ویسے ہم نے زیادہ ترقی سیل ٹیچرز یعنی استانیوں سے پڑھا ہے۔

سوال:۔ پابندیاں شخصیت کو متاثر کرتی ہیں یا اسے نکھارنے میں مدد دیتی ہیں؟

جواب:۔ مذہبی اور معاشرتی پابندیاں ہماری بھلائی کے لیے ہوتی ہیں ان کی پاسداری کرنا چاہیے، اس کے علاوہ اگر کوئی ہم پر اضافی یا فالتو پابندی عائد کرتا ہے تو اس کو ہرگز سر پر سوار نہ کیا جائے یعنی اعتدال میں رہ کر ہر کام کرنا چاہیے۔

سوال:۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں؟

جواب:۔ دونوں معاملات میں کوئی خاص دھیان نہیں رکھ پاتا بس زبانی ذکر و اذکار کرتا رہتا ہوں، روزے پورے رکھتا ہوں اور کوشش ہوتی ہے کسی کا دل نہ دکھے اور اپنے کام سے کام رکھا جائے اگر کسی کو مدد کی ضرورت ہو اور وہ بس میں ہو تو اس کی پوری کوشش کرتا ہوں۔

سوال:۔ اپنی شخصیت کو کس طرح بیان کریں گے آپ کی خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟
جواب:۔ قریب رہنے والے ہی اس بارے میں بہتر رائے دے سکتے ہیں تاہم میں بہترین راز دان اور اچھی لکھائی کا حامل بندہ ہوں باقی میری دیگر عادتیں درج ذیل ہیں۔ اپنے آپ میں گم رہنا، بچوں میں گھلنا ملنا، کسی کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرنا، صبر کرنا، اپنی چیزیں جگہ اور لین دین صاف رکھنا، کسی کو کم تر نہ سمجھنا، اپنے جذبات اپنی ذات تک رکھنا اور دو ٹوک جواب دینا، امانت کی حفاظت، سچ بولنا، قناعت پسندی اپنانے، قرضے، حسد اور بے ایمانی سے بچنے کی سعی ہوتی ہے۔
سوال:۔ غم اور خوشی کے موقع پر آپ کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟
جواب:۔ نارمل رہتا ہوں، غم میں مثبت پہلو تلاش کرتا ہوں اور ضبط کرتے ہوئے اللہ سے مشکل جلدی دور کرنے کی دعا مانگتا ہوں جبکہ خوشی میں مزاج خوشگوار ہوتا ہے اور رب کا خوب شکر ادا کرتا ہوں۔
سوال:۔ کس مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں؟
جواب:۔ بس چاہتا ہوں اچھے وسائل، نیک شہرت، عزت، علم اور اطمینان بھری زندگی نصیب ہو جس سے ضمیر مطمئن ہو اور اللہ پاک آخرت میں گناہوں سے درگزر فرمادے آمین۔
سوال:۔ کن باتوں سے خوف آتا ہے؟
جواب:۔ جن چیزوں سے نارمل انسان کو آتا ہے مطلب زیادہ اندھیرے، خاموشی، خطرناک راستے، جانوروں، ناگہانی آفات، موت و قبر اور آخرت کی سختی، ناپسند لوگوں، بیماری، قرضے، آنے والے برے وقت، تنگ دستی، بے ہنگم ٹریفک، زیادہ اونچائی بلندی وغیرہ۔
سوال:۔ اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں سے کیا سیکھا؟
جواب:۔ کامیابی سے اپنی محنت اور اس کے صلے پر یقین آیا اور یہ کہ اپنے لیے سب کچھ آپ کو خود ہی کرنا پڑتا ہے، ناکامی سے اللہ کی رضا اس میں بہتری اور صبر و شکر کا پہلو ڈھونڈا کہ قسمت میں نہیں تھا اور آخرت میں اس سے بہتر ملے گا اور یہ کہ دنیا میں کبھی بھی کچھ بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔
سوال:۔ محبت پر یقین رکھتے ہیں؟
جواب:۔ جائز محبت پر یقین ہے جیسے اللہ اور رسول ﷺ کی محبت، والدین، گھر والوں، دوستوں، اساتذہ، ازدواجی اور مخلص عزیزوں کی محبت وغیرہ۔ پھر بھی اگر کسی کو واقعی محبت پر یقین ہو تو فوراً نکاح کی تگ و دو کرنی چاہیے۔
سوال:۔ گھر میں فیصلہ کون کرتا ہے؟
جواب:۔ پہلے صرف ابو کرتے تھے اب ہم بچے بڑے ہوگئے ہیں تو سب صلاح و مشورے سے سوچ کر بہتر فیصلہ کرتے ہیں۔
سوال:۔ اپنے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنانے کے لیے کیا کرتے ہیں؟
جواب:۔ ماضی اور مستقبل دونوں پر نظر رکھتا ہوں، کوشش ہے غلطیاں نہ دہراؤں اور منفی لوگوں سے دور رہا جائے۔
سوال:۔ نئے لوگوں سے ملنا، نئے ہنر سیکھنا اچھا لگتا ہے یا اپنی بندھی زندگی گزارنے کے قائل ہیں؟
جواب:۔ یہ دنیا ہے تو یہاں اپنی مرضی سے بھلا کیا ہو سکتا ہے کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے لہٰذا لوگوں سے ملنا مجبوری ہے اور نئی چیزیں بھی ہر موڑ پر سیکھنی پڑتی ہیں تو خود کو اس کے لیے ہر دم تیار رکھنا چاہیے، خواہشیں تتلیاں ہیں جن کے پیچھے بھاگنا نادانی ہے تو زندگی کو ضرورتوں میں رکھیے۔
سوال:۔ اگر ماضی میں جانے کا موقع ملے تو کس شخصیت کے ساتھ دن گزارنا پسند کریں گے؟
جواب:۔ کسی شخصیت کے ساتھ نہیں ہاں زندگی میں جو جو پل کسی بھی حوالے سے اچھے گزرے ان کو دوبارہ بار بار دہرانا چاہوں گا۔
سوال:۔ خود پر کتنی توجہ دیتے ہیں؟
جواب:۔ خود پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے البتہ



دو وقت دانت برش کرنا، بالوں کی صفائی اور جوتے و لباس سادہ مگر صاف ستھرے پہننے کی کوشش ہوتی ہے۔
سوال:۔ ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے کون سے ذرائع استعمال کرتے ہیں؟
جواب:۔ اخبارات کا مطالعہ روز کرتا ہوں، ٹی وی بھی قابل اعتماد ذریعہ ہے اور موبائل بھی حسب ضرورت استعمال ہو جاتا ہے۔
سوال:۔ ایسی کون سی ایجاد ہے جس کے بغیر زندگی ادھوری ہے؟
جواب:۔ کہتے ہیں دنیا کی اہم ترین ایجاد پہیہ ہے میرے نزدیک آج کے دور میں ہر ایجاد اپنے اندر ایک زندگی کا سامان رکھتی ہے جس کے بغیر گزارہ گویا ناممکن ہے مثلاً بجلی، موبائل، دوائیاں وغیرہ۔
سوال:۔ مہمانوں کے جانے کے بعد کیا تبصرہ کرتے ہیں؟
جواب:۔ مہمانوں کی قسم کے حساب سے ہی تبصرہ ہوتا ہے جو کہ مجھ سے زیادہ گھر والے کرتے ہیں۔
سوال:۔ باتونی لوگوں سے کس طرح جان چھڑاتے ہیں؟
جواب:۔ اکثر لوگوں سے میں بھی ان کے مطابق بولتا ہوں ویسے اگر آپ قارئین کے لیے پوچھ رہے ہیں تو پھر کسی کا کا بہانہ اور گفتگو کا موضوع بدل دینا چاہیے۔
سوال:۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوں اور ایسے میں اچانک چوہا یا کاکروچ آجائے تو کیا کریں گے؟
جواب:۔ مجھے بھی چوہا یا لال بیگ بہت گندے لگتے ہیں تو مہمانوں کی نظر سے بچ کر ان کا تیا پانچہ (خاتمہ) کرنے کی کوشش کروں گا۔
سوال:۔ آپ کے پسندیدہ اداکار اور گلوکار کون ہیں؟
جواب:۔ اداکاری بھی اداکار اپنے اپنے کردار کے مطابق اچھی کرتے ہیں تاہم گائیکی میں کمار سانو، اودت نارائن، الکا یاگنک کا کوئی ثانی نہیں۔
سوال:۔ وطن کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟
جواب:۔ کہ یہ جلدی سے مہنگائی، بے روزگاری، بدعنوانی، دہشت گردی اور تمام جرائم و برائیوں سے پاک ہو جائے۔ اکثر خیال آتا ہے کہ پورا ملک ایک ہفتہ صفائی کی قومی مہم کے لیے مختص کرے اور ان دنوں میں سب عوام اپنے اپنے گھروں، گلیوں، چھتوں اور تمام ادارے اپنی عمارتوں کی مکمل صفائی ستھرائی کریں اور وہاں سے ہر قسم کا کوڑا کرکٹ، گند اور فالتو سامان ہٹا دیا جائے بعد ازاں ہر گھر کے باہر کیمرہ، لیٹر باکس اور اوراق مقدسہ کی حفاظت والا ڈبہ نصب کر کے گلیوں کی سرخ ہموار اور مناسب روشنی کا انتظام کیا جائے۔
سوال:۔ زندگی کا سب سے حسین لمحہ یا کوئی ایسا لمحہ جس کے آپ منتظر ہوں؟
جواب:۔ زندگی میں کوئی ایک نہیں کافی سارے اچھے اور یادگار لمحات ہیں جو ناقابل فراموش ہیں اور جن لمحوں یا چیزوں کا میں منتظر ہوں وہ تو قیامت کے بعد جنت میں ہی نصیب ہوں گی ان شاءاللہ۔
سوال:۔ اور چلتے چلتے خود سے کچھ کہنا چاہیں گے؟
جواب:۔ جی میں اپنے بارے میں بتانا چاہوں گا کہ میں تیرہ جون انیس سو اٹھانوے کو ملتان میں پیدا ہوا۔ ہم کل چھ افراد کا گھرانہ ہے اور میرا ستارہ جوزا (جیمنائی) ہے۔ میرا پسندیدہ موسم خزاں، مہینہ نومبر، گیم ٹیکن تھری اور کھانا بریانی، ساگ، چکن، گاجر کا حلوہ، مینگو شیک ہے جبکہ رنگ مختلف چیزوں کے حساب سے پسند ہیں اور قدرتی مناظر اور پھول بھی سارے اچھے لگتے ہیں۔ اور...... اور...... آپ بھی بہت اچھے لگتے ہیں جو مجھے برداشت کر رہے ہیں۔ !!!! اچھا جی اب چلتے ہیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اس مشکل وقت میں آنچل اور دیگر اشاعتی اداروں سے تعاون جاری رکھیے گا۔ اجازت دیجیے رب راکھا۔

میں ایسے لکھا گیا تھا۔

حنہ نے بے اختیار آنکھیں بند کیں اور اندازے سے گیلا کپڑا دیوار پر پھیرنا شروع کیا رفتہ رفتہ وہ شاہکار مٹنا شروع ہو گیا تھا۔ حنہ نے تیزی سے ہاتھ چلا کر سب صاف کر دیا وہ نام بھی جس کے لیے بابا یقینی طور پر آپی کا گلا دبا دیتے۔ وہ اپنا کام کر کے باہر نکلی تو اماں کو مومنہ کے پہلو میں بیٹھا پایا۔ وہ اس کو بازو سے پکڑ کر سیدھا کرنے اور اندر کمرے میں چلنے کو کہہ رہی تھیں پر وہ مومنہ ہی کیا جو ٹس سے مس ہو جائے۔ اماں آخر تھک کر خود ہی اٹھ گئیں۔ دھوپ تھی کہ آگ، نجانے وہ کیسے لیٹی ہوئی تھی۔ حنہ جھرجھری لے کر کمرے میں آئی جہاں اماں سمیت تین اور نفوس موجود تھے۔

"یسریٰ جاؤ بہن کو اس چارپائی سے اٹھا کر اندر لاؤ۔" اماں اب ڈائجسٹ میں کھوئی پسینے میں بھیگی ہوئی بیٹی سے مخاطب ہوئیں۔

"اسے کیوں اٹھتی ہو اماں، جب اسی طرح بے چین ہونا ہوتا ہے۔" یسریٰ نے ہنوز ڈائجسٹ میں نظریں جمائے رکھ کر فٹ سے کہا۔

"اتنی گرمی میں ان موئے رسالوں کو چھٹی ہوئی ہے ماں کی بات نہیں سنتی۔" وہ یسریٰ کے شوق پر خفا ہوئیں۔

"تو کیا کروں..... اس حبس، گرمی اور مرے ہوئے ماحول کو دیکھ کر میں بھی مر جاؤں۔" یسریٰ قمیص کے دامن سے گردن پونچھتے زہریلے انداز میں بولی۔

"میں نے کہا بہن کو اندر لے آ..... تقریر کیوں کر رہی ہے۔" اماں نے رسان سے کہا۔

"وہ دھوپ کی شہزادی نہیں آئے گی، اسے دھوپ میں یوں ہی پڑا رہنے دو اماں۔ ویسے بھی اس کے چمکتے رنگ روپ پر کوئی اثر تو پڑتا نہیں۔" یسریٰ نے بے نیازی سے ڈائجسٹ چہرے کے آگے کر لیا۔

اماں مایوس ہو کر اپنے اکلوتے بیٹے کی وہیل چیئر کے پاس آئی اور نم آنکھوں سے اس کا ڈھلکا سر سیدھا کیا۔ زبان سے بہتی رال رومال سے پونچھی اور ایک لمبی آہ بھری۔

"کاش راحم بیٹا تو معذور نہ پیدا ہوا ہوتا۔ بے بس ماں اور چار بہنوں کا تو سہارا بن جاتا۔" انہوں نے ہلکی آواز سے کہہ کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

○☆......☆○

گھنٹی کی تیز آواز نے ان سب کو اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"جاؤ بلاوا آیا ہے۔" یسریٰ نے کہا تو حنہ نے بے بسی سے کمرے میں لگی اس اطلاعی گھنٹی کو دیکھا جو عام گھروں میں مہمان کی آمد کا پتا دیتی ہے مگر ان کے یہاں باپ کا بلاوا اس گھنٹی کے ذریعے آتا تھا۔

وہ مرے ہوئے قدموں سے کشادہ کھلا صحن عبور کرتی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ برآمدے میں انیسہ بیگم تخت پر بیٹھی ڈھیروں مٹر چھیل رہی تھیں، بابا آرام کرسی پر اخبار اپنے آگے پھیلائے پڑھ رہے تھے۔ حنہ دھڑکتے دل سے ان کے سامنے کھڑی ہوئی پر انیسہ بیگم نے توجہ دی نہ بابا نے۔

"بابا آپ نے بلایا۔" وہ ہلکی آواز سے بمشکل بولی۔

"ہمم....." بابا ہنوز اخبار میں گم تھے۔

"سلام دعا سکھائی ہی نہیں تمہاری ماں نے۔" انہوں نے یونہی مصروف انداز میں طنز کیا۔

"جاہل عورت کو خود کچھ نہیں آتا، ان کو کیا سکھائے گی۔" بابا نے اخبار جھٹک کر دوسرا صفحہ کھولا۔ حنہ سر جھکا کر سننے پر مجبور تھی۔ دونوں پھر اپنے کاموں میں گم رہے، حنہ انتظار میں کھڑی رہی کہ بابا کب لب کشائی کر کے اس کو بلانے کی وجہ بتائیں۔

"بیگم آج کل سنیما میں شاہکار نامی فلم کے بڑے چرچے ہیں کیا خیال ہے دیکھنے چلیں؟" وہ اخبار تہہ کرتے ہوئے انیسہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔ وہ آنکھیں ذرا کی ذرا اٹھا کر مسکائیں۔

"کل چلتے ہیں بچوں کے ساتھ۔" پھر کہہ کر تخت سے چھلے ہوئے مٹر اٹھا کر اتریں۔ حنہ کا دل جل گیا۔ انیسہ بیگم کھلتے چہرے کے ساتھ کچن میں چلی گئیں۔

"بابا....." حنہ ایک بار پھر منمنائی۔

"تین دنوں کی بارش نے چھت کی حالت خراب کر دی ہے۔ میرا رکھا ہوا سارا سامان اسٹور میں گل سڑ گیا ہے۔ تمہاری ماں نے برساتی کا سوراخ بند کر کے جو جاہلانہ حرکت کی ہے یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔" بابا خونخوار سرخ آنکھیں حنہ پر جما کر دانت پیستے ہوئے گویا ہوئے۔

"بارش کا پانی تیزی سے ہمارے کمرے میں داخل ہو رہا تھا تو اماں نے سوراخ بند کروایا۔"

"تو کون سی آفت آ گئی پانی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اوپر کمرے میں کون سا پانی والا فرنیچر پڑا ہے..... وائپر سے نکال نہیں سکتی تھیں پانی۔" انہوں نے حنہ کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا۔

"تمہاری ماں کی جہالت سے چھت کمزور ہوئی اس کا الگ نقصان...... پانی جمع ہوا اس کا الگ نقصان، میرا سامان خراب ہوا وہ الگ۔" وہ غصے سے گنوانے لگے۔ حنہ نے سر جھکا لیا۔ ان سے بحث کرنا اپنی شامت بلوانا تھا۔ اتنے میں مشعال اور منال برآمدے میں نکل آئیں اور سامنے کھڑی ہو کر حنہ کی پتلی حالت کا لطف اٹھانے لگیں۔

"اب اوپر جاؤ اور اپنی بہنوں کے ساتھ مل کر چھت اور اسٹور کی اچھی طرح صفائی کرو۔ میں آ کر ایک ایک چیز چیک کروں گا۔" وہ حکم صادر کر کے دوبارہ اخبار کھول کر بیٹھ گئے۔ حنہ فوراً واپس پلٹی اور دوڑ کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی۔

"مومنہ آپی اور یسریٰ آپی بابا کہہ رہے ہیں اوپر چھت کو اچھی طرح صاف کرنا ہے۔" اس نے آتے ہی زوردار آواز کے ساتھ بہنوں سے کہا۔

"میں نہیں کرتی کوئی صفائی وفائی..... ابھی نہا کر آئی ہوں۔" مومنہ نے گیلے بال جھٹکتے ہوئے صاف انکار کیا۔

"گرمی کا حال دیکھو سہ پہر کے چار بجے چھت کے جہنم میں ہمیں جھونک رہے ہیں۔" یسریٰ نے خفگی سے کہا۔

"وہ کہہ رہے ہیں بارش کے دوران برساتی کا سوراخ بند کرنے سے سامان کو نقصان پہنچا ہے اور چھت بھی کمزور ہو گئی ہے۔ اسی لیے تفصیلی صفائی کرنی ہے۔" حنہ نے جھاڑو اور ڈسٹ بن اٹھا لیا۔

"بارش کو گزرے دو دن ہو گئے اب تو سورج کی تپش سے سب پانی سوکھ گیا ہو گا اور وہاں کون سا خزانہ رکھا تھا کیا۔ عام سا کاٹھ کباڑ پڑا ہے اس کو کیا نقصان پہنچا ہو گا۔" مومنہ نے بالوں کو کنگھی سے سلجھاتے بےزار کن لہجے میں کہا۔

"یہ تقریر بھی آپ دونوں ان کے سامنے کریں۔ شام کو وہ چیک کرنے آئیں گے۔" حنہ کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر ناچار یسریٰ کو اس کے پیچھے آنا پڑا تھا۔

"آ جاؤ مومنہ....." یسریٰ نے پکارا تو وہ کچھ سوچ کر اوپر آ گئی۔

چھت کی زمین کہیں کہیں سے گیلی تھی۔ مومنہ نے برساتی کے سوراخ سے کپڑا باہر نکالا۔ یسریٰ نے اسٹور کا دروازہ کھول کر دیکھا تو بابا کے کچھ غیر ضروری سامان کے ڈھیر سے سیلن کی بو آ رہی تھی۔ وہ اسٹور کے اندر صفائی کی غرض سے گھس گئی۔

"حنہ ادھر آ کر میری مدد کرو۔" یسریٰ کی آواز پر حنہ ادھر آئی۔ مومنہ نے جھاڑو اٹھائی۔ اب وہ بیٹھ کر جھاڑو نکال رہی تھی۔ چھت کی دیواریں ڈیڑھ فٹ کی تھیں وہ کھڑی ہوتی تو پڑوس کو پوری دکھائی دیتی۔ بیٹھ کر جھاڑو لگاتے ہوئے بھی اس کا سراپا ظاہر ہو رہا تھا۔

"اتنی سی دیوار کھڑی کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔" مومنہ نے کڑھ کر سوچا۔

"اوئے اتنی گرمی میں جھاڑو لگا رہی ہو۔" یہ آواز قریب ہی سے سماعت سے ٹکرائی تو مومنہ ان سنی کر کے مشغول رہی۔

"بڑی ہو گئی ہو چھت پر آتے کچھ تو شرم کرو۔" اس بار طنزیہ جملے نے آگ لگا دی تھی۔ مومنہ ایک دم کھڑی ہوئی

اور کمر پہ ہاتھ رکھ کر برابر والی چھت پر کھڑے عزیز کو گھورنے لگی۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں۔" اس نے کڑے انداز سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" عزیز نے کبوتر ہوا میں اڑایا۔

"بدتمیز کبوتر باز۔" مومنہ نے دوبارہ اپنا کام شروع کر دیا۔

پھر گرد درست کر دوپٹہ بن میں ڈالتے اس کی نظر فلک کے گھر کی طرف اٹھی جہاں ایک ٹرک آ کر رکا تھا۔ جس پر فرنیچر لدا تھا۔

"لو تو فلک کے نچلے پورشن میں نئے کرایہ دار آئے ہیں۔" وہ دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ ایک [illegible] سا سامان اتروا رہا تھا۔

"کھڑی کیوں ہو، اچھے سے جھاڑو لگاؤ ناں۔" مشعال کی آواز پر وہ چونکی۔

"تمہارے باپ کی نوکر ہوں جو مجھ پر رعب جھاڑ رہی ہو۔" مومنہ نے جھاڑو یوں لہرائی کہ مشعال گھبرا کر دو قدم دور ہٹی۔

"زیادہ پھرتیاں مت دکھاؤ بابا نے کہا ہے ان کی ڈائننگ ٹیبل نیچے اتار کر رکھو وہ ریپیئر کروائیں گے۔" مشعال نے اپنا رعب بحال کیا۔

"بڑی آئی بابا کی چمچی ان کا پیغام پہنچانے۔ چل بھاگ یہاں سے۔" مومنہ جارحانہ اس کی طرف بڑھی تو مشعال نے سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

"جلدی سے ٹیبل نیچے اتار کر لاؤ ورنہ بتا رہی ہوں تمہیں کیا حشر ہوگا۔" وہ جاتے ہوئے بھی دھمکی دینا نہ بھولی تھی۔

"بابا اس ڈائننگ ٹیبل کا کیا کریں گے شاید۔" اتنے میں یسریٰ اور حسنہ ایک قدرے بھاری لکڑی کی میز گھسیٹتی باہر لائیں۔

"اس دیو ہیکل کو کون اٹھا کر نیچے لے جائے گا۔" مومنہ نے میز کو دیکھ کر جھرجھری لی۔

"ہم اور کون، انہی کاموں کے لیے تو پیدا ہوئے ہیں ہم لوگ۔" یسریٰ نے تلخی سے کہا۔

"نہ بابا مجھ سے نہ ہوگا۔" مومنہ نے ہاتھ جوڑے۔

"ہوگا یا نہ ہوگا نیچے پہنچانا تو ہے۔"

"تم دونوں لے جاؤ مجھے اپنی کمر نہیں تڑوانی بابا کے الٹے سیدھے کاموں کے لیے۔ مزدور [illegible]" اس نے بے مروتی سے کہا۔

"چلو اٹھاؤ حسنہ یہ تو سدا کی خود غرض ہے۔ کام بے شک بابا کا ہے پر کرنا ہم نے ہے۔ ہیں ذرا ہاتھ بٹا دے گی تو کیا جائے گا۔" یسریٰ نے مومنہ کو گھور کر میز پکڑ کر اٹھائی۔

"بہت بھاری ہے۔" حسنہ نے بھی دوسری طرف سے پکڑ کر دہائی دی۔ دونوں چند قدم ہی آگے لے جا کر تھک گئی تھیں۔

"اف..... آفت جیسا بوجھ ہے۔ سیڑھیوں سے کیسے اترے گی۔" یسریٰ نے فکر مندی سے کہا۔

"بیکی ہو تم دونوں، اسے پہلے ترچھا کرو پھر سیڑھیوں سے نیچے اتارو۔" مومنہ نے میز کو ایک طرف سے زور لگا کر ترچھا کھڑا کیا۔

"اب پکڑو اچھے سے حسنہ تم آگے جاؤ اور یسریٰ تم دائیں طرف سے اٹھاؤ۔" پھر اس نے مشاقی سے میز اٹھائی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھیں۔

"آرام سے یسریٰ احتیاط سے اتارنا گر مت جانا۔" یسریٰ الٹے قدموں میز اٹھا کر اتر رہی تھی سو مومنہ نے اسے باور کرانا ضروری سمجھا۔

"اف..... کتنی بھاری ہے۔" حسنہ نے دہائی دی۔

"اللہ اکبر....." مومنہ نے نعرہ لگایا۔

بلند آواز پر ٹرک سے سامان اتروا کر گھر کے اندر رکھواتا مسفر چونک کر متوجہ ہوا اور حیرت سے دیکھنے لگا۔ سامنے والے گھر کی دوسری فلور پر واقع کھلی سیڑھیوں سے دھان پان سی تین لڑکیاں بھاری بھرکم میز اتارنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی تھیں۔

"میرا بیلنس خراب ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر رکو۔" یسریٰ نے اپنے ڈولتے قدموں کو جمایا اور ایک دم اپنی طرف والے میز کے حصے کو سیڑھیوں پر رکھ دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" مومنہ اس کے رکنے پر بدمزہ ہوئی۔

"ہائے میری چپل میز کے نیچے اٹک گئی۔" حسنہ نے دہائی دی۔

"دفع کرو..... بعد میں نکال لینا۔" مومنہ نے بے زاری سے کہا۔

"کیسے دفع کروں، چپل کے ساتھ میرا پیر بھی ہے۔" حسنہ چلائی۔

"ارے..... میں اٹھاتی ہوں جلدی پیر باہر نکالو۔" یسریٰ نے جھک کر میز اوپر اٹھائی۔

"ہائے اللہ آپی..... مچ گیا میرا پیر۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"معاف کرو گڑیا نیچے چلیں تو تمہارے پاؤں کا مساج کرتی ہوں۔" یسریٰ نے بہن کو شرمندگی سے دیکھا۔ اتنے میں نیچے گیٹ پر کسی نے دستک دی۔

"اب یہ مصیبت کون آ گیا؟" یسریٰ نے کوفت سے کہا۔

"میں دیکھتی ہوں۔" مومنہ میز چھوڑ کر دو سیڑھیاں چڑھیں اور چھت کی ڈیڑھ فٹ دیوار سے نیچے جھانکا۔

"کون ہے؟" اس نے زور سے پوچھا۔

مسفر نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا ایک خوب صورت سی لڑکی کھلی چھت سے جھک کر کھڑی دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگوں کو لیبر کی ضرورت ہے تو میں بھجوا دوں۔ وہ میز اٹھوا دیں گے۔" مسفر نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اس کی پیشکش پر مومنہ ذرا سا حیران ہوئی۔

"جی نہیں شکریہ۔" پھر اس نے منہ بنا کر کہا اور پیچھے ہٹ گئی۔ مسفر نے کندھے اچکائے اور واپس اپنے گیٹ پر چلا گیا۔

"کون تھا؟" حسنہ نے اس کی واپسی پر پوچھا۔

"فلک کے گھر غالباً نئے کرایہ دار آئے ہیں ان کا بندہ میز اتروانے کے لیے مزدوروں کی آفر کر رہا تھا۔" مومنہ نے کہا تو حسنہ نے اچک کر سامنے نظر ڈالی۔ ایک بندہ بظاہر اپنا سامان گھر کے اندر رکھوا رہا تھا پر نظریں ان پر ہی لگی ہوئی تھیں۔

"یہ تو ہماری طرف ہی دیکھ رہا ہے۔"

"دیکھنے دو..... بھاڑ میں جائے، میری کمر ٹوٹ رہی ہے جلدی اسے اتارو۔" مومنہ نے عجلت میں میز اٹھا کر نیچے قدم رکھا۔ یسریٰ اور حسنہ نے پھر سے کمر کس لی۔ اس بار دھیرے دھیرے ہی سہی تینوں نے میز نچلی منزل کے کھلے صحن میں اتار ہی لی تھی۔

"ادھر کونے سے لگا لو بیچ میں کیوں رکھی ہے؟" مشعال نیچے جیسے انہی کی منتظر کھڑی تھی۔

"اب یہ تمہارے علاقے میں آ گئی ہے اب تم جانو اور تمہارا کام کونے میں رکھو یا اپنی گود میں۔" مومنہ نے ہاتھ جھاڑ کر کہا اور پلٹ کر دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"اب تم دونوں کیوں کھڑی ہو، اٹھاؤ ادھر سے اسے جب تک ریپیئر ہونے جائے گی رکاوٹ کھڑی کرے گی۔" اس نے مومنہ کا غصہ ان دونوں پر نکالا۔

"یسریٰ آپی کافی بڑی ہیں تم سے مشعال اتنی بدتمیزی سے بات کر رہی ہو۔" حسنہ سے برداشت نہیں ہوا۔

"ہونہہ..... بڑی آئیں بڑی۔" مشعال نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا پھر دونوں نے میز اٹھا کر دیوار سے لگائی۔

"چلیں یسریٰ آپی۔" حسنہ نے بہن سے کہا جو سستی سے وہیں کھڑی تھی۔

"چلو....." یسریٰ نے ایک سانس بھر کر قدم بڑھائے تھے۔

○☆.....☆○

"آپ اتنی دیر سے کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟" زینب نے شوہر کو الماری کے کپڑے الٹ پلٹ کرتے دیکھ کر پوچھا۔

"ایک وزیٹنگ کارڈ رکھا تھا کپڑوں کے نیچے۔" ہاشم نے مصروف انداز میں کہا۔

"دراز میں رکھتے ناں۔ اس طرح تو کپڑے رکھتے یا نکالتے گم گیا ہوگا۔" زینب شوہر کی بے چینی پر پریشانی

سے بولیں۔
"کیا بہت اہم کارڈ تھا؟" وہ اٹھ بیٹھیں۔
"ہاں..... کافی اہم۔" ہاشم نے جھنجلا کر سارے تہہ شدہ کپڑے زمین پر پھینک دیے۔
"ارے یہ کیا کر دیا۔" زینب پلنگ سے نیچے اتریں اور سنبھل سنبھل کر چلتی الماری تک آئیں۔
"بیٹھے میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔"
"تم کیوں بیڈ سے اتریں، چلو واپس جا کر لیٹو میں ڈھونڈ لوں گا۔" ہاشم اسے کندھوں سے پکڑ کر پھر بیڈ کی طرف لے آیا۔
"میں بیڈ پر پڑی ہوں اور سارا گھر بکھر گیا ہے آپ اور بچے الگ پریشان ہو رہے ہیں، مجھے نہیں کرنا ایسا بیڈ ریسٹ۔" زینب نے منہ بسور کر کہا۔
"یہ تمہارے فائدے کے لیے ہی ہے۔ باقی کچھ ماہ رہ گئے ہیں کسی نا کسی طرح گزر ہی جائیں گے۔ تم خیر سے میرا وارث پیدا کر کے فارغ ہو جاؤ پھر گھر کے کام کاج کرتی رہنا۔" ہاشم کی بات پر زینب نے دل سے آمین کہا۔
"آپ کو کیسے یقین ہے کہ اس بار ہمارا بیٹا ہی ہوگا۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"بس ہے یقین، دیکھنا ٹھیک پانچ ماہ بعد تم اپنی گود میں میرا بیٹا لے کر اسی پلنگ پر بیٹھی ہوئی ہوں گی۔" اس نے وثوق سے کہا۔
"ان شاء اللہ، اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔" زینب نے جذب سے کہا۔
"اچھا اب مجھے اپنا کارڈ ڈھونڈنے دو پہلے ہی آفس سے دیر ہو گئی ہے۔" وہ پھر اٹھ کر الماری تک گیا۔
"کتنا ڈسٹرب ہو گیا ہے سب کچھ، صبح اٹھ کر ناشتہ بنانا، بچیوں کو اسکول بھیجنا، گھر کے کام کاج ماسی سے کروانا، سب آپ کے سر آ گیا ہے۔ آپ جو پانی کا گلاس بھی خود بھر کر نہیں پیتے تھے۔" زینب نے پیار اور فکر مندی کی ملی جلی نظروں سے میاں کو دیکھا۔
"وقت گزر جائے گا زینب..... فکر مت کرو۔" ہاشم کو مطلوبہ کارڈ مل گیا تھا۔ زمین سے اٹھا کر کپڑے واپس الماری میں ٹھونسے اور الماری کے پٹ بند کر دیے تھے۔
اتنی نفاست سے تہہ کیے کپڑوں کا یہ حشر دیکھ کر زینب کا دل کڑھ کر رہ گیا۔ ڈاکٹر کی ہدایت اور اپنی گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر نہ ہوتی تو فوراً اٹھ کر منٹوں میں گھر کی ہر چیز سیٹ کر دیتی۔ زینب ہاشم کا گھر اتنا بے ترتیب کب ہوا تھا بھلا۔
"او کے اب تم آرام کرو میں آفس کے لیے نکلتا ہوں، واپسی پر ہوٹل سے کھانا لیتا آؤں گا۔" ہاشم نے بے عجلت ڈریسنگ پر رکھی گھڑی باندھی اور بالوں میں ہیئر برش پھیرا۔
"ہوٹل کا کھانا.....؟" زینب کو متلی ہوتی سی آئی۔
"کتنا مشکل ہے ایسی حالت میں باہر کا کھانا کھانا اور ہاشم اور بچیوں کو بھی کون سا ہضم ہوتا ہے۔ ہائے میرے ساتھ یہ بھی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔" اس نے تاسف سے سوچا پھر بجتے فون کی طرف متوجہ ہوئی۔ ساس کا فون تھا۔
"السلام علیکم اماں ٹھیک ہی ہوں۔" وہ کسلمندی سے بیڈ پر نیم دراز ہوئی۔
"نہیں اماں کوئی مستقل ملازمہ نہیں مل رہی، ان کو ہی گھر کا ہر کام دیکھنا پڑ رہا ہے۔" اس نے ماں کی فکر مندی پر بتایا۔
"کیا انو آئی ہوئی ہے، اماں اسے فون دیں ذرا میں دو دو ہاتھ کر لوں۔" اچانک وہ جوش سے اٹھ بیٹھی۔
"بدتمیز اماں کے پاس آئی ہوئی ہے میرے گھر آتے تکلیف ہوتی ہے۔" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔
"بس آج ہی ادھر آ جا۔ آج تیرے ہاتھ کا پکا کھانا کھاؤں گی۔ تجھے پتا ہے میں بیڈ ریسٹ پر ہوں۔" زینب نے ہنس کر کہا آگے سے نہ جانے کیا کہا گیا کہ وہ کھلکھلائی۔
"او کے پھر آئے گی تو بات کریں گے۔" زینب نے مسکراتے ہوئے موبائل رکھ دیا۔ وہ اب خود کو بہتر محسوس کر



رہی تھی۔

○☆.....☆○

"واہ کیا ہی اشتہا انگیز خوشبو ہر جانب پھیلی ہوئی ہے۔" ہاشم گھر میں بچیوں کو لے کر داخل ہوا تو اتنے دنوں بعد کچن کے اندر سے اٹھتی تازہ کھانے کی مہک سے مسرور ہوا۔
"السلام علیکم اماں جی۔" اس نے لاؤنج میں بیٹھی ساس کو سلام کیا، بچے بھی نانی سے لپٹ گئے۔
"وعلیکم السلام جیتے رہو بیٹا۔" انہوں نے داماد کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"بابا بھوک لگی ہے۔" بچیاں بیگ ایک طرف رکھ کر چلانے لگیں۔ بابا آج خالی ہاتھ آئے تھے ان کو تشویش ہوئی۔
"بابا راستے سے کھانا نہیں لایا آپ نے؟"
"آج کھانا گھر پر تمہاری انو آنٹی نے پکایا ہے۔ چلو شاباش تم لوگ منہ ہاتھ دھو کر آؤ تو کھانا کھاتے ہیں۔" بابا کے بجائے نانی نے جواب دیا۔
"یاہو....." ان کے کہتے ہی بچیاں خوشی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑیں۔
"اللہ بے چاری بچیاں گھر کے کھانے کو ترس گئی ہیں۔" نانی نے افسردگی سے ان کی خوشی دیکھی۔
پھر سب میز پر آ کر بیٹھ گئے، ہاشم نے ڈونگوں کے ڈھکن ہٹائے تو جی خوش ہو گیا۔ چکن ہانڈی، بھنڈی گوشت، مٹر پلاؤ اور ساتھ میں رائتہ سلاد بھی تھا۔
"کتنے دنوں بعد گھر کا کھانا نصیب ہوا ہے۔" اس نے بے تابی سے اپنی پلیٹ میں کھانا نکالا۔ نانی نے ہر بچی کی پلیٹ میں بھر بھر کھانا نکالا بچیاں خود بھی اچک اچک کر ڈونگوں سے نکال رہی تھیں۔
"بھئی واہ انو تمہارے ہاتھ میں تو بہت ذائقہ ہے۔" پہلا نوالہ لیتے ہی ہاشم نے بے اختیار تعریف کی۔
"شکریہ بھیا جی۔" گرما گرم روٹیاں توے سے اتار کر لاتی ہوئی انو نے مسکرا کر کہا۔
"اس کے پکوان تو سارے خاندان میں مشہور ہیں ہاشم بیٹے، بہت ذائقہ ہے اس کے ہاتھوں میں، بس قسمت کی ماری نکلی بے چاری۔" نانی نے اپنی بھانجی کو ہمدردی سے دیکھا۔
"خالہ جی اچھا ہوا اس شقی القلب انسان سے جان چھوٹ گئی، زندگی اجیرن کر دی تھی۔" انو نے اپنے لڑھکتے آنسو دوپٹے سے پونچھے۔
"اماں آپ نے بے چاری کو خوامخواہ میں رلا دیا۔" ہاشم کو اس پر ترس آیا۔
"چھوڑیں بھیا جی اب یہ رونا تو زندگی بھر کا ہے۔" انو نے سرخ ناک رگڑی اور کچن کی طرف پلٹ گئی۔
"ہائے کوئی جوان لڑکی اجڑ کر بیٹھے مائیکہ میں۔" نانی نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"بھابیاں تو سمجھو دشمن بن گئی ہیں بے چاری کی۔ میں ادھر لے آئی ہوں کہ کچھ بہل جائے، بچپن سے زینب کے ساتھ کھیلی کھائی ہے، دل دکھتا ہے بچی کی اس حالت پر۔" وہ مستقل انو کے لیے فکر مند ہو رہی تھیں۔
ہاشم کھانا کھاتے ہوئے توجہ سے سنتا رہا۔ انو زینب کے ساتھ کمرے میں کھانا کھانے چلی گئی کہ زینب کا ڈائننگ ٹیبل تک آنا ابھی محال تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا ہاشم ریلیکس انداز میں ٹی وی کے آگے بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ روزانہ والی افراتفری آج مفقود تھی کیوں کہ کھانا کھلا کر انو نے سب کام نمٹا دیے تھے۔ حالانکہ ہاشم نے کہا بھی کہ گندے برتن وہ رہنے دے صبح کام والی آ کر دھو جائے گی لیکن انو باز نہ آئی اور برتن وغیرہ دھو کر کچن کو چمکا کر باہر نکلی تھی پھر شام تک وہ زینب کے ساتھ باتیں کرتی رہی ہنسی ٹھٹھول کرتی رہیں۔ ہاشم بھی دوسرے کمرے میں سونے چلا گیا تھا۔
مغرب تک دونوں زینب کے یہاں رکی رہیں پھر نانی نے داماد سے جانے کی اجازت چاہی تو زینب نے چادر اوڑھتی انو کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"اماں، انو کو کچھ دنوں کے لیے میرے پاس چھوڑ جائیں۔ جی بہت اداس ہوتا ہے بستر پر پڑے

پڑے۔" اس نے ماں سے فرمائش کی تو نانی نے انو کو دیکھا۔
"انو رہنا چاہے تو شوق سے رہے۔"
"میری بچی کی خواہش میں رد کروں ناممکن۔" انو نے چادر اتار کر بستر پر رکھ دی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"اب تمہاری فراغت تک میں ادھر ہی رہوں گی بے فکر رہو۔" اس نے ہنس کر کہا تو زینب ایک دم خوش ہوگئی تھی۔

○☆.....☆○

ایک دو تین چار پانچ ـــــ کشف نے فریم میں جڑی بسم اللہ کی خطاطی کو پانچ بار چوما پھر دیوار پر ٹانگ دیا کچھ دیر اپنا ہاتھ اس پر پھیرتی رہی پھر کچھ بے چینی سے اسے دوبارہ کیل سے اتارا اور چومنا شروع کیا۔
"باجی اب بس کرو اور کتنا چوموگی۔" مومنہ نے بےزاری سے کہا۔ کشف نے کوئی دھیان نہ دیا۔ یہ اس کے روز کا معمول تھا دن میں کئی بار اللہ کے نام کی فریم جڑی تصویروں کو دیواروں سے اتار کر چومتی رہتی تھی۔ ایک سے گنتی شروع کرتی اور بار بار غیر مطمئن ہو جاتی پھر گنتی۔ کشف نے تین گن کر فریم کو پھر دیوار پر لگایا اور مضطرب انداز سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
"میری طبیعت ٹھیک کردے میرے اللہ۔" وہ بھیگی آواز سے بڑبڑائی۔
"اللہ آپ کو جلد صحت دے گا آپی۔" حسنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"صحت کو کیا ہوا ہے، وہم کی ماری ہوئی ہے۔" یسریٰ نے تلخی سے لقمہ دیا۔
"اس گھر میں سب کی ذہنی حالت پتلی ہے اس ماحول نے ہم سب کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔" اس نے مزید کہہ کر رسالے میں منہ دے دیا۔ کشف اب پلاسٹک کی چٹائی پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ پھیلائے ان کو بغور دیکھ رہی تھی۔
"حسنہ دیکھو تو میری انگلیاں کیسے لرز رہی ہیں۔" اس نے فکر مندی سے بہن کو متوجہ کیا۔
"کمزوری ہے آپی آپ ٹھیک کھاتی پیتی جو نہیں۔" حسنہ نے تسلی دی۔
"میرے ناخن کیسے کالے سے پڑ گئے ہیں۔" اسے ایک اور فکر ستائی۔
"اتنے گلابی تو ہیں، وہم نہ کریں۔" حسنہ نے حوصلہ دیا اور پھر ان کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا۔
"اے یسریٰ ادھر آ کر میرا ہاتھ تو بٹا۔" اماں، راحم کو وہیل چیئر سے بیڈ پر لٹاتے ہوئے ہانپ گئی تو یسریٰ کو پکارا۔ وہ ڈائجسٹ ایک طرف رکھ کر اٹھی اور ان کی مدد کرنے لگی۔
"اماں یہ دن بدن موٹا ہوتا جا رہا ہے۔" راحم کے فربہی بازو کھینچتے اس نے دہائی دی۔
"بس نکالو اپنا ہاتھ، میں کرلوں گی خود ہی، بھائی کو منہ بھر کر موٹا کہتی ہے۔" اماں کو غصہ آ گیا۔
"تو میں جھوٹ بول رہی ہوں کیا؟" یسریٰ نے ہاتھ نکالا۔
"اسے نظر لگائے گی۔" اماں نے یسریٰ کو گھورا۔
"کہاں سے کیا نظر لگنی۔" مومنہ نے فوراً کہا۔
"مومنی تو باز آجا پھر مجھ سے پٹے گی۔" انہوں نے طیش سے بیٹی کو دیکھا۔
"اماں بات نظر کی نہیں ہے بھائی کا وزن ابنارمل انداز میں بڑھ رہا ہے اس کو ڈاکٹر کو دکھانا ہوگا۔" یسریٰ نے سہولت سے راحم کو لٹا کر اس کی ٹانگوں پر چادر پھیلائی۔
"اسپتال دکھانے کے پیسے کہاں سے لاؤں، یہاں کون سے پیسے برس رہے ہیں، اپنے کھانے پینے کے ہی لالے پڑے ہیں۔" وہ دوپٹے سے راحم کی بہتی رال صاف کرتے ہوئے آزردگی سے بولیں۔
"اللہ بھلا کرے ڈاکٹر علیم الدین کا اس وہیل چیئر کا عطیہ نہ کرتے تو یہ بیٹھنے کے لائق بھی نہیں رہتا۔" وہ بھیگی آنکھیں جھپکتی راحم کی وہیل چیئر فولڈ کرنے لگیں۔
"سمجھ میں نہیں آتا جب بابا کو [illegible] سے نہ کھلاتا



ہے، نہ پہناتا ہے، نہ علاج کراتا ہے تو ادھر رکھ کر احسان کیوں کررہے ہیں، نکال باہر کریں ہم سب کو گھر سے، ایک دفعہ روڈ پر آجائیں ہم تو کم از کم مانگنے تانگنے میں تو آسانی ہو، ابھی تو سرکاری آفیسری کا تمغہ سجا کر سر پر بیٹھے ہیں۔ بھئی اتنے معتبر بندے کی اولادوں کو کیا کمی ہوگی لوگ تو یہی سوچتے ہیں ناں۔" مومنہ نے پھر پھپھولے پھوڑے۔
"خدانخواستہ ہم کیوں سڑک پر آ جائیں، کیا بکتی رہتی ہو لڑکی، جوان بچیوں کا رلنا آسان نہیں ہے، اس چھت کے میسر ہونے پر بھی شکر کرو۔" اماں نے لتاڑا تو اس نے برا سا منہ بنایا۔
"ایسی چھت کس کام کی جو تحفظ بھی نہ دے۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

○☆.....☆○

"انو گھر میں کیا آئی جیسے بہار ہی آگئی ہے۔ چمکتا صاف ستھرا گھر، وقت پر ملتا لذیذ کھانا، منظم طریقے سے ہوتا گھر کا ہر کام، واقعی زینب تمہارا انو کو یہاں رکھنے کا فیصلہ تو بہت اچھا ثابت ہوا۔" ہاشم نے داد دی تو زینب کی گردن فخر سے اونچی ہوگئی۔
اس کے مائیکے کے کسی فرد کی تعریف اس کی تعریف تھی۔ اس کی دو ہی نندیں تھیں جو دوسرے شہر بیاہی ہوئی تھیں۔ اب انو کے آ جانے سے کئی مسائل چٹکیوں میں حل ہوگئے تھے۔ بچیاں بھی صاف ستھری اور کھلی کھلی سی نظر آتیں، انو ان کو نہلا دھلا کر ان کے ساتھ کھیلتی بھی تھی۔ بچوں اور شوہر کو مطمئن دیکھ کر زینب خوش ہوتی۔ اس نے اصرار کر کے اسے اپنی ڈیلیوری تک روک لیا تھا۔ انو کا جلدی واپس جانے کا ارادہ بھی نہیں تھا وہ بھی گھر میں جیسے رچ بس گئی تھی۔
وہ فطرتاً جلدی گھلنے ملنے والی اور شوخ مزاج تھی، صبح اٹھتے ہی سی ڈی پلیئر لگا دیتی، انڈین گانے سارے گھر میں گونجتے رہتے۔ وہ کام کرتے ہوئے زیر لب گنگناتی رہتی۔ زینب کے گھر کے در و دیوار موسیقی سے کہاں آشنا تھے، یہ تبدیلی کام والی ماسی کو بھی حیرت میں ڈال گئی۔ اس نے گھر کا ماحول ہمیشہ سادہ اور پرسکون دیکھا تھا۔ زینب دھیمے مزاج کی سنجیدہ سی عورت تھی جبکہ اس کی یہ خالہ زاد تو پٹر پٹر بولنے والی اور بات بے بات قہقہے لگانے والی تھی، سنا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا ہے اس کے چہرے اور باتوں سے تو کبھی محسوس نہ ہوتا تھا کہ وہ ایک طلاق یافتہ دکھی عورت ہے۔ ماسی اسے بغور دیکھ کر سوچتی تھی۔

○☆.....☆○

ہلکے سے کھٹکے سے حسنہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نیم اندھیرے میں آس پاس دیکھنے کی کوشش کی، اس کے ساتھ یسریٰ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے برابر میں مومنہ بھی نیند میں تھی۔ اماں اور کشف آگے سو رہی تھیں۔ یہ پانچوں فرش پر بستر لگا کر لائن سے سوتی تھیں۔ اکلوتا سنگل پلنگ راحم کے لیے مختص تھا۔
حسنہ کو پھر کھٹکا محسوس ہوا اس بار وہ اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور آواز کا سراغ کھوجنے لگی۔ ہلکا ہلکا کھٹکا کمرے کے دروازے سے ابھر رہا تھا اور وہ دروازے کے قریب سوتی تھی۔ حسنہ نے غور سے دروازے کو دیکھا جس کی فرشی کنڈی کو کوئی لوہے کی چیز کی مدد سے کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ حسنہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے خوف زدہ ہو کر اپنی بے اختیار منہ سے نکلتی چیخ روکی۔ دروازے کی دو کنڈیاں تھیں ایک اوپر اور ایک بالکل نیچے فرش کے چھوٹے سے سوراخ میں اٹکی ہوتی لیکن دونوں ہی دروازے کو مضبوطی سے بند رکھنے میں ناکام تھیں۔ ڈھیلی ڈھالی اور کمزور کنڈیاں اس وقت اس لوہے کی چیز کی مسلسل پڑتی ضرب سے کمزور پڑتی جا رہی تھیں۔
"کون ہے جو آدھی رات کو دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہے؟" حسنہ نے ڈر کر سوچا اور یسریٰ کا کندھا ہلایا۔
"کیا ہے..... سونے دو۔" یسریٰ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔
"یسریٰ آپی کوئی ہمارا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا

"بے ہوش۔" حسنہ نے لرزتی آواز میں کہا تو یسریٰ نے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کک..... کیا..... کہاں کون ہے؟" اس نے دروازے پر نیند بھری آنکھیں گاڑیں تو وہی ہلچل اسے بھی دکھائی دے گئی۔

"آپی..... کچھ کرو۔" حسنہ اس سے لپٹ گئی۔

"کیا کروں۔" یسریٰ پریشان ہوئی۔ اسی اثناء میں اماں کی آنکھ بھی کھل گئی۔

"کیا ہوا حسنہ، یسریٰ..... کیوں جاگ رہی ہو؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آگئیں۔

"اماں دروازے کے دوسری طرف کوئی ہے جو ہمارا دروازہ کھولنا چاہ رہا ہے۔" حسنہ نے گھبرائی آواز سے کہا۔

اماں چونکیں اور دروازہ کے نچلے حصے سے ایک چمکدار چھرے کا اگلا حصہ اندر تک گھسایا جا رہا تھا جو ہلکی روشنی میں بھی چمک رہا تھا۔ نچلی کنڈی تھوڑی سی اوپر اٹھ گئی تھی۔

"یا اللہ..... یہ چھرا لے کر کون آیا ہے؟" اماں ایک دم خوف زدہ ہوگئیں۔

"اماں اب کیا کریں۔" حسنہ پریشان ہو کر اماں سے لپٹ گئی۔

"اللہ میری بچیوں کی حفاظت کرنا۔" وہ بھیگی آواز سے دعا گو ہوئیں۔

"اماں لائٹ کھول دوں اس بے غیرت کو پتا تو چلے ہم جاگ گئے ہیں۔" یسریٰ نے ماں سے پوچھا۔

"کون بے غیرت۔" وہ سراسیمہ ہو کر جواباً یسریٰ کو دیکھنے لگیں۔

"نہ جانے کون بے غیرت ہے جو ہمیں خوف زدہ کرنے آیا ہے۔" یسریٰ نے دبی آواز میں تلخی سے کہا۔

"ہماری سرگوشیاں تو سن ہی رہا ہوگا۔ اسے ہمارے جاگنے سے فرق نہیں پڑا۔ لائٹ جلانے سے کیا پڑے گا۔" حسنہ نے دروازے کے نیچے سانپ کی طرح رینگتے چھرے کو دھڑکتے دل کے ساتھ دیکھا۔

"یہ اندر گھس آیا تو کیا ہوگا، ہم کمزور عورتیں کیسے مقابلہ کریں گی یا اللہ رحم کر۔" اماں انتہائی پریشانی سے بولیں۔

"اندر گھس کر کرے گا کیا، ہمارے پاس کون سا چاندی سونا ہے اماں۔" حسنہ نے معصومانہ سوال کیا تو اماں نے ایک سانس بھری۔

"تم بچیاں ہی میرا سونا چاندی ہو حسنہ عورت کی عزت ان چھروں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اے اللہ میں بہت کمزور ہوں تو ہی ہماری حفاظت کرنا۔" وہ اوپر نظریں اٹھا کر گڑگڑائی۔

"تیرے بابا کو تو پتا بھی نہیں ہوگا کہ ہم کس مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں، پتا ہوگی تو کون سا ہماری ایک آواز پر انہوں نے چلے آنا ہے۔" حسنہ نے افسردگی سے سوچا۔

"آجا یسریٰ دروازے کو کس کر پکڑ لیتے ہیں کہیں کھل نہ جائے۔" اماں دل سنبھال کر اٹھیں، سامنے سے جا کر دروازے پر مضبوطی سے ہاتھ جما دیے۔ یسریٰ نے دوسری طرف سے جا کر دروازے کی اوپری کنڈی کو کس کر پکڑ لیا جو ڈھیلی ہوگئی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مومنہ کی نیند بھی نہ جانے کیسے کھل گئی وہ آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔

"آپی آہستہ بولو کوئی ہمارے دروازے کو کھولنا چاہتا ہے، اس کے پاس بڑا چھرا بھی ہے۔" حسنہ نے سرگوشی میں بہن کو اطلاع دی۔

"کیا.....؟" مومنہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس آئی جس کے دوسری طرف ابھی تک ویسی ہی رفتار سے کنڈی کھولنے کی کارروائی جاری تھی۔ مومنہ نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر لائٹ جلا دی۔

"کون الو کا پٹھا ہے وہاں؟" وہ حلق کے بل چلائی، دھیرے دھیرے رینگتا چھرا ساکت ہوگیا۔

"نکل یہاں سے بے غیرت۔" مومنہ نے دروازے کو ایک دھپ ماری چھرا تیزی سے غائب ہوگیا تھا۔ مومنہ نے اوپری کنڈی کھولی۔

"مرے پاگل ہوئی ہے، وہ باہر ہوگا، تجھے نہ جھپٹ لے۔" اماں نے اس کے ہاتھ روکے۔



"دیکھتی ہوں کون سورما کی اولاد ہے جو مجھے جھپٹے گا۔" اس نے نچلی کنڈی بھی کھولی اور پورا دروازہ کھول دیا۔ اوپری سیڑھیوں سے کسی کے قدموں کی دھمک سنائی دی۔

"مومنہ چھوڑ جانے دے۔" اماں نے اسے کس کر جکڑ لیا جو چھت کی طرف دوڑ لگا رہی تھی۔

"اماں چھوڑو مجھے دیکھنے تو دو وہ کمینہ تھا کون۔" مومنہ جھنجلائی۔

"دفع کرو مومنی، چلو اندر۔" اماں اسے روکتے ہوئے ہانپ گئی تو یسریٰ نے آگے بڑھ کر انہیں تھاما۔

"یہ اپنا اوزار تو یہیں چھوڑ گیا ہے ذلیل۔" مومنہ کی نظر زمین پر پڑی تو ایک پیچ کس نیچے پڑا تھا۔

"چھرا پیچ کس ہونہ جانے کیا سمجھ کے میدان میں اترا تھا مجاہد تاکہ ہمارے قلعہ کا دروازہ کھول سکے۔" مومنہ نے جھک کر پیچ کس اٹھاتے بے اختیار ہنس کر کہا۔

"اس قسم کی سچویشن میں صرف مومنہ ہی ہنس سکتی ہے۔" یسریٰ نے ایک سانس بھر کر سوچا تھا۔

○☆.....☆○

شدید پیاس سے گلا خشک ہوا تو زینب کی آنکھ نیند سے کھل گئی، اس نے اٹھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھا کر پانی گلاس میں انڈیلا اور فوراً ہی لبوں سے لگالیا۔ پانی پینے سے طبیعت میں فرحت محسوس ہوئی تو اس نے پھر سے لیٹ کر کروٹ دائیں طرف بدلی برابر والی جگہ خالی دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا ہاشم اپنے بستر پر نہیں تھا۔

"کہاں گیا ہاشم، شاید باتھ روم میں ہے۔" زینب نے گردن موڑ کر باتھ روم کے دروازے کو دیکھا، کافی دیر یونہی گردن موڑے لیٹی رہی پھر نیند نے دوبارہ اسے اپنی آغوش میں جکڑ لیا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو پہلا خیال ہاشم ہی کا آیا، زینب نے کمرے میں نگاہیں دوڑائیں تو ہاشم کو آفس کے لیے مکمل تیار ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا پایا۔ وہ خود پر پرفیوم چھڑکتے کچھ گنگنا بھی رہا تھا۔

"ہاشم اور گانے۔" زینب کو حیرت ہوئی وہ کافی سنجیدہ مزاج مرد تھا۔ گانے اور گنگنانے کو چھچھورپن کہتا تھا۔ زینب کبھی موڈ میں آ کر گنگنا لیتی تو وہ ٹوک دیتا مگر آج۔ زینب تکیے کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آفس جا رہے ہیں؟" کافی دیر ہاشم کو آئینے کے آگے جمتے نہ دیکھ کر اس نے بالآخر بے معنی سا سوال کیا۔

"ہمم..... اتنی صبح اور کہاں جاؤں گا۔" ہاشم نے پلٹ کر موبائل اور کار کی چابی میز سے اٹھائی۔

"ناشتہ کرلیا؟" زینب نے ایک اور بے معنی سوال کیا۔

"ظاہر ہے کرلیا ہے تب ہی تیار ہوا ہوں، تم جانتی نہیں ہو میں پہلے ناشتہ کرتا ہوں پھر تیار ہوتا ہوں۔" ہاشم نجانے کیوں جھنجلایا۔

"ایسے ہی پوچھ لیا۔" زینب نے دھیرے سے کہا۔

"اوکے چلتا ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"سنیں ہاشم..... آج شام ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے جانا ہے یاد سے جلدی آجائیے گا۔" زینب کو خیال آیا تو بے اختیار بولی۔

"یار تم بیڈ ریسٹ پر ہو یہ چیک اپ وغیرہ کے لیے جو لیڈی ڈاکٹر کی کلینک پر رش میں جا کر گھنٹوں بیٹھنا پڑتا ہے یہ تمہاری صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔" ہاشم جاتے ہوئے پلٹ کر زینب کے بیڈ تک آیا۔

"پھر میرا چیک اپ کیسے ہوگا؟" وہ ایک دم پریشان ہوئی۔

"کیا ضرورت ہے ہر ماہ چیک اپ کرانے کی، ایک دفعہ لے لی میڈیسن ڈاکٹر سے اب چپ چاپ کھاؤ اور آرام کرو۔" ہاشم نے اطمینان سے کہا تو زینب کی بے چینی بڑھ گئی۔

"لیکن ہاشم مجھے الٹرا ساؤنڈ بھی کرانا ہے۔ بچے کی پوزیشن اور اس کا جینڈر معلوم تو ہو۔" زینب نے لجاجت سے کہا، اس الٹرا ساؤنڈ کا انتظار اسے کتنے ماہ سے تھا، دل میں یقین راسخ تھا کہ اس بار اس کی جھولی اولاد نرینہ سے ہی بھری جائے گی پھر بھی کسی خوش خبری کی قبل از وقت چاہ ضرور تھی۔

"بے فکر رہو زینب اس بار تمہیں بیٹا ہی ہوگا۔ کسی الٹرا ساؤنڈ کی ضرورت نہیں ہے۔" ہاشم نے پریقین انداز میں کہا۔

"پھر بھی ہاشم میرا لیڈی ڈاکٹر سے ملنا ضروری ہے۔" زینب نے زور دے کر کہا۔

"زینب پلیز...... مجھے پریشان مت کرو، تمہاری حالت ایسی نہیں کہ تمہیں ویٹنگ روم میں اتنی دیر بٹھایا جائے، ڈاکٹر سے فون پر جو مشورہ کرنا ہے کر لو۔" ہاشم نے کچھ سخت لہجے میں قطعی انداز میں کہا تو زینب چپ رہ گئی تھی۔

☆○......☆○

"چلو بچوں تم لوگوں کی چھٹی ہوئی۔" مومنہ نے چادر اوڑھتے گھڑی پر نظر کی۔ بچے بستے اٹھا کر فوراً دروازے کی طرف دوڑے تو مومنہ بھی اٹھ گئی۔

"ارے تم تو بیٹھو چائے پی کر جانا۔" فلک نے ٹوکا۔

"نہیں فلک ایک گھنٹہ ہو گیا۔" مومنہ نے انکار کیا۔

"میسہ بیگم کو ویسے بھی تکلیف ہے، میں تمہارے گھر اتنی دیر کیوں بیٹھتی ہوں، وہ سمجھتی ہیں میں تم سے گپ شپ لگانے آتی ہوں۔"

"تم اتنی اچھی ہو جو اتنی دیر مجھ سے گپ شپ مارو گی۔" فلک ہنسنے لگی۔

"فلک تمہارا احسان ہے جو تم مجھے اپنے گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے دیتی ہو، کچھ پیسے ہی مل جاتے ہیں۔ ورنہ بابا تو نہ خود خرچ دیتے ہیں نہ ہم بہنوں کو کہیں نوکری کرنے یا ٹیوشن پڑھانے دیتے ہیں۔ ان کی نام نہاد عزت جو خراب ہوتی ہے۔" مومنہ نے تلخی سے کہا۔

"ارے دوستی میں احسان نہیں ہوتا اور ایک دن آئے گا جب تم خود احسان کرنے کے قابل ہو جاؤ گی ان شاء اللہ۔" فلک نے محبت سے کہا۔

"کیا ایسا وقت آئے گا؟" مومنہ نے اداسی سے پوچھا۔

"بالکل...... ہمت یکجا رکھو۔" فلک نے ہمت بندھائی۔

"ذہن ساتھ نہیں دیتا فلک، منتشر ہو جاتا ہے، گھر کے کشیدہ حالات یکسوئی مرتکز رہنے نہیں دیتے۔" مومنہ نے بے بسی سے سر تھام لیا۔

"حالات کو مزید کشیدہ تم خود کرتی ہو مومنہ، اپنی جذباتیت پر قابو رکھو، اپنی انرجی انیسہ بیگم پر ویسٹ مت کرو۔" فلک نے بے لاگ تجزیہ کر کے سمجھایا۔

"نفرت ہے مجھے اس عورت سے۔" مومنہ نے جیسے خون کا گھونٹ بھرا۔

"اس نفرت کو تم اپنی کمزوری بنا رہی ہو۔ تمہارا سارا دھیان صرف نام نہاد انتقامی سوچوں پر لگا رہتا ہے، اس طرح جیلیو رہ کر خود کو نقصان پہنچا رہی ہو مومنہ۔" فلک نے فکرمندی سے اسے سمجھایا۔

"کیا کروں فلک، ناانصافی اور جبر اب برداشت سے باہر ہے۔ میری ماں کا حق چھین کر کھا رہی ہے یہ عورت اور بابا بھی ساتھ شامل ہیں، اتنا بے حس باپ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ اپنی سگی اولاد کو کمتر دکھا کر اس عورت کو خوش کرتے ہیں۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ لانے کے لیے ہمیں دن رات ذلیل کرتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف انیسہ بیگم کی خوشنودی ہے، چاہے اگلے کو سسکا سسکا کر مار دیں۔" مومنہ بولی تو بولتی چلی گئی، اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر فلک کو دکھ ہوا۔

"صبر کرو مومنہ......"

"اچھا اب چلتی ہوں۔" مومنہ نے گھڑی پر نظر کی۔

"ارے رکو تو، ابھی سے کہاں جا رہی ہو، نیچے چلو میں تمہیں نئے کرایہ داروں سے ملواتی ہوں، ہمارے دور کے رشتہ دار ہیں ایلیٹ قسم کے۔ ان کی بیٹی میری دوست ہے۔" فلک نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا تو مومنہ چار و ناچار اس کے ساتھ نیچے آ گئی۔

"گھر تو بہت اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے انہوں نے۔" مومنہ نے تعریفی انداز میں چاروں طرف دیکھا۔

"ہمم، یہ لوگ پوش ایریا میں بنگلہ خرید رہے ہیں ادھر تو



بس عارضی طور پر رہنے آئے ہیں۔" فلک نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" وہ بے تکلفی سے اسے لیے ان کے کچن میں آ گئی جہاں ایک گوری سی فربہی مائل آنٹی کچھ پکانے میں مصروف تھیں۔

"ارے فلک کیسی ہو؟" وہ خوش دلی سے ملیں۔

"بالکل ٹھیک، آئیں باہر چلیں، یہاں کچن میں گرمی بہت ہے۔" وہ چولہے کی آنچ دھیمی کر کے انہیں لاؤنج میں لے آ گئیں۔

"آپ کا کک ابھی تک نہیں آیا۔" فلک نے ان کو پسینہ پونچھتے دیکھ کر کہا۔

"ارے نہیں بیٹی...... اس کی ماں بہت بیمار ہے۔"

"تو آپ کسی اور کک کو دیکھ لیں۔" فلک نے مشورہ دیا۔

"ہمارا برسوں پرانا مخلص ملازم ہے، سچ بتاؤں تو مجھے کسی نئے بندے پر بھروسہ نہیں۔ اب یہ دو دن چھٹیاں کرے یا مہینوں، ہمیں اسے ہی واپس رکھنا ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں تو فلک نے سر ہلایا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں، دیانت دار ملازم ملنا مشکل ہے، پھر آپ کو عادت بھی اسی کی ہو گئی ہو گی ناں، خیر آنٹی یہ میری دوست اور ہماری مشترکہ پڑوسن مومنہ ہے۔" فلک نے تعارف کروایا۔

"بہت پیارا نام ہے مومنہ۔" انہوں نے مسکرا کر مومنہ کو دیکھا۔

"یہ خود بھی بہت پیاری ہے۔" فلک نے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

"وہ تو ہے۔" انہوں نے تائید کی تو مومنہ جھینپ گئی۔

"آنٹی روابہ کہاں ہے؟" فلک نے پوچھا۔

"میں یہاں ہوں۔" روابہ نے پیچھے سے آ کر زور سے کہا۔ دونوں ایک ساتھ ہنس دیں۔

"روابہ...... یہ مومنہ، میں نے ذکر کیا تھا ناں۔"

"ارے ناکس ٹو میٹ یو۔" روابہ مومنہ سے خوشدلی سے ملی۔

"فلک کی بیسٹ فرینڈ اب ہماری بھی فرینڈ۔" وہ اس کا ہاتھ پرجوش انداز میں دباتے بولی۔

"روابہ ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں اسنیکس وغیرہ بھجواتی ہوں۔" آنٹی نے کہا تو روابہ ان کو اپنے آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ فلک روابہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی، مومنہ دلچسپی سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگی اسے انٹیریئر ڈیکوریشن بہت بھایا تھا۔

یکایک اسے اپنے پیروں میں کوئی نرم سی چیز محسوس ہوئی وہ چونک کر نیچے جھکی ایک سفید پرشین کیٹ اپنی نیلی آنکھیں اس پہ جمائے بالکل اس کے پیروں سے لگ کر بیٹھی تھی۔ مومنہ نے جھرجھری لے کر اپنے پیچھے کیے۔ بلی سرک کر پھر پیروں کے قریب آئی اور اپنے بالوں والے سر کو مومنہ کی پنڈلی سے رگڑنے لگی۔

"اف یہ تو فری ہی ہو رہی ہے۔" مومنہ نے اپنے پیر اٹھا کر صوفے پر رکھ لیے۔ بلی نے اب اس کے دوپٹے کا لٹکتا پلو کھینچ لیا اور اسے اپنے پنجوں میں لپیٹنے لگی۔

"یا اللہ......" مومنہ نے گھبرا کر اپنا دوپٹا کھینچا۔

"چھوڑو میرا دوپٹا بدتمیز کہیں کی۔" اس نے جھک کر بلی کو آنکھیں دکھائیں جواباً بلی صاحبہ نے دوپٹا اپنے منہ میں لے لیا، مومنہ کا جیسے سانس رک گیا۔

"میرے پاس ڈھنگ کے چند ایک تو جوڑے ہیں، یہ کم بخت کیوں خراب کرنے پر تلی ہے۔" مومنہ کو تاؤ چڑھا لیکن وہ جتنا دوپٹا کھینچتی بلی اتنا ہی اسے پنجوں سے دبا رہی۔ دوپٹا پھٹ رہا تھا مومنہ کو رونا آنے لگا۔

"روابہ ویری از مائی سنو وائٹ۔" اچانک ڈرائنگ روم میں کوئی داخل ہوا، مومنہ نے دھندلی نظریں اٹھائیں سامنے وہی لڑکا کھڑا تھا جو اس دن مزدوری کا آفر کر رہا تھا۔

"بھائی مجھے کیا پتا۔" روابہ فلک سے باتیں بگھارتی بے نیازی سے بولی۔

"السلام علیکم مفسر بھائی۔" فلک نے سلام کیا تو مفسر

نے برا بنا کر صوفے پر بیٹھی مومنہ کو دیکھا جو نیچے جھکی اپنا دوپٹا کھینچ رہی تھی۔
"سنو وائٹ....." وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور جھک کر اپنی شریر بلی کو گود میں اٹھالیا۔ بلی کے ساتھ مومنہ کا آدھا دوپٹا بھی آ گیا تھا۔
"میرا دوپٹا....." مومنہ کو بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔
"او سوئی یہ کیا کر رہی ہو۔" مفسر نے ایک نظر مومنہ پر ڈالی جو دوپٹا کے بنا کنفیوز کھڑی تھی۔
"سنو وائٹ دوپٹا چھوڑو۔" مفسر نے بلی کے پنجوں سے دوپٹا چھڑانے کی کوشش کی۔
"میرا دوپٹا مجھے جلدی چھڑا کر دیں۔" مومنہ روہانسی ہو کر بولی۔
"ارے یہ شرارتی مومنہ کا دوپٹا پکڑ کر بیٹھی تھی۔" روابہ اور فلک بھی اپنی نشست سے اٹھ آئیں۔ مفسر تب تک دو میں تھا پر بلی دوپٹا چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔
"کھا جائے گی میرا سارا دوپٹا بھوکی کہیں کی۔" مومنہ نے غصے سے کہا تو مفسر نے اسے خفگی سے دیکھا پھر بلی کو پچکارتے ہوئے بالآخر دوپٹا اس کے پنجوں سے چھڑا ہی لیا۔
"آپ اپنی بلی کو باندھ کر رکھا کریں خواہ مخواہ میں نقصان کرتی پھرتی ہے۔" مومنہ نے دوپٹا میں ہوئے ننھے ننھے سوراخوں کو صدمے سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"بلی کوئی ڈوگی تھوڑی ہے کہ اسے باندھا جائے۔" روابہ ہنس دی۔
"یہ ہماری فیملی کا حصہ ہے کوئی قیدی نہیں جسے باندھ کر رکھیں۔" مفسر نے برے موڈ سے کہا۔
"پھر اسے سمجھائیں کہ یہ کسی کا نقصان نہ کیا کرے۔" مومنہ نے اسی ٹون میں کہا۔
"مومنہ غصہ تھوک دو۔ یہ بہت لونگ اور ٹوئی ہے۔ تم پر پیار آیا تو ہی تم سے فری ہوئی ورنہ اتنے دنوں سے مجھے تو لفٹ بھی نہیں کروا رہی۔" فلک نے مفسر کا موڈ بگڑتے دیکھا تو مومنہ کا بازو پکڑ کر رسان سے سمجھایا۔
"او کے.....او کے، اب سب اپنا موڈ فریش کرو اور فریش لائم جوس پیو۔" روابہ نے ملازمہ سے لوازمات کی بھری ٹرے لے کر میز پر رکھی اور جوس کے گلاس بھرنے لگی۔ فلک بھی واپس اپنی نشست پر بیٹھ گئی تھی مگر مومنہ پھولے منہ سے وہیں کھڑی رہی۔
"آپ کا نقصان میں بھر دوں گا، ڈونٹ وری۔" مفسر نے بلی کے بالوں کو سہلاتے ہوئے نرمی سے کہا۔
"اپنی بلی کو اچھی مینرز سکھا دیں، بس نقصان کی خیر ہے۔" آگے بھی مومنہ کی ایک بار اکھڑ جاتی تو اکھڑ جاتی۔ مفسر کو ایک بار پھر ناگواری محسوس ہوئی۔
"انسانوں سے زیادہ اپنی کینئیس کا بتانا ہے۔ میں نے کہا نا آپ کا نقصان بھر دوں گا تو بات ختم، ایکسکیوز می۔" مفسر بلی کو گود میں اٹھائے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔
"بھائی کی جان ہے کیٹی میں۔" روابہ نے جیسے انہیں مطلع کیا۔ مومنہ کی تو جواب بھی دو ٹکے کی تھی۔
"پلیز مومنہ، جوس لو۔" روابہ نے اس کی بے توجہی پر گلاس پر تھپ بجایا تو اس نے بے دلی سے گلاس لبوں سے لگایا تھا۔

O☆...☆O

انو کے آجانے سے گھر میں مثبت تبدیلی آئی تھی۔ ہاشم اور بچوں کو وقت پر کھانا مل رہا تھا، گھر اچھے سے سنبھل رہا تھا۔ زینب کی فکر ختم ہو گئی تھی جو شوہر اور بچوں کے حوالے سے اسے رہتی تھی لیکن اس سب کے باوجود ایک عجیب سا احساس زینب کے دل میں آ کر بیٹھ گیا تھا، ایک مبہم سا وہم، ایک انجانا سا خدشہ جسے وہ ذہن سے جھٹکنے سے قاصر تھی۔ وہ اس خیال کو سوچتے ہوئے بھی گھبرا رہی تھی جو اس کے دماغ میں جگہ بنانے کو مصر تھا۔ انو اتنی جانفشانی سے ہر کام دیکھ رہی تھی کہ زینب کو اپنے خیال پر ندامت ہوتی مگر وہ اپنی حساسیت کا کیا کرتی جو اسے بے دار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ ہاشم کا دن بدن اکھڑتا رویہ، زینب کی طرف سے بے توجہی اور انو کی طرف شدید جھکاؤ اسے وسوسے میں ڈال رہے تھے۔ وہ انو سے بے انتہا لگاوٹ کا مظاہرہ کرتا، جواباً انو شرمیلی مسکان سے مسکائے جاتی۔ زینب ان باتوں پر خاص توجہ نہ دیتی اگر ہاشم راتوں کو اچانک غائب نہ ہوتا۔ اس کی آدھی شب بستر سے غیر حاضری اسے بری طرح کھٹکنے لگی تھی۔ ایک آدھ بار وہ اپنے وزنی وجود کو اٹھائے ہاشم کو کمرے سے باہر آکر ڈھونڈنے نکلی پر تھوڑا سا چلنے پر ہی طبیعت خراب سی ہو گئی۔ دو قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا، وہ ہاشم کو پکارتی وہیں زمین پر بیٹھ گئی پر ہاشم اس کی پکار پر نہ آیا۔ وہ جس طرح گھسٹ گھسٹ کر خود کو دوبارہ بستر تک لائی تھی اس تکلیف نے اس کی جان ہلا دی سو اس کے بعد زینب نے کبھی بستر سے اٹھنے کی کوشش نہ کی پر اس کا قرار راتوں کو لٹنے لگا تھا۔ جب وہ خالی بستر دیکھتی۔ ہاشم آخر رات کو جاتا کہاں تھا، وہ سوچتی اور پراگندہ خیالات آنے لگتے۔ اس کا اپنا گھر ہے، چھت پر چلا جاتا ہوگا یا کسی اور کمرے میں۔ پھر خود کو تسلی دیتی لیکن شب بیداری ہاشم کی عادت کے خلاف تھی۔ وہ صبح سویرے دفتر جانے کے لیے جلدی سونے کا عادی تھا۔ اس کی عادت کیوں بدلی تھی، اس کی عادت انو کے آنے کے بعد ہی کیوں بدلی گئی۔ یہ سمی ہوئی سوچ زینب کے دماغ کی چولیں ہلا رہی تھی۔

O☆......☆O
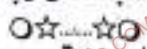
نیچے خوش گوار ہلچل سی مچی تھی۔ مومنہ نے برآمدے کی جالیوں سے جھانک کر دیکھا یہاں سے نیچے کا پورشن نظر آتا تھا۔ انیسہ بیگم استری اسٹینڈ پر کھڑی گنگناتے ہوئے کپڑے پریس کر رہی تھیں، لڑکیاں ایک کمرے سے نکلتی دوسرے میں گھس جاتی تھیں۔ یعنی سینما جانے کی تیاری عروج پر تھی۔ مومنہ نے باہر آکر صحن سے نیچے جھانکا جہاں سے انیسہ بیگم کے پچھلے صحن کا نظارہ آسانی ہوتا تھا۔ بابا آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، حنان تولیہ کندھے پر رکھے واش بیسن کے شیشے کے سامنے کھڑا شیو کر رہا تھا۔ ابھی مسیں پوری طرح نہ بھیگی تھیں پر مرد نظر آنے کا جنون

مومنہ دبے قدموں سیڑھیوں سے نیچے آئی اور لوہے کے گیٹ سے سر باہر نکالا۔ بابا کی کار گھر سے باہر کھڑی تھی۔ وہ گیٹ سے باہر آئی اور ادھر ادھر دیکھا۔ گلی سنسان پڑی تھی، چھٹی کا دن تھا اس لیے لوگ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ کوئی ریڑھی والا گزرتا تو اس کا ہوکا دور تک محسوس ہوتا تھا۔ مومنہ چپکے سے آکر کار کے دائیں ٹائر کے پاس اکڑوں بیٹھ گئی اور ہلکے ہاتھ سے اس کا ائیر کیپ نکال کر اس میں موٹی سی سوئی گھسیڑ دی۔ ٹائر کی ہوا شوشو کرتی فضا میں پھیلنے لگی۔ مومنہ اطمینان سے اس پر نظریں جمائے بیٹھی رہی ٹائر کچھ پچک گیا تو وہ اٹھی اور گول گھوم کر دوسرے ٹائر کی طرف آئی اور یہی عمل دہرایا.....
کچھ دیر بعد ہاتھ جھاڑتی فاتحانہ انداز میں اپنے گیٹ کی جانب بڑھی پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ مفسر سامنے ہی اپنے گھر کے دروازے کے پاس کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا پائپ تھا غالباً کیاریوں کو پانی دے رہا تھا۔ مومنہ اس کی الجھی نظروں سے اپنی جگہ چور سی بن گئی پھر اگلے ہی لمحہ سر جھٹک کر گیٹ کھولا اور سیڑھیوں پر دوڑ لگائی پھر اپنے صحن میں آ کر رکی تھی۔
تھوڑی دیر سانس بحال کی پھر اندر جا کر کولر سے پانی پیا۔ ادھر ادھر کی باتیں بگھاریں اور پندرہ منٹ بعد صحن کی منڈیر سے نیچے جھانکا۔ انیسہ بیگم معہ اولاد پوری تیاری سے خوش باش گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دکھائی دیں۔ اب ابا نے آکر اگلا دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھے۔ کار اسٹارٹ ہوئی بابا نے تھوڑا ریورس کی پھر دائیں جانب موڑی مگر آگے بڑھانے میں ناکام رہے۔ کچھ دیر کوشش کے بعد وہ گاڑی سے باہر نکلے اور جھک کر آگے والے ٹائروں کو چیک کیا۔ مومنہ دیوار سے پیچھے ہٹی مبادا بابا کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ بابا کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھرے اور وہ اونچا بولنے کے ساتھ گلی میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے جیسے اس قبیح حرکت کرنے والے مجرم کو فوری پکڑنا چاہتے ہوں۔ ان کی نظر مفسر پر پڑی جو اب گھر کے باہر رکھی کرسی [illegible] بیٹھا تھا۔

"ادھر آؤ برخوردار۔" انہوں نے رعب سے مفسر کو پکارا۔
"جی انکل۔" مفسر اٹھ کر قریب آیا۔
"او میرے اللہ......اب تو یہ بندہ پاپا کو سچ بتا دے گا اور پاپا مجھے مار ڈالیں گے۔" مومنہ کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔
"کب سے یہاں بیٹھے ہو؟" پاپا نے تفتیش شروع کی۔
"ابھی کچھ دیر ہوئی ہے۔" مفسر ان کے لہجے سے خائف ہوا۔
"میری کار کے ٹائروں کی ہوا کس نے نکالی، تم نے کسی کو نکالتے دیکھا ہے کیا؟" پاپا نے سختی سے پوچھا۔ مفسر کی نظر بے اختیار اوپر اٹھی جہاں مومنہ کے چہرے اور ہاتھ ہی دیوار کو پکڑے دکھائی دے رہے تھے۔
"اللہ کا واسطہ کچھ مت بتانا۔" مومنہ نے دل ہی دل میں التجا کی، وہ دیوار کی جالیوں میں آنکھ لگائے کھڑی تھی۔
"میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔" مفسر نے کندھے اچکائے اور پلٹ گیا۔ مومنہ نے سکون کا سانس لیا۔ پاپا پر سوچ انداز میں کھڑے تھے، بیگم بھی گاڑی سے نکل کر ٹائروں پر نظر دوڑانے لگی تھیں۔
"یہ حرکت کرنے والے اعظم کے بچے ہی ہوں گے، جینا حرام کر رکھا ہے اس کے بچوں نے محلے داروں کا۔" وہ غصے سے بولیں۔
"اس اعظم کو تو میں کورٹ میں گھسیٹوں گا، پہلے ہی جنید انصاری کے خالی پلاٹ پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔" وہ بیگم کی بات پر طیش میں آ گئے۔
"پاپا چلیں دیر ہو رہی ہے۔" منال بھی کار سے اتری، اس کے پیچھے ایک ایک کر کے سب اتر گئے۔
"کہاں سے چلیں؟" وہ جھنجھلا کر بولے۔
"فلم شروع بھی ہو جائے گی اور ہم لیٹ پہنچیں گے۔" حسان پیر پٹختا اندر چلا تو منہ لٹکا کر مشعال اور منال بھی اس کے پیچھے اندر آ گئیں۔
"بچوں کا دل برا ہو گیا ہے۔" فہمیدہ بیگم نے شوہر کو جتایا

اور نبیل کی تنگ تنگ بجاتی گیٹ سے اندر چلی آ گئیں۔ پاپا نے پریشانی سے بالوں میں ہاتھ چلایا اور کار لاک کر کے ان کے پیچھے ہی اندر آ گئے تھے۔ مفسر اپنی نشست پر واپس بیٹھ گیا تھا اور بغور سامنے والے گھر کی بالائی منزل پر نظریں جمائی تھیں جہاں دو سپید ہاتھوں نے بے اختیار تالی بجائی تھی۔

O☆......☆O

"انو ان دنوں اتنی سست ہو رہی ہے، بچیاں روتی رہتی ہیں ان کو دیکھتی ہی نہیں۔ مارے باندھے کچھ پکا کر ان کو کھلا دیتی ہے اور مجھے بھجوا دیتی ہے پھر سارا دن اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہے۔ پہلے کی طرح میرے پاس بھی آ کر نہیں بیٹھتی کہ میں اس کی طبیعت پوچھ سکوں بیمار ہو گئی ہے تو اپنے گھر واپس چلی جائے یہاں رہ کر کیا کرتا ہے۔" زینب نے فون پر اماں سے شکایت کی۔
"ارے اس کو کیا ہوا، اچھی بھلی تو میں تمہارے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔" اماں نے حیرت کا اظہار کیا۔
"سارا گھر پھر سے ڈسٹرب ہو گیا ہے اماں، وہ نہ میرا خیال رکھتی ہے نہ بچیوں کا، میں تو اٹھ کر اسے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ بھلا بندہ بتائے تو اگر بیمار بھی ہوا ہے۔ میں نے باندھ کر تو نہیں رکھا جب دل چاہے واپس چلی جائے۔" زینب نے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
"ایسی ہے تو نہیں انو، کیا پتا واقعی بیمار ہو گئی ہو۔ میں ایک دو دن میں آتی ہوں تمہاری طرف، واپسی لیتے آؤں گی انو کو، ہاشم سے کہو کہ گھر کے لیے کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کرے۔" اماں کی بات پر زینب چڑ گئی۔
"اس کام کے لیے میں نے انو کو مجبور نہیں کیا اماں، وہ خود خوشی سے تیار ہوئی تھی اور چند ہوئے کے لیے کزن سے بڑھ کر دوست کے کام آنا کوئی احسان نہیں۔" اس نے تنک کے کہا، آج کل ویسے بھی ہاشم کا ناقابل فہم رویہ اسے پریشان کر رہا تھا۔
"اچھا...... اچھا ٹھنڈی رہو، میں آؤں گی ناں تو معاملہ پتا چل جائے گا، تب تک

دے۔" اماں نے رسان سے کہا۔
"کیا بات کروں، فون میرے کمرے میں ہے اور وہ ادھر آتی کہاں ہے جو بات کروں۔" زینب نے نروٹھے پن سے کہا۔
"اچھا اس حالت میں اتنا ٹینشن مت لو، ہاشم سے کہو انو کی خبر لے، تم ایک جگہ بیٹھی ہو وہ تو چلتا پھرتا ہے ناں گھر میں۔" اماں کی بات پر زینب نے ایک لمبا سانس بھرا۔ ہاشم کی خبر تو اسے چاہیے تھی جو ایک ہی چھت تلے رہ کر نہ جانے کن کاموں دھندوں میں الجھا ہوا تھا۔
"اچھا اماں میں دیکھتی ہوں تم بس اسے آ کر ادھر سے لے جاؤ۔" زینب نے فون بند کیا اور پیشانی مسلنے لگی۔ ان تین ماہ میں جتنی ٹینشن اسے ہوئی تھی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایک تو چوبیس گھنٹے بستر پر لیٹی رہتی تھی پھر عجیب عجیب سے وسوسے اور خیالات نے ذہن پر یلغار کر رکھی تھی۔
"زاہدہ انو کو دیکھنا کیا کر رہی ہے؟" اس نے کنپٹی انگلیوں سے دباتے کمرے میں جھاڑو لگانے والی ماسی سے پوچھا۔
"ابھی دروازہ انہوں نے ہی کھولا ہے جی۔ بڑا حال ہی نظر آ رہی تھیں۔ دروازہ کھول کر واش بیسن کی طرف دوڑ لگائی تھی، الٹیوں پر الٹیاں کر رہی تھیں۔" زاہدہ نے ہاتھ ہلا کر الٹیوں کی رفتار بتائی۔
"الٹیاں......!" زینب چونک گئی۔
"ہاں جی کئی دنوں سے چال ڈھال بدلی ہوئی ہے آپ کی خالہ زاد بہن کی، پکا دوسرے جی سے ہے۔" کام والی نے آنکھیں گھماتے رازداری سے کہا۔
"کیا......؟" زینب کا دل سکڑ کر پھیلا۔
"دماغ خراب ہو گیا ہے زاہدہ، اس کا شوہر تو دو سال ہوئے اسے چھوڑ چکا ہے۔" زینب نے اونچی آواز میں ڈانٹا تو کام والی چپ سی ہو گئی۔
"پر انہیں ماننا زینب بی بی میں نے تو بچے پیدا کیے

زاہدہ نے دھیمی آواز میں مستحکم لہجے میں کہا تو زینب کو اپنا سکون برباد ہوتا محسوس ہوا۔
"لیکن...... کیسے ہو سکتا ہے اس طرح...... تم ان پڑھ عورتیں بس اپنا ناقص علم یونہی جھاڑتی رہتی ہو۔" زینب نے کھوکھلی آواز میں اس کی نفی کی۔
"ان پڑھ ضرور ہیں جی، اندھی نہیں...... نشانیاں بتاتی ہیں جو اللہ نے ہر کیفیت کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں۔" زاہدہ کو اس کا جھاڑنا پسند نہیں آیا منہ بنا کر وہ جھاڑو دینے لگی۔
زینب کا دل چاہا کہ زاہدہ کہے کہ میرا مشاہدہ غلط ہے، مجھے معاف کر دیں، یہ حالت کسی اور وجہ سے بھی ہو سکتی ہے لیکن زاہدہ نے ایسا کچھ نہ کہا، وہ ایک پکی عمر کی جہاندیدہ عورت تھی۔ اس نے یہ بات کچھ سمجھ کر ہی کی ہو گی۔ زاہدہ کی صورت دیکھتے زینب نے سوچا۔
"اگر انو دوسرے جی سے ہے بھی تو یہ بچہ کس کا ہے؟" زینب کے دھڑکتے ہوئے سہمے ہوئے دل نے سوال کیا تھا۔

O☆......☆O

روابہ نے اپنے گھر میں ون ڈش پارٹی رکھی تھی۔ مومنہ کو بھی فلک کے ساتھ دعوت دی تھی۔ مومنہ اچھی خاصی پریشان ہو گئی تھی پر ان دنوں پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اماں سودا سلف ناپ تول کر بہت احتیاط سے استعمال کرتی تھیں۔ ان کے بجٹ میں ایسی عیاشی کی گنجائش قطعی نہیں نکلتی تھی اور مہینے کے آخری دن چل رہے تھے جو کہ ہمیشہ ہی سخت گزرتے تھے۔ پاپا بہت ہی کم رقم اماں کو گھر چلانے کے لیے دے کر بے نیاز ہو جاتے تھے۔ ان روپوں میں گھر کسی طرح چل ہی جاتا اگر راحم کی دواؤں وغیرہ کا خرچہ نہ ہوتا، راحم کے علاج معالجے کے لیے ان کا صاف طور پر انکار تھا۔ اماں کو ہر ماہ اپنا اور بچیوں کا پیٹ کاٹ کر راحم کے لیے دوا کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ وہ معذور تھا، اس کی قوت مدافعت کم تھی وہ اکثر بخار یا ڈائریا کا شکار رہتا تھا۔ اماں اس کے لیے ہر وقت پریشان رہتیں۔ اولاد کی آزمائش بس ان کے

سے بھی اور مغرور بیٹے سے بھی۔

وہ کچن میں آ کر کھڑی ہو کر سوچنے لگی، حالانکہ فلک نے رباب کے سامنے ہی کہا تھا کہ مومنہ آلو کے کٹلس بنا کر لائے گی، اس کی یہ سستی سی ڈش بتانے کا در پردہ مقصد مومنہ کی ہتک تھی، مشکل آسان کرنا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ مومنہ کے لیے یہ بھی مشکل ہے۔ آئل کے ڈبے میں آئل اتنا تھا کہ مہینے کے بچے پانچ آخری دن شاید ہی نکال پاتا۔ وہ مایوس ہو کر کچن سے باہر نکل آئی تھی۔ حسنہ سامنے تخت پر ہوم ورک کی کاپیاں پھیلائے سر جھکائے بیٹھی ان پر قلم چلا رہی تھی۔ یسریٰ حسب سابق کام کاج نمٹا کر ڈائجسٹ کی دنیا میں گم تھی۔ اماں نادر کے ساتھ مصروف اور کشف اپنی انگلیوں کی پوروں پر نادیدہ نشانات کھوج رہی تھی۔

مومنہ نے ایک سانس بھری اور صحن کے آخری کونے میں بنی تنگ سی راہداری کے دہانے تک آ گئی، یہاں کاٹھ کباڑ کے ساتھ پرانے تیل کے ڈبے بھی رکھے تھے۔ بابا کو گلی سے گزرتے ٹین ڈبے والے کو روک کر ان کا کچھ بھی دینا سخت ناپسند تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بوری والے کو کچھ بیچتے سے محلے والوں پر ان کا تاثر غلط پڑتا کہ وہ پہلی بیوی کو خرچہ پورا نہیں دیتے اسی لیے وہ گھر کی فالتو چیزیں بیچ کر گزارا کرتی ہے، اپنی نیک نامی قائم رکھنے کے لیے وہ بہت حساس تھے۔ اسی لیے پرانے تیل کے خالی ڈبوں کا ایک پہاڑ سامنے رکھا تھا۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھی اور مٹی جھاڑ کر ایک خالی ڈبا اٹھا کر اس کو الٹا تو تیل کی ایک پتلی سی دھار نکلی، مومنہ بے ساختہ خوش ہوئی، ڈبے کو اپنی جگہ پر واپس رکھ کر وہ پھر سے کچن میں آئی اور ایک برتن اٹھا کر جھکے سے راہداری میں آ گئی۔ برتن زمین پر رکھ کر اکڑوں بیٹھ گئی اور ڈبا اٹھا کر برتن پر الٹ دیا۔ بہت ہی کم مقدار میں تیل برآمد ہوا۔ اس نے یہ ڈبا ایک طرف رکھ کر دوسرا ہاتھ میں لیا اور اسے بھی برتن پر اوندھا دیا۔ یہ ڈبا بالکل ہی خالی تھا، ہلانے جلانے پر بھی کچھ نہ نکلا۔

"یہ اماں بھی ناں تیل کا آخری قطرہ تک نہیں چھوڑتیں۔" مومنہ نے کڑھ کر سوچا اور تیسرا ڈبا اٹھا لیا۔ اس میں سے تھوڑا سا تیل نکلا۔ مومنہ باری باری تیل کے ڈبوں کے پہاڑ کو برتن میں انڈیلتی رہی۔ اسٹیل کا پیالہ آدھ گھنٹے میں اتنا بھر سکا کہ اس میں آلو کے کٹلس تلے جا سکیں۔ وہ پیالے کو ہاتھوں میں لے کر احتیاط سے اٹھی اور باورچی خانے میں آ گئی پھر اس تیل کو ایک بوتل میں ڈالا اور چھپا کر کل کے لیے رکھ دیا اور پھر اس نے ایک مطمئن سانس کھینچی اور ہاتھ جھاڑ کر باہر آ گئی۔

اماں ابھی تک راحم کی خدمت میں لگی ہوئی تھیں۔ یسریٰ ڈائجسٹ سینے پر رکھ کر اونگھ رہی تھی، کشف ہتھیلیوں میں نادیدہ لکیریں کھوج رہی تھی اور حسنہ کتابوں میں الجھی ہوئی تھی۔ ایک جیسا منظر روز دیکھ کر طبیعت بوجھل سی ہو جاتی ہے۔

"کیا یہ منظر کبھی بدلے گا؟" مومنہ نے اکتا کر جیسے خود سے ہی سوال کیا تھا۔

○☆......☆○

دو دن بعد ہی زینب کی اماں انو کی خیر خبر لینے چلی آئی تھیں۔ انو ان کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وہ زینب کے کمرے میں بیٹھی تھیں جہاں سے ملنے انو کو ادھر ہی آنا پڑا تھا۔

"ارے چھوکری بالکل پیلی پھٹک ہو رہی ہے، کیا ہو گیا ہے تجھے؟" اماں تو اس کی حالت دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"کچھ نہیں ہوا۔" انو نے نظریں چرائیں۔

"تو کیسے کچھ نہیں ہوا، زبیدہ کہتی ہے الٹیاں پر الٹیاں کرتی رہتی ہو ہر وقت۔" انہوں نے انو کو بغور دیکھ کر کہا۔

"آپ جانتی ہیں خالہ مجھے السر کا مسئلہ ہے، ادھر آ کر پرہیز چھوڑ دیا تو پھر سے مسئلہ ہو گیا۔" انو نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ارے تو کسی کو تو بتاتی یا مجھے بلا لیتی خوامخواہ اتنی تکلیف میں بھی ادھر پڑی ہو گی تو تمہاری ماں مجھے باتیں سنائے گی۔" طیبہ بیگم نے انو کی بات پر اطمینان کا سانس بھر کر کہا، ورنہ زینب نے جو انو کی حالت بتائی تھی اس پر وہ پریشان ہی ہو گئی تھیں۔

"کیا کروں زینب کی تکلیف کا سوچتی ہوں تو دل نہیں مانتا اسے اکیلا اس مشکل میں چھوڑ کر چلی جاؤں۔" انو نے لہجے میں فکرمندی بھر کر کہا تو زینب سلگ اٹھی۔

"میرا اتنا خیال ہے تب ہی میرے پاس بھی نہیں پھٹکتی، نہ جانے کہاں گم رہتی ہو۔" زینب نے تلخی سے کہا تو انو چپ رہی۔

"یہ غریب اپنی تکلیف میں بھی تمہارا سوچ رہی ہے اور تم جھگڑ رہی ہو۔" طیبہ نے بیٹی کو گھرکا، انو نے مسکین سا منہ بنا لیا تھا۔

"خیر انو بٹی اب اپنا سامان باندھو اور میرے ساتھ واپس چلو۔" ان کی اگلی بات نے انو کو چونکا دیا۔

"نن... نہیں... خالہ جی میں ادھر ہی ٹھیک ہوں، اپنی بہن کو ایسی حالت میں چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں، آپ کچھ تو سوچیں زینب اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی گھر کا کام کیسے کرے گی۔" اس نے فوراً جواز گھڑا۔

"اتنی فکر ہے بہن کو تیری۔" طیبہ نے ستائشی نظروں سے انو کو دیکھا۔

"انو میری فکر مت کرو اپنی طبیعت کو دیکھو۔ گھر جا کر کسی ڈاکٹر کو دکھانا اور کچھ آرام بھی کر لینا۔" زینب اس کی بات پر تڑپ کر بولی۔ وہ چاہتی تھی بس انو جلد از جلد اس کے گھر سے نکل جائے۔

"میں ادھر سے ہی ڈاکٹر کو دکھا دوں گی ہاشم بھیا سے کہہ کر۔" انو کہہ کر ہلکا سا مسکرائی یا زینب نے ہی محسوس کیا کہ وہ کچھ بے چین سی ہو گئی تھی۔

"ہاشم مجھے ہی ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جا رہے تمہیں کیوں لے جانے لگے، اپنے بھائی سے کہنا لے جائے۔" زینب نے ناگواری سے کہا۔

"تمہاری تو کنڈیشن ایسی ہے کہ تم چل نہیں سکتیں، میں تو چل پھر سکتی ہوں ناں۔" انو نے فوراً کہا تو زینب کی ناگواری میں اضافہ ہوا۔

"میں ان کی بیوی ہوں، تم کون ہو جو تمہیں ڈاکٹر کو دکھائیں۔" وہ چیخ کر بولی تو طیبہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ہو گیا ہے زینب؟"

"اماں اسے کہیں یہ میرے گھر سے نکل جائے۔ ہم اپنے معاملات خود ہی دیکھ لیں گے۔" زینب پھولی سانس سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ارے....." طیبہ حیران رہ گئی۔

"دیکھا خالہ کیسے لڑ رہی ہے مجھ سے، سچ ہے نیکی کا کوئی فائدہ ہی نہیں، میں اس کی فکر کر رہی ہوں اور یہ مجھے ادھر سے جانے کو کہہ رہی ہے۔" انو نے معصوم بن کر طیبہ کو دہائی دی۔

"زینب یہ تربیت تو میں نے تمہیں نہیں دی کہ گھر آئے مہمان کی بے عزتی کرو۔" اب کہ طیبہ کو بھی غصہ آیا۔

"اماں آپ سمجھ نہیں رہیں یہ اس کی چالاکی ہے....." زینب کہتے ہوئے رک گئی۔ بھلا اس کے پاس ان واہموں کا کیا ثبوت تھا جو اس کے دل میں پنپ رہے تھے۔

"ہائے مجھے چالاک کا خطاب دے دیا۔ زینب تو پاگل تو نہیں ہو گئی، میں نے کیا، کیا ہے بھلا؟" انو نے مزید معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

"اس کنڈیشن میں ایسا ہوتا ہے، مزاج بگڑتا سنورتا رہتا ہے تو دل برا مت کرنا، بستر پر چوبیسوں گھنٹے لیٹی رہتی ہے..... دل تو گھبراتا ہو گا تو بہن کے پاس آ کر دو گھڑی بیٹھ جایا کر۔" طیبہ نے زینب کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے انو کو تسلی دی۔

"خالہ آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں ورنہ سیدھی سیدھی بے عزتی کی ہے زینب نے میری، میں اس کی محبت میں اپنی بیماری کو بھی پس پشت ڈال کر یہاں بیٹھی ہوں اور یہ مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہی ہے۔ ٹھیک ہے میں بیگ تیار کرتی ہوں اپنا۔ اب یہ جانے اور اس کے کام۔" انو طیبہ کی شہہ پا کر اکڑی اور منہ پھلا کر بولی۔

"ارے نہیں، تو ادھر ہی رہ، زینب خیر سے فارغ ہو جائے پھر واپس آ جانا۔" طیبہ نے فوراً کہا تو زینب نے پہلو بدلا۔ انہوں نے ہاتھ دبا کر بیٹی کو چپ رہنے کا اشارہ

کیا انو ماتھے پر شکنیں لیے سرہلاتی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"تو بھی پرسکون ہو جا زینب۔ اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہے؟" انو کے کمرے سے نکلتے ہی طیبہ نے بیٹی کو پانی کا گلاس دیا۔

"اماں مجھے یہ اس گھر میں اچھی نہیں لگتی، اسے لے جاؤ۔" زینب نے گلاس سائیڈ میز پر پٹخ کر جھنجلا کر کہا۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو، اس غریب نے کیا کیا ہے جو تو اتنی بے زار ہو رہی ہے؟" طیبہ نے بیٹی کے تیور بغور دیکھ کر رسان سے پوچھا۔ جواباً زینب اضطراری انداز میں ہونٹ چبانے لگی۔

"تیرے گھر بار کو سنبھال کر بیٹھی ہے اس حالت میں جبکہ تو ایک تنکا بھی توڑ نہیں سکتی، تجھے پلنگ پر کھانا پینا دے رہی ہے۔ یہ کیا کم ہے، کوئی ملازمہ ملی تجھے ڈھنگ کی جو سارا دن تیرے گھر رہے؟ میں بوڑھی جان مجھ میں اتنا دم کہاں کہ تیرے کام آؤں۔ ایک کام کی لڑکی ملی ہے تو تیرے مزاج نہیں مل رہے...... تین ماہ رہتے ہیں جب تک صبر کر پھر فارغ ہو کر خیر سے اپنا گھر بار سنبھال لینا۔" انہوں نے بیٹی کو پرسکون کرنے کی خاطر سمجھایا۔

"اماں میں آپ کو کیسے بتاؤں میرے دل میں کیسے ہول اٹھ رہے ہیں۔" زینب نے بے چارگی سے کہا۔

"کیسے ہول؟ مجھے بتا۔" طیبہ نے پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے اماں......" وہ کہتے ہوئے رکی۔

"مجھے لگتا ہے کہ یہ میرے ہاشم کو مجھ سے چھین رہی ہے۔" زینب نے بالآخر کھل کر کہہ ہی دیا۔ طیبہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"ہائے...... توبہ کر زینب، تجھے پتا ہے کسی پر بہتان باندھنا کتنا بڑا گناہ ہے۔" وہ ایک دم بیٹی کو گھورنے لگیں۔

"اماں یہ سچ ہے، یہ ہاشم کے ساتھ بہت باتیں بگھارتی ہے، وہ بھی اسے عجیب نظروں سے دیکھتا ہے، کبھی ہم تینوں کے بیچ بات چیت ہو تو یہ دونوں ایک دوسرے سے مبہم گفتگو کرنے لگتے ہیں، اشارے کنائے سمجھانے لگا کچھ۔" زینب نے ماں کو بتایا۔

"چل پگلی وہ ہاشم کو اپنا بھائی سمجھتی ہے۔ اس سے پہلے نہیں ملی کیا ہاشم سے، سالی ہے وہ اور سالیاں بہنوئی سے باتیں کیا ہی کرتی ہیں۔" اماں نے اس کی بات کو اہمیت ہی نہ دی۔

"اماں...... ہاشم ایک ہی چھت تلے رہتے میرا نہیں رہا، مجھ سے اکھڑا رہتا ہے، میری کوئی بات نہیں مانتا اور اب تو راتوں کو اپنے بستر سے غائب بھی رہنے لگا ہے۔" زینب نے مزید حقائق بتائے تو طیبہ چونک ہی گئیں۔

"اماں...... ہاشم بدل رہا ہے، اس سے پہلے وہ مکمل مجھ سے دور ہو جائے تم اس لڑکی کو ادھر سے لے جاؤ۔" زینب نے سسک کر کہا تو طیبہ نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"باوجود اس کے کہ میرا دل اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں کہ انو بہنوئی سے کچھ غلط تعلق رکھ سکتی ہے۔ میں تیرے دل کے سکون کے لیے انو کو واپس لے جاتی ہوں، ٹھیک ہے ناں، اب پریشان نہ ہو شاباش۔" انہوں نے بیٹی کی پیٹھ سہلاتے سنجیدہ لہجے میں کہا تو زینب ایک دم جیسے ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھی۔

☆......☆

"اماں آج میں ویگن میں نہیں بیٹھوں گی۔ اتنی گھٹن ہوتی ہے پھر سارے پینجر ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھے ہوتے ہیں۔" یسریٰ نے تیز تیز قدم اٹھاتے ماں سے کہا، اس کے جسم پر پسینہ پانی بن کر رینگ رہا تھا، گرمی کے باعث وہ جھنجلائی ہوئی تھی۔

"رکشہ کے پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔" اماں نے ٹکا سا جواب دیا۔

"پیدل چلتی ہو تو چلو، اچھا ہے ویگن کا کرایہ بھی بچ جائے گا۔"

"آپ کا مطلب کہ قلعے تک ہم پیدل چلیں، مر جاؤں گی میں اماں، اللہ کی قسم آج بہت گرمی ہے۔" اس نے دہائی دی۔

"چل پھر سیدھی طرح۔" اماں نے ویگن کو کھڑا دیکھ کر یسریٰ کا ہاتھ پکڑا اور ویگن میں چڑھیں جو پہلے ہی آدھی سے زیادہ بھری ہوئی تھی، وہ دونوں دو عورتوں کے برابر میں بیٹھ گئیں۔ یسریٰ نے اپنا چہرہ چادر میں چھپایا ہوا تھا پھر بھی سامنے کی سیٹ پر بیٹھے مرد اسے اپنی طرف گھورتے محسوس ہو رہے تھے۔ یسریٰ اپنے گھٹنے بمشکل ان کے گھٹنوں سے ٹکرانے سے بچا پا رہی تھی۔

"زہر لگتی ہے مجھے یہ سواری، جانوروں کی طرح گھس کر بیٹھنا پڑتا ہے۔" اس نے سلگ کر سوچا۔

"بھلا کسی کو یقین آئے گا کہ ہمارے گھر میں ایک عدد نئی ماڈل کی کار موجود ہے اور ہم ویگن کی خواری اٹھا رہے ہیں۔" یسریٰ کی آنکھوں میں پانی چمکا۔

"ہم ایک بنگلے کے اندر رہتے ہیں لیکن ہمارا اوپر والا پورشن نیچے والے پورشن جیسی سہولیات سے عاری ایک ڈربہ خانہ ہے۔" چند پانی کے قطرے یسریٰ کی چادر میں جذب ہوئے۔

"آپ نے دو بیویوں میں بالکل بھی انصاف نہیں رکھا بابا، آپ نے اپنی اولاد کو بھی ایک نظر سے نہیں دیکھا۔" وہ اماں کے پیروں میں پہنی معمولی چپل کو دیکھتے سوچنے لگی۔ یہ خیال کہ غیر مرد اسے گھور رہے ہیں اب ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

"یسریٰ نیچے اترو۔" اماں نے ٹہوکا دیا تو وہ خیالوں سے چونکی۔

دونوں اب پھر سے پیدل محوِ سفر تھیں، پکے قلعے کے علاقے کے پرانی طرز پر بنے مکانات اور تنگ گلیاں یسریٰ کو ازبر ہو چکی تھیں۔ ادھر ایک ڈاکٹر علیم الدین اپنا کلینک چلاتے تھے جن کی دوائیں راحم کو لگتی تھیں اور اماں کا پکا یقین تھا کہ وہ اسی ڈاکٹر کی دوا سے آرام پاتا ہے اسی لیے وہ اپنے گھر سے پکے قلعے تک راحم کے لیے سفر کر کے آتیں اور دوا لے جاتیں۔ بات یہ بھی تھی کہ سرکاری اسپتال سے علاج راحم کو بھی راس نہ آیا تھا اور دوسرے پرائیویٹ ڈاکٹر فیس بہت لیتے تھے۔ بہرحال راحم کی صحت کی خاطر ان کو جوتیاں گھسانی ہی پڑتی تھیں۔

کلینک کا قدیمی چوبی دروازہ جو ہر وقت کھلا رہتا تھا اسے عبور کر کے دونوں اندر آ گئیں، سامنے ہی کشادہ برآمدہ نظر آیا جس میں دونوں اطراف لمبی لمبی لکڑی کی بنچیں بچھی تھیں۔ اماں نے مریضوں کی تکتی آنکھوں ہی آنکھوں میں کی اور یسریٰ کو ایک بنچ پر بیٹھنے کا کہہ کر کمپاؤنڈر کے چھوٹے سے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ یسریٰ کو معلوم تھا اب وہ کمپاؤنڈر سے اپنی باری لینے کی ضد کریں گی اور وہ اماں کو ٹالتا رہے گا۔

"ابھی تک ڈاکٹر صاحب نہیں آئے، کسی اور کا نمبر ہے آپ صبر کریں، کہیں سے ہو کر آ جائیں جب تک آپ کی باری آئے وغیرہ وغیرہ۔" پھر اماں کا بحث کرنا اور ڈاکٹر کا دروازہ کھلتے ہی ان کا اندر کمرے کے اندر گھس جانا۔ دوسرے مریضوں کی اماں کی اس جلد بازی پر ہائے وائے کرنا۔ اسے جیسے یہاں پر وقوع پذیر ہونے والی ہر چیز کا پہلے سے علم تھا۔

وقت گزاری کے لیے یسریٰ نے آس پاس نظر دوڑائی۔ چادروں اور حجاب میں ملبوس مڈل اور لوئر مڈل کلاس عورتیں اور ان کے مرد اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے نظر آئے، بڑے سے برآمدے کو بچوں نے ریس کا میدان بنایا ہوا تھا۔ کبھی ادھر بھاگتے کبھی ادھر۔ یسریٰ نے اپنے چہرے سے چادر ہٹا کر بہتا پسینہ پونچھا اور اونچی چھت پر ڈنڈے کی مدد سے لٹکتے پنکھے کو دیکھا جو اتنی اونچائی سے نیچے ہوا پھینکنے سے قاصر تھا۔

"نجانے پرانی عمارتوں کی چھتیں آسمان سے لگی ہوئی کیوں ہوتی ہیں۔" یسریٰ نے گرمی سے اکتا کر سوچا۔

"تب شاید پنکھے ایجاد نہیں ہوئے تھے اس لیے ہوا کی آمد و رفت کو بحال رکھنے کے لیے چھتیں اونچی بنایا کرتے ہوں گے۔" اس نے جیسے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا اور سامنے دیکھا جہاں اماں اپنے نمبر کی پرچی ہاتھ میں لیے مایوس چال چلتی آ رہی تھیں۔

"کیا ہوا اماں؟" یسریٰ نے پوچھا۔

"ڈاکٹر علیم الدین آج نہیں آئے، ان کا بیٹا کلینک چلا رہا ہے۔ چل پھر چلتے ہیں کل آئیں گے۔" انہوں نے مایوسی سے بتایا تو کل پھر اسی خواری اٹھانے کے احساس نے یسریٰ کو ابھی سے تھکا دیا۔

"اماں دوا ہی تو بدلوانی ہے۔ ان کے بیٹے سے ہی دوسری لکھوا لو اب پھر کل کون آئے۔"

"بھلا علیم الدین کے سوا ہم کو کسی اور ڈاکٹر سے آرام آیا ہے جو دوا ان کے بیٹے سے لکھوالوں۔" اماں نے فوراً برا منا کر کہا۔

"دیکھو تو کیا پتا اچھی دوا لکھ دے، انہی کا بیٹا ہے اماں، باپ جیسی شفا ہی اس کے ہاتھ میں ہوگی۔" یسریٰ نے رسان سے کہا۔

"لیکن ڈاکٹر آج آیا کیوں نہیں، چل اس کے بیٹے سے پوچھتے ہیں، کہیں بیمار تو نہیں پڑ گیا ڈاکٹر؟" اماں نے اس کے مشورے کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

"بیمار ہی ہوں گے اسی نوے سال کے ڈاکٹر بھلا بھلے چنگے ہوتے ہیں۔" یسریٰ انہیں تیزی سے ڈاکٹر کے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر بڑبڑائی۔

"ارے بہن ہماری باری ہے کہاں گھسی جا رہی ہو؟" ایک عورت چیل کی طرح دروازے کی طرف جھپٹی۔

"مجھے ڈاکٹر کو دکھانا نہیں ہے، بڑے ڈاکٹر کا پوچھنا ہے، ہٹو پرے۔" اماں نے اس عورت کو ایک طرف کیا اور دھڑ سے اندر گھس گئیں۔ نا چاہتے ہوئے بھی یسریٰ کو ان کی پیروی کرنی پڑی، پیچھے عورت کیا زور کی دہائی دینے لگی تھی۔

"اماں بھی بس حد کرتی ہیں۔" وہ شرمندہ سی سوچتی اندر داخل ہوئی جہاں علیم الدین کا دبلا پتلا ڈاکٹر بیٹا ان کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"بیٹا آج بڑے ڈاکٹر کیوں نہیں آئے؟" اماں سیدھی اس کے سر پر جا کر کھڑی ہوگئیں۔

"انہیں گھر پہ کچھ کام تھا آپ مجھ سے چیک اپ کرا لیں۔" وہ پیشہ ورانہ تیکھے پن سے بولا۔

"اس عمر میں گھر کے کام کرواتے ہو وہ، صاحب ہے۔" اماں نے ناراضی سے کہا۔

"ارے وہ بات نہیں اماں، آپ جلدی بتائیں کس کو دکھانا ہے باہر دوسرے مریض انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے گڑبڑا کر کہتے یسریٰ کو دیکھا جو دروازے سے لگ کر کھڑی تھی۔

"سولہ سال سے آپ کے والد سے اپنے بیٹے کا علاج کرا رہی ہوں کئی دفعہ آپ کے گھر بھی دکھانے لا چکی ہوں، رام کو اور پوچھتے ہو کس کو دکھانا ہے۔" اماں ہنوز خفا انداز میں بولیں۔

"جی اچھا..." ڈاکٹر نے سر ہلایا۔

"اپنے بیٹے کو بلائیں پھر۔"

"ارے کیسے بلاؤں وہ آ سکتا ہے کیا۔" اماں کی خفگی بڑھی۔

"کیا مطلب...؟" ڈاکٹر حیران ہوا۔

"میرا بھائی جسمانی طور پر معذور ہے تو اس کو ہر بار لے کر آنا مشکل ہے، آپ کے والد صاحب چونکہ اس کا بچپن سے علاج کر رہے ہیں تو اس کی ہلکی پھلکی بیماری پر بنا دیکھے بھی دوا دے دیتے ہیں۔ ہم ان سے بیس تاریخ کو دوا لکھوا کر گئے تھے مگر اس کو افاقہ نہیں ہوا اس لیے آج دوا بدلوانے آئے ہیں۔" یسریٰ نے اس لاحاصل گفتگو سے اکتا کر ڈاکٹر کو تفصیل سے بتایا۔

"اوہ اچھا... مجھے پرچہ دیں میں دیکھتا ہوں۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اماں نے پرچہ چادر میں چھپا لیا۔

"نہ... تم سے دوا نہیں لکھوانی، بڑے ڈاکٹر سے ہی لکھوانی ہے۔ تم کل کے لونڈے کیا تماشا دیکھا تھا تمہیں اب تم علاج کرو گے۔"

"اماں پلیز دکھا تو دو ان کو یہ بھی اچھی دوا لکھ کر دیں گے۔" یسریٰ نے شرمندگی سے ماں کو دبی زبان میں کہا۔

"نہ میرا احمر بس ڈاکٹر علیم الدین کی لکھی دوا سے ہی شفا پاتا ہے۔" وہ بھی ایک ضدی تھیں۔

"ابا شاید کل بھی نہ آ سکیں [illegible]

کی ایج کراس ہونے بھی عرصہ ہو چکا ہے وہ اپنے شوق کی خاطر یا آپ جیسے پرانے ضدی قسم کی مریضوں کے لیے یہاں بیٹھتے ہیں پر اب ان کی صحت اجازت نہیں دے رہی اسی لیے اب یہ کلینک میں سنبھالوں گا۔" علیم الدین کے بیٹے کے انکشاف نے اماں کو پریشان کر دیا۔

"ارے اللہ انہیں لمبی عمر دے، چاق و چوبند تو ہیں ڈاکٹر صاحب ایویں گھر بٹھا کر ان کو بیمار کر دو گے۔ اتنا وسیع تجربہ تمہارے پاس ہے نہ ہی ان جیسی شفا تمہارے ہاتھ میں ہوگی کیوں اپنا چلتا کلینک ٹھپ کرنا چاہتے ہو۔" اماں نے سخت ناپسندیدہ نظروں سے ڈاکٹر کے بیٹے کو دیکھا۔

"فریش ایم بی بی ایس ہوں اماں، بڑی ڈگری بھی کر رہا ہوں، نئی تحقیق پرانے تجربات کے مقابلے زیادہ بہتر ہوتی ہے اور جہاں تک شفا کی بات ہے وہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" ڈاکٹر کے بیٹے نے برا منا کر کہا۔

"خیر میرا نام نواز الدین ہے، آج سے اس سیٹ پر آپ مجھے بیٹھا پائیں گی، علاج کرانا ہو تو میں حاضر ہوں نہیں کرانا تو آپ کی مرضی۔" اس نے بے نیازی سے کہہ کر اسکوپ اٹھایا۔

"[illegible] کو بھیجے۔" اماں ناراضی سے چادر سنبھالتی دروازہ کھول کر باہر نکلیں۔ یسریٰ آگے بڑھی اور ڈاکٹر کی میز تک آئی۔

"جی؟" ڈاکٹر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میری اماں کی باتوں کا برا مت منائیے گا ڈاکٹر صاحب۔ وہ ہمارے معذور بھائی کے لیے بہت پریشان ہیں پھر دوسرے ٹینشن بھی اتنے ہیں کہ وہ بنا سوچے سمجھے بول دیتی ہیں، بس یوں سمجھیں اپنی فرسٹریشن نکالتی ہیں۔" یسریٰ نے دھیمی آواز میں ماں کا دفاع کیا، نواز الدین نے بغور اس کے چادر کے ہالے میں گلابی سے شرمندہ چہرے کو دیکھا۔

"نو... نو پرابلم، میں نے برا نہیں منایا۔" اس نے رسان سے کہا اور اندر آتے مریضوں کی طرف متوجہ ہوا۔ یسریٰ [illegible] سے باہر نکل آئی۔

"اماں آپ بھی حد کرتی ہو۔ بھلا ایسے کہتے ہیں کسی کو تمہارا کلینک ٹھپ ہو جائے گا۔" یسریٰ نے کلینک سے نکلتے ہی ماں سے کہا۔

"تو اور کیا کہوں، اچھا بھلا تو کلینک چلاتے ہیں ڈاکٹر علیم الدین، ایک نام ہے جہان کا اب اس کل کے چھوکرے کو کون دکھائے گا۔" اماں نے پاس سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ دیا۔

"ارے..... رکشہ کیوں روکا اماں؟" یسریٰ حیران ہوئی۔

"ڈاکٹر کے گھر جا کر دوا بدلوانی ہے۔" وہ اطمینان سے بولیں۔

"اماں.....!" اس نے حیرت سے ان کی شکل دیکھی۔

"آپ ان کی زوجہ کو جانتی ہیں ناں؟" رکشہ کی آواز کے سبب زور سے پوچھا۔

"کیا کرے گی۔" اماں نے ہاتھ جھلایا تو یسریٰ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ رکشے نے انہیں مطلوبہ بنگلے کے باہر اتار دیا تھا۔ اماں گھنٹی گیٹ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"اماں گھنٹی نہ بجانا ورنہ وہ آ جائیں گی۔" یسریٰ نے ان کا کال بیل کی طرف بڑھتا ہاتھ روکا۔ اماں خلاف عادت مان گئی اور دروازہ بجانا شروع کیا۔ کافی دیر بجانے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو اماں پھر سے کال بیل کی طرف بڑھی۔

"کون ہے کمبخت۔" اتنے میں ایک لرزتی ہوئی نسوانی چیخ نے دونوں کو اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مر گئی۔" اماں نے بیزاری سے کہا۔

"میں نے پوچھا کون ہے کمبخت..... بھری دوپہر میں دوسروں کی نیند خراب کرتے ہو، کیڑے پڑیں تم لوگوں کو۔" آواز نزدیک آ رہی تھی، یسریٰ اور اماں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اماں واپس چلیں، کل یا پرسوں آ جائیں گے۔" یسریٰ نے مشورہ دیا۔

[illegible] ضدی پن سے کہا۔

"اماں آپ بھی۔" وہ جھنجلا کر آہنی گیٹ کی درزوں سے جھانکنے لگی۔ جہاں وہ دبلی پتلی عمر رسیدہ بڑی بی لکڑی کی لاٹھی زمین پر ٹکائے ایک ہاتھ کمر پر رکھے خشمگیں نظریں گیٹ پر گاڑے کھڑی تھیں۔ دبلا پتلا سا نوراز الدین بالکل ماں پر گیا ہے۔ یسریٰ نے سوچا اور بے اختیار مسکرا دی۔

"بجاؤ..... بجاتے کیوں نہیں دروازہ اور تنگ کرو ہمیں، ارے میرے ڈاکٹر صاحب کو آرام نہیں کرنے دیتے، کھال کھینچ لوں گی سب کی۔" لاٹھی زور سے زمین پر مارتے وہ قریب آ رہی تھیں۔ یسریٰ اور اماں چپ سادھے کھڑی تھیں۔

"ان کا ملازم کہاں ہے بھلا، میں نے اسی لیے گھنٹی نہیں بجائی کہ بڑی بی ناراض ہوں گی مگر نہ جانے کیسے ان کے کانوں میں آواز پڑ گئی۔" اماں بے چینی سے بولیں، گرمی میں زیادہ دیر کھڑے رہنے سے دونوں کا برا حال تھا۔ اتنے میں ڈاکٹر کا ملازم سامنے سے خراماں خراماں آتا دکھائی دیا، ہاتھ میں دودھ کی تھیلی تھی۔

"جی اماں آپ کیسے آئیں؟" وہ انہیں پہچانتا تھا۔

"بیٹا..... راحم کی دوا کی خاطر آئی ہوں، بڑی بی نے دستک کی آواز سن لی ہے۔" اماں نے ملازم کو دیکھ کر سکھ کا سانس لیا۔

"ہاہا..... ہماری بیگم صاحبہ بھی بس، آپ اندر آ جائیں میں آپ کو ڈاکٹر صاحب سے ملواتا ہوں۔" وہ چابی جیب سے نکال کر لاک کھولنے لگا۔

"خبردار جو کسی نے اندر قدم رکھا۔" جابر جیسے ہی اندر داخل ہوا ایک پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور جابر کے سر پر لگا۔

"اوہ میرے اللہ....." بیچاری اماں اور یسریٰ گھبرا گئیں۔

"بیگم صاحبہ میں جابر ہوں آپ کا ملازم۔" وہ بلبلا کر بولا۔

"اچھا..... اچھا تو آیا ہے دودھ لے کر جا مجھے چائے بنا کر دے۔" بڑی بی نے جابر کو ہاتھوں کی بنور دیکھ کر

[illegible]

"میں چائے بناتا ہوں آپ اندر چل کر آرام کریں۔" وہ بڑی بی کو کندھوں سے تھام کر آگے چلنے لگا پھر ذرا سا رخ موڑ کر ان کو اشارہ کیا کہ بیرونی بیٹھک میں چلی جائیں۔ اماں اور یسریٰ دبے قدموں بیٹھک کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

"اللہ خیر..... آج تو بڑی خواری اٹھانی پڑی۔" اماں نے بیٹھک کے صوفہ پر بیٹھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپ کو ہی شوق ہے اماں خواری اٹھانے کا، اچھی بھلی دوا لکھ کر دے رہا تھا ڈاکٹر کا بیٹا۔" یسریٰ نے پنکھے کا بٹن دباتے شکوہ کیا۔

"بس کر اب۔" اماں نے بیزاری سے اسے چپ کروا دیا۔

یسریٰ نے سر جھٹک کر بیٹھک کا جائزہ لیا۔ وہ اماں کے ساتھ تین چار بار یہاں آ چکی تھی۔ علیم الدین کی معمر بیوی کے انداز بھی دیکھ چکی تھی جو گھر آئے ان کے کسی مریض کو نہیں بخشتی تھیں۔ کبھی خبر ہو جاتی کہ کوئی مریض گھر تک آیا ہے تو پتھروں اور گالیوں سے اس کی تواضع کرتی تھیں۔ بقول اماں ان کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا۔ ڈاکٹر اپنے مریضوں کو بیٹھک میں چپکے سے دیکھ لیتے تھے۔ ایک ملازمہ لڑکی شربت کے گلاس لے آئی جو اماں اور یسریٰ نے غٹاغٹ پی لیے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی لاٹھی کی آواز دور سے سنائی دی اماں انہیں دیکھ کر کھل اٹھیں۔

"کیسی ہو زینب بیٹی؟" انہوں نے اپنا ہاتھ اماں کے سر پر رکھا۔

"الحمدللہ..... ٹھیک ہوں ڈاکٹر صاحب۔"

"راحم کیسا ہے؟" انہوں نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی طبیعت اچھی نہیں اسی لیے آئی ہوں، اس دوا سے اسے افاقہ نہیں ہو رہا۔" اماں نے پرچہ ان کے ہاتھ میں دیا۔

[illegible]

ہوگی۔" وہ پرچے پر پہلی دوائی کاٹ کر دوسری لکھنے لگے۔

"بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب، اللہ آپ کو خوش رکھے۔" اماں نے مطمئن ہو کر دعا دی۔

"جزاک اللہ....." وہ اٹھنے لگے تو یسریٰ نے ان کی لاٹھی ان کے ہاتھ میں دی۔

"شکریہ بیٹی، تم یسریٰ ہو ناں؟" وہ اٹھتے ہوئے رکے۔

"جی ڈاکٹر انکل۔" یسریٰ ان کے پہچان جانے پر خوش ہوئی۔

"خوش رہو۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ میری بیٹیوں کے نصیب کی بہت دعا کریں۔ میں بہت ہی پریشان ہوں، معذور بیٹا اور چار جوان بیٹیاں میری ہی ذمہ داری ہیں۔ وہ تو جان چھڑا کر بیٹھے ہیں، نہ خرچہ پورا دیتے ہیں نہ خیال رکھتے ہیں، نہ بچیوں کے مستقبل کی فکر نہ شادی بیاہ کی۔ بس اپنی زندگی میں مگن ہیں۔" اماں نے بھیگی آواز میں کہنا شروع کیا تو بتاتی چلی گئیں۔ یسریٰ نے کتنا ہی ان کا ہاتھ دبایا پر وہ اپنی بات کہہ کر رہیں۔ ڈاکٹر صاحب سر ہلاتے سن رہے تھے۔

"زندگی ہم پر تنگ کر رکھی ہے، راحم سے تو یوں نفرت کرتے ہیں جیسے ان کا بیٹا ہی نہیں، میں نے سڑک سے اٹھایا ہو۔" وہ مزید گویا ہوئیں، یسریٰ نے پھر ان کا ہاتھ دبایا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ یسریٰ، ڈاکٹر صاحب سب جانتے ہیں، سولہ سال سے راحم کا علاج کر رہے ہیں۔" وہ ایک دم جھنجلا کر بولیں تو یسریٰ اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

# محبت کا پھیلاؤ

سلمیٰ غزل

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

جنوری کی ٹھٹھرا دینے والی شام اور اس پر وقفے وقفے سے بارش کا ہونا سونے پر سہاگہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر چیز اپنی جگہ جم کر رہ گئی ہو۔ روز روز کے ٹرانسفرز نے اس کو خاصا تھکا دیا تھا۔ ایمان داری، دیانت داری اور فرض شناسی اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ اصول پرستی اور کام سے لگن اس کے وہ جرم تھے جن کی سزا اس کو ٹرانسفر کی صورت میں مل رہی تھی۔ کبھی کبھی تو طلحہ کو ضبط کی طنابیں کھنچتی ہوئی محسوس ہوتیں اور اس کا دل چاہتا کہ دیانت داری اور ایمان داری پر لعنت بھیج کر معاشرے کی بھیڑ چال میں شامل ہو جائے۔

"بھاڑ میں جائے اصول پرستی۔" کراچی سے حیدرآباد کا سفر سپر ہائی وے کی وجہ سے اتنا مشکل نہیں رہا تھا لیکن عموماً رات کو ٹریفک فاسٹ اور لوڈنگ ٹرکس کی وجہ سے احتیاط ضروری ہوتی تھی۔ جاڑے کی فضا اور ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے سردی کے احساس کو زائل کر رہا تھا لیکن کافی کی طلب شدت سے محسوس ہو رہی تھی، گو کہ جگہ جگہ ہوٹل کھلے تھے لیکن طلحہ کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس کی ماں بیمار تھیں اور کینسر جیسے موذی مرض سے نبرد آزما تھیں۔ احتیاطاً طلحہ انہیں خالہ کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ اپنی سوچوں میں گم جوں ہی اس نے اپنی سرکاری رہائش گاہ کی طرف ٹرن لیا بے ساختہ بریک لگانے پر مجبور ہو گیا۔ گیٹ کے بالکل سامنے کوئی لڑکی روئی کے ڈھیر کی شکل میں موجود تھی۔ لمحے بھر وہ تذبذب کا شکار رہا پھر گاڑی سے اتر کر گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں کسی لڑکی کا سراپا واضح نظر آیا۔ اس نے پلٹ کر ہارن پر ہاتھ رکھا تو ہٹانا ہی بھول گیا۔ بچل نے بھاگ کر گیٹ کھولا۔

"ہٹاؤ اس مصیبت کو۔" وہ غصے سے دھاڑا۔ اس کا موڈ سخت خراب تھا۔

"سائیں یہ تو کوئی زنانی ہے۔" بچل نے اس کے غصے سے خائف ہوئے بغیر کہا۔

"اللہ کے واسطے چاچا اس کا پوسٹ مارٹم بعد میں کر لینا پہلے اسے یہاں سے ہٹاؤ تاکہ میں گاڑی اندر لا سکوں۔ اللہ جانے کہاں سے بھاگ کر آئی ہے۔" وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے بچل چاچا کو کافی کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ کپڑے بدلتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل امی کی اس دھمکی کی طرف تھا جو انہوں نے اسے آتے ہوئے دی تھی۔ جانے کیوں ان کی سوئی طلحہ کی شادی پر اٹک گئی تھی۔ طلحہ کی خالہ کو بھی چند دن بعد امریکا فلائی کر جانا تھا۔ وہ شوہر اور بچے چھوڑ کر کب تک بہن کے پاس رہ سکتی تھیں۔ طلحہ نے اپنی ماں کی خدمت کے لیے ملازمہ مستقل طور پر رکھ



ہوئے تھے گھر بھی آ جاتا تھا مگر انہوں نے طلحہ کی شادی کی ضد پکڑی تھی اور طلحہ کو شادی کے نام سے بھی وحشت ہوتی تھی۔

"سائیں....." اچانک کمرے کی فضا بچل کی آواز سے ٹوٹی اور کافی کی مہک چاروں طرف پھیل گئی۔

"اس لڑکی کو ہوش آ گیا ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" طلحہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا۔

"کچھ دے دلا کر رخصت کرو، ایسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں، بڑی چلتر ہوتی ہیں، کچھ دے دلا کر رخصت کریں میں بہت تھک گیا ہوں اب سوؤں گا۔"

☆......☆

صبح اٹھتے ہی طلحہ نے پہلے امی سے بات کی پھر ناشتہ کرتے ہوئے اسے اس لڑکی کا خیال آیا اس کے پوچھنے پر بچل نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"سائیں جوان لڑکی کو رات کے وقت میں اسے کیسے نکال دیتا اور اتنی سردی میں کہاں جاتی وہ بے چاری؟" خلاف توقع طلحہ سن کر خاموش ہو گیا پھر نرمی سے بولا۔

"چاچا اسے بلا کر لائیں ایسا نہ ہو آپ کی یہ نیکی گلے پڑ جائے۔" بچل لڑکی کو بلا لایا۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟" اس نے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے نظریں اٹھائے بغیر سوال کیا پھر جواب نہ ملنے پر نظریں اٹھائیں تو نگاہیں اس کے ملکوتی حسن پر جم سی گئیں۔ وہ حسن پرست نہ تھا اور نہ کبھی اس نے کسی لڑکی کو نظر بھر کر دیکھا تھا بلکہ اپنے حلقہ احباب میں وہ "ہارڈ اسٹون" کے نام سے مشہور تھا۔ وہ لڑکی نہ گوری تھی نہ ملکوتی حسن کی مالک مگر اس کے چہرے پر ایک انجانی سی کشش اور معصومیت تھی۔ ساری رات رونے کی وجہ سے آنکھیں خطرناک حد تک [illegible] ہو گئی تھیں اور آنسو اب بھی تواتر سے اس کے صبیح گالوں پر بہہ رہے تھے اور طلحہ کو آنسوؤں سے شدید نفرت تھی، اس کی نرماہٹ ایک دم تلخی میں بدل گئی۔

"بند کرو یہ آنسو بہانا۔" وہ لڑکی گھبرا کر اس کی طرف

دیکھنے لگی۔
"دیکھو لڑکی گھر سے بھاگنے والی لڑکیاں نہ گھر کی رہتی ہیں نہ گھاٹ کی، میں تم سے بھاگنے کی وجہ نہیں پوچھوں گا صرف پتا بتاؤ تاکہ میں چھوڑ آؤں اور میری ذمہ داری ختم ہو۔"
"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" لڑکی کے لہجے میں احتجاج بلند ہوا۔
"پھر صحیح کیا ہے یہ تم بتاؤ لیکن جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اور نام بھی بتاؤ۔"
پھر فرطاشیہ نے جو کہانی سنائی اس کا لب لباب یہ تھا کہ وہ ایک بے اولاد جوڑے کو کسی شاہراہ پر روتی ہوئی ملی تھیں، باوجود کوشش وہ اس کے ماں باپ کو نہ ڈھونڈ سکے تھے، وہ خاتون بیوہ ہو چکی تھیں اور ماں کی طرح سے محبت کرتی تھیں۔ شوہر کے انتقال اور اسکول سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ مجھے لے کر حیدرآباد آ گئیں اور کرائے کے گھر میں رہنے لگیں، ان کی پنشن سے گزارا ہو جاتا تھا لیکن اپنی محنت اور کوشش سے میں نے بھی اسکول میں نوکری کر لی تھی، اسی دوران میری امی کا انتقال ہو گیا اور تنہائی کے خیال سے میں نے اپنے ساتھ اپنی دوست کو رکھ لیا جس کا تعلق اندرونِ سندھ سے تھا اور وہ جاب کی وجہ سے حیدرآباد رہ رہی تھی۔ وہ منگنی شدہ تھی اور اکثر اس کا منگیتر ملنے آتا جاتا تھا پھر ایک دن منگیتر کے ساتھ گھومنے گئی تھی رات ہونے لگی تو میں پریشان ہو گئی اور جب اس کا منگیتر آیا تو میں نے بغیر سوچے سمجھے دروازہ کھول دیا اور یہی میری غلطی تھی وہ اپنی منگیتر کو چالاکی سے کہیں چھوڑ کر تنہائی سے فائدہ اٹھانے آیا تھا۔ اللہ نے میری حفاظت کی اور میں اس کو زخمی کر کے اندھا دھند بھاگی اور آپ کے بنگلے کے آگے گر کر بے ہوش ہو گئی تھی۔"
"بڑی ڈرامائی اور دلچسپ کہانی ہے کس چینل پر چلی تھی؟" طلحہ کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔
"آپ مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہیں؟" وہ دکھ سے بولی۔

مگر مجھے آپ کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ویسے بھی اب اس گھر میں تو جاؤں گی نہیں، میں نہیں چاہتی میری وجہ سے میری دوست کو تکلیف ہو، رات پناہ دینے کا شکریہ۔" اس نے تیزی سے قدم آگے بڑھائے مگر کچھ سوچ کر طلحہ اسے روکنے پر مجبور ہو گیا۔
"سنو..... کہاں جاؤ گی؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔
"یہ آپ کا مسئلہ نہیں۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔
"زیادہ اکڑ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، میں بھی تمہیں ضرورتاً ہی روک رہا ہوں، تم مجبور ہو اور میں ضرورت مند، تمہیں سر چھپانے کے لیے ٹھکانہ چاہیے اور مجھے اپنی ماں کے لیے ایک عدد بہو۔"
"جی.....؟" فرطاشیہ کی چیخ بلند ہوئی۔
"پوری بات سن لو پھر چیخ لینا، میری امی سخت بیمار ہیں اور زندگی سے مایوس بھی، میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں اور ان کو ہر وہ خوشی دینا چاہتا ہوں جو میرے بس میں ہو لیکن ان کی خوشی کے لیے خودکشی نہیں کر سکتا کہ شادی کرنے سے بہتر میں خودکشی کر لوں۔" فرطاشیہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہو؟"
"معاف کیجیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں جبکہ میں تو خود بے یار و مددگار ہوں۔" وہ مایوسی سے بولی۔
"میں تمہیں اپنی بیوی بنا کر ان کے سامنے لے جاؤں گا۔"
"یہ کیا بکواس ہے۔" فرطاشیہ بگڑ کر بولی۔
"تمہیں اس کا معقول معاوضہ ملے گا۔" وہ اس کی کیفیت سے انجان اپنی رو میں بولا گیا۔
"بس تمہیں بیوی بننے کی ایکٹنگ کرنی ہوگی تاکہ امی کی خوشی پوری ہو جائے۔"
"معاف کیجیے میں آپ کے اس بے ہودہ کھیل میں شریک نہیں ہو سکتی، کسی قیمت پر بھی نہیں، بے شک میں مجبور ہوں مگر اتنی بھی نہیں کہ ایک بیمار عورت کی امیدوں پر جھوٹی خواہشوں کے محل تعمیر کروں، آپ کسی شریف لڑکی

"شریف لڑکی۔" وہ قہقہے سے دھاڑا۔
"دیکھی ہے تم نے، نظر آئی ہے کہیں تمہیں؟ کس زمانے کی بات کر رہی ہو، پیسہ، لالچ، ہوس، عریانیت، بے حیائی اور آزادی یہ ہے شریف لڑکیوں کے چلن جس کی ایک مثال تم بھی ہو۔"
"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" فرطاشیہ کو غصہ آ گیا۔
"بی بی..... ابھی تم نے میری حد کہاں دیکھی ہے ابھی تو شروع ہی نہیں ہوئی، شکر کرو مجھے اس جنس سے نفرت ہے ورنہ میری حد کا پتا چل جاتا۔ میں تم سے سچ مچ شادی نہیں کر رہا صرف شادی کا ڈراما کرنے کو کہہ رہا ہوں ورنہ ایک ڈھونڈو ہزار ملتی ہیں، تمہیں منظور نہیں تو سو بسم اللہ پھر چلتی پھرتی نظر آؤ مگر سوچ لو جہاں جاؤ گی عزتوں کے کیڑے قدم قدم پر تمہارا راستہ روکیں گے شکاری کی طرح جال پھینکیں گے اور پھر عورت لاوارث ہو تو مرد گدھ کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔"
"آپ بھی تو آخر مرد ہیں۔" فرطاشیہ خود کو بولنے سے باز نہیں رکھ سکی اور طلحہ اس کو گھورتے ہوئے بولا۔
"مرد ضرور ہوں مگر نظرباز ہوں نہ عیاش کیونکہ اول تو میری فطرت ایسی نہیں دوسرے ہر لڑکی مجھے ڈائن اور خون چوسنے والی عفریت نظر آتی ہے اپنی ماں کے علاوہ میں اس دنیا کی ہر صنفِ نازک سے نفرت کرتا ہوں کیونکہ اس دنیا میں فساد کی سب سے بڑی جڑ ہی یہ صنف ہے۔ میرا بس چلے تو سب کو لائن سے کھڑا کر کے شوٹ کر دوں۔" اس وقت فرطاشیہ کو وہ بالکل ابنارمل لگ رہا تھا اور یہی اس کا پلس پوائنٹ تھا۔
"مجھے منظور ہے مگر مجھے کرنا کیا ہوگا؟" بہت سوچنے کے بعد اس نے صبر کر کے حامی بھر لی کیونکہ اس کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا، عورت سے نفرت اس کے لیے اطمینان کا باعث تھی، کم از کم یہاں اس کی عزت تو محفوظ تھی۔ طلحہ کی لاتعلقی اور بیگانگی نے جلد ہی اس کی طرف سے

بھی تو ایک نظر فرطاشیہ پر ڈالنا گوارہ نہیں کرتا، کچھ دن تک تو وہ گھبرائی، بوکھلائی اور گھبراہٹ کا شکار رہی پھر جیسے زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ بگل چاچا کی موجودگی اور ان کی شفقت بھری باتیں اس کے لیے بڑا سہارا تھیں۔ وہ خالی ہاتھ عزت بچا کر گھر سے نکلی تھی مگر جانے کیسے اور کہاں سے بگل چاچا نے اس کے لیے کپڑوں کا انتظام کر دیا تھا۔ اس کا بیشتر وقت زیادہ تر بگل چاچا کے ساتھ ہی گزرتا تھا جو سندھی ہونے کے باوجود روانی سے اردو بولتے تھے آخر ایک دن اس سے ضبط نہ ہو سکا تو جھجکتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔
"آخر طلحہ عورتوں سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟"
"بس بیٹا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" بگل چاچا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
"ایک زمانہ تھا کہ یہ گھر خوشیوں کا گہوارہ تھا، زندگی محو رقصاں تھی، میری پوری زندگی یہیں گزری ہے۔ میری شادی بھی صاحب اور بیگم صاحبہ نے کی تھی مگر جب پانچ سال میں اپنی بیوی کو اولاد کی خوشی نہ دے سکا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی کیونکہ نقص مجھ میں تھا اس میں نہیں پھر میں نے شادی نہیں کی اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ہمارے صاحب کا ایک ہی بیٹا تھا، حمزہ بے حد خوب صورت اور ذہین اور ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا، باوجود کوشش کے جب حمزہ کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی تو دونوں نے اسی کو مرکزِ نگاہ بنا لیا مگر اللہ کی قدرت کہ چودہ سال بعد غیر متوقع طور پر طلحہ دنیا میں آ گئے تو حمزہ تو جیسے بھائی کو پا کر دیوانے سے ہو گئے پھر ہارٹ اٹیک میں جب صاحب چل بسے تو حمزہ بھائی کی جگہ طلحہ صاحب کے لیے باپ بن گئے اور انہوں نے چھوٹے بھائی کو باپ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا مگر نہ جانے اس گھر کو کس حاسد کی نظر لگ گئی۔ بیگم صاحبہ اپنے دوست کی بیٹی حمزہ کے لیے بیاہ کر لے آئیں جبکہ وہ کسی اور کو پسند کرتے تھے مگر ماں کی جذباتی بلیک میلنگ اور دھمکیوں سے مجبور ہو کر وہ اپنی محبت سے دستبردار ہو گئے مگر نئی بہو بیگم گھر میں کیا آئیں قیامت بھی ساتھ ہی لے آئی تھی۔ یہ لوگ پرانے خیالات و

خیالات کی حامی جب وہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوا تو طوفان تو آنا ہی تھا مگر پھر بھی خیر تھی لیکن بہو بیگم جب ماں کے عہدے پر فائز ہونے لگیں تو گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی لیکن بہو بیگم اس بچے کو اپنی آزادی کا دشمن سمجھنے لگی تھیں، وہ ان کی آزادی کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔ بیگم صاحب، حمزہ اور طلحہ اس زمانے میں ایسے خوش تھے کہ انہوں نے بہو بیگم کی خودسری اور گستاخیوں کو بھی نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا مگر اس خوشی کا قیام عارضی رہا، بہو بیگم نے بغیر بتائے کسی ڈاکٹر کے ذریعے بچہ ضائع کرا دیا اور ابھی یہ لوگ اس صدمے سے سنبھلے بھی نہیں تھے کہ وہ خاموشی سے ملک سے باہر چلی گئیں اور طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ بیگم صاحب کی دوست لاعلم بھی تھیں اور شرمندہ بھی مگر طلاق کے سوا کوئی چارہ بھی نہ بچا تھا۔ بیگم صاحب نے اس لڑکی کا پتا کیا جس کو حمزہ پسند کرتے تھے تو پتا چلا وہ اپنی فیملی کے ساتھ کسی اور ملک شفٹ ہو گئی تھی۔ حمزہ بابو یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور ہارٹ اٹیک نے ان کی جان لے لی۔ ان تمام باتوں کا اثر سب سے زیادہ بیگم صاحب اور طلحہ بابو نے لیا، کم عمر تھے عقل و شعور کی کمی تھی، بھائی کی موت نے ان کی زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا کر دیا تھا۔ احساسات اور جذبات پر برف کی تہہ جم گئی اور دل و دماغ پر عورت سے نفرت کا جذبہ حاوی آ گیا۔ بیگم صاحب نے لاکھ سمجھایا کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ایک عورت کے کیے کی سزا دنیا بھر کی عورتوں سے نفرت کر کے کیوں لی جائے مگر طلحہ بابو اپنے فیصلے میں اٹل ہیں۔ بے حد ماں کے فرماں بردار ہونے کے باوجود وہ ماں کی یہ بات ماننے کو تیار نہیں اور یہ صدمہ بیگم صاحب کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔"

......☆......

پھر ایک دن اچانک جب بچل چاچا نے بتایا کہ کل انہیں بیگم صاحب کے پاس کراچی جانا ہے تو اس کے طوطے کوچ کر گئے، بلی کو سامنے دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے کیا خطرہ ٹل جاتا ہے وہ دہشت اور خوف زدہ

"نہ جانے طلحہ نے ماں کو اس کے بارے میں کیا بتایا ہو وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، بظاہر تو وہ ان کی بہو ہی ہوگی مگر سانپ کا ڈسا رسی کو بھی سانپ سمجھ لیتا ہے۔ پہلے بہو کا کیا وہ بھولی تو نہ ہوں گی اور اگر حقیقت کھل کر سامنے آ گئی جو جلد یا دیر آنی ہی تھی تو اس کی عزت اور بھرم دو کوڑی کا بھی نہیں رہیں گے پھر کیا وہ ان حالات میں ایک اچھی بہو کا کردار نبھا سکے گی، طلحہ کی بیوی کی ایکٹنگ کر سکے گی؟ پھر پول کھلنے پر کراچی سے کہاں جائے گی؟"

ایسے بے شمار سوالوں نے اسے خوف زدہ اور حراساں کر رکھا تھا۔ ڈری سہمی فرطاشیہ اس پر طلحہ کا رویہ جو تیوریوں پر بل ڈالے اس کی ذات سے بیگانہ اور بے پروا طوفان کی طرح گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ ڈری سہمی دروازے سے چپکی بیٹھی تھی جبکہ پیچھے بچل چاچا کی موجودگی کچھ اطمینان کا سبب تھی، صرف درمیان میں ایک جگہ اس نے گاڑی روکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کو کچھ کھانا، واش روم جانا ہے۔" پھر اس کا نفی میں سر ہلتا دیکھ کر وہ دونوں ہوٹل کی طرف بڑھ گئے تھے۔ واپسی میں بچل چاچا نے چائے کا مگ اور بسکٹ کا ایک پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا جسے اس نے خاموشی سے لے لیا تھا۔

......☆......

سورج کی سنہری کرنیں جب اندھیرے میں مدغم ہو رہی تھیں تب وہ ڈیفنس کے ایک پوش ایریا کے خوب صورت سے بنگلے میں پہنچ چکے تھے طلحہ کو دیکھتے ہی اس کی امی نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا اور بے ساختہ چومنے لگیں۔ فرطاشیہ ڈری سہمی بڑی حسرت سے اس والہانہ محبت کے نظارے دیکھ کر خود کو آنے والے حالات کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھی جب ہی انہوں نے طلحہ کو چھوڑ کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔ ان کی بانہوں میں گرم جوشی اور لہجے میں شفقت تھی۔

... ہیں۔ ان کے الفاظ نے فرطاشیہ کو

موم کی طرح پگھلا دیا۔ دل گداز ہوا تو روم روم سے محبت کے سوتے ابل پڑے اور آنکھیں دریا بن گئیں۔ ان بانہوں میں ممتا کا لمس تھا، محبت کی چاشنی تھی جو اس کے بجھے اور جلتے ہوئے وجود پر پھوار کی طرح برس رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر انہوں نے اسے شدت سے بھینچ لیا تب اس کی نظر طلحہ پر پڑی جو کینہ توز نظروں سے اسے گھور رہا تھا، اس نے گھبرا کر آنسو پونچھ لیے تھے۔

"میں کل ہی بہو کے آنے کی خوشی میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کروں گی۔" انہوں نے پیار سے فرطاشیہ کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو طلحہ گھبرا کر بولا۔

"نہ...... نہیں امی پہلے آپ تندرست تو ہو جائیں پھر دیکھیں گے اور سچ پوچھیے تو میں بہو آپ کی خدمت کے لیے لایا ہوں۔"

"کیوں...... کیا خدمت کے لیے نوکروں کی کمی ہے؟" وہ خفگی سے بولیں۔ "یہ تو میری آنکھوں کا نور دل کا سرور ہے میرے گھر کا اجالا جو شکل سے ہی معصوم اور پیاری ہے آدھی بیماری تو میری اس بچی کی شکل دیکھتے ہی جاتی رہی۔ میں ابھی تم دونوں کے لیے کمرہ ٹھیک کراتی ہوں، میں تو تمہاری بات کو مذاق سمجھ رہی تھی کہ بہو لے کر آ رہے ہو ورنہ پہلے ہی کرا دیتی، تھک گئے ہوں گے کمرے میں جا کر آرام کرو۔" قیصر جہاں، طلحہ کی امی کا دل خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا اور فرطاشیہ کا دل خوف سے دھک دھک کر رہا تھا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ بیوی بن کر طلحہ کے ساتھ ایک کمرے میں بھی رہنا پڑے گا۔ وہ کانپ سی گئی۔

"ارے نہیں امی۔" اس نے پیار سے ماں کو سمجھایا۔

"آج کل مجھ پر کام کا بہت بردن ہے، کبھی کبھی تو مجھے رات کے دو بھی بج جاتے ہیں، اسٹڈی روم میں بیٹھ کر کام کرتا ہوں مگر آپ کی بہو کو تنہائی سے بہت ڈر لگتا ہے اس لیے یہ فی الحال آپ کے کمرے میں سوئے گی۔" فرطاشیہ نے اطمینان کی ایک لمبی سانس خارج کی لیکن اس کا ضمیر مسلسل ملامت کر رہا تھا۔

زیادتی ہے۔ ان کے ارمانوں، آرزوؤں اور خوشیوں کا خون ہو جائے گا جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا، کتنا دکھ ہوگا انہیں اور شرمندگی مجھے، اپنی غرض اور مطلب کے لیے ایک بے ضرر معصوم عورت کو دھوکا دے رہی ہوں، یا اللہ تو مجھے معاف کر دینا اور میرا بھرم رکھ لینا۔" اس نے گڑگڑا کر سچے دل سے دعا کی۔

فرطاشیہ یہاں آ کر بہت خوش تھی، قیصر جہاں کی شفقت اور محبت نے دل سے ہر خدشے اور خوف کو مٹا دیا تھا، وہ ہر وقت خود کو ان کے کاموں میں مصروف رکھتی تا کہ کچھ سوچنے کا موقع نہ ملے، ان کو وقت پر دوا دینا، ان کو پرہیزی کھانا پکا کر کھلانا، نہلانا، دھلانا اور اخبار پڑھ کر سنانا۔ یہ تمام ذمہ داریاں اس نے از خود اپنے ذمہ لے لی تھیں۔ جس کا قیصر جہاں کی صحت پر خوشگوار اثر پڑا تھا۔ ان کو تنہائی کے عذاب سے چھٹکارا مل گیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ فرطاشیہ ہر وقت ان کے سامنے بنی سنوری رہے جو فرطاشیہ کے لیے ناممکن تھا وہ خوش تھی اپنی اس مصروفیت سے مگر راتیں کروٹیں بدلتے ہوئے گزر جاتی تھیں۔

اس دن خلاف توقع طلحہ گھر جلدی آ گیا تھا۔ فرطاشیہ گھبرا کر قیصر جہاں کے پیچھے ہو گئی۔ وہ اس کی شکل سے نفرت کرتا تھا۔ فرطاشیہ کو دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر شکنیں اور تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے۔ وہ اس کو سامنے دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی تھی۔ قیصر جہاں کے اصرار پر اس کو مجبوراً کمرے میں جانا پڑتا تو وہ فرطاشیہ پر خاموش نظروں سے ایسے تیر پھینکتا جس میں نفرت بھی ہوتی اور حقارت بھی اس کی ہر بات زہر میں بجھی ہوتی تھی۔ فرطاشیہ کو اس کی موجودگی سے وحشت ہو رہی تھی۔

"کیوں میاں کس دنیا میں رہتے ہو؟" انہوں نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے بیٹے کو گھورا جو ان کی گود میں سر رکھے لاڈ اٹھوا رہا تھا۔

"میری بچی سارا دن اکیلی گھر میں رہتی ہے، شادی کر کے یوں لگتا ہے جیسے تم نے کوئی احسان کیا ہو سارا دن

چراغ لے کر بھی ڈھونڈتی تو ایسی بہو نہ ملتی، ہو تھوڑی ہوگی کیسے ناقدرے شوہر سے واسطہ پڑا ہے، اب فوراً کھڑے ہو جاؤ اور اس کو کہیں گھما پھرا لاؤ۔"

"امی میں بہت تھکا ہوا ہوں۔" طلحہ چڑ کر بولا اور ذرا سی بھی فرطاشیہ کو گھورنے لگا۔

"میں کچھ نہیں سنوں گی، کون سا الٹے جوتے کھا آئے ہو بھلا، غضب خدا کا نئی نویلی دلہن اور ننگے ہاتھ، نہ کوئی ڈھنگ کے کپڑے، نئی نئی شادی اور حلیہ ایسا جیسے برسوں ہو گئے ہوں شادی کو، اس کی پسند کے کپڑے دلانا اور اچھا سا کھانا بھی کھلانا۔" ان کا فیصلہ کن تھا۔

"چلیے محترمہ۔" وہ دانت بھینچ کر آہستہ سے زہریلی آواز میں بولا۔

"میں پوچھ سکتا ہوں میری ماں پر کس قسم کا جال پھینک رہی ہو تم؟" گاڑی چلاتے ہوئے وہ غصے سے دھاڑا۔ فرطاشیہ نے صفائی میں کچھ کہنا چاہا تو وہ کڑک کر بولا۔

"دیکھو اپنی معصومیت، خدمت گزاری اور جھوٹی محبت سے تم امی کو تو بے وقوف بنا سکتی ہو لیکن مجھے نہیں، یہ مت بھولو کہ یہ صرف ایک ڈرامہ ہے اور اس کو حقیقت کا رنگ دینے کی کوشش کی تو بہت پچھتاؤ گی۔"

"آپ بھی جمع خاطر رکھیں مجھے بھی ڈرامہ کرنے کا کوئی شوق نہیں وہ تو آپ کی ماں کا رویہ ایسا ہے کہ ایکٹنگ میں خود بخود حقیقت کا رنگ بھر جاتا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" اس کی آواز بھرائی اور آنکھیں چھلک پڑیں۔

"بند کرو یہ آنسو بہانا، میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے یہ آنسو زہر لگتے ہیں اور ان کا مجھ پر کوئی اثر بھی نہیں ہوتا۔" وہ بگڑ کر بولا تو فرطاشیہ کی بھی بس ہو گئی۔

"روکیے گاڑی، مجھے کہیں نہیں جانا، ٹریٹ نہ کریں۔" فرطاشیہ کو غصہ آ گیا۔

"زیادہ اکڑ دکھانے کی ضرورت نہیں، جب تک میری امی کو پتا نہیں ہو جاتا تم کہیں نہیں جا سکتیں اور اگر بھاگنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا پاتال میں سے بھی ڈھونڈ کر نکال [illegible]

گی۔" طلحہ کی آواز میں کچھ ایسا جلال تھا کہ اس کو سانس لینا بھی مشکل لگنے لگا اور دلہن مال میں بھی روبوٹ کی طرح چلتی اور خریداری کرتی رہی۔ ماں کو خوش کرنے کے لیے طلحہ نے قیمتی کپڑے، چوڑیاں، جوتے اور ڈھیر سارا میک اپ کا سامان خرید لیا تھا۔

"تم نے ایسی خریداری کا خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔" وہ حقارت سے بولا اور فرطاشیہ نے بے بسی اور دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔ ان نگاہوں میں جانے کیا تھا کہ طلحہ نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گیا پھر ہوٹل میں کھانا بھی اس نے جبراً بے دلی سے صرف چکھنے کی حد تک کھایا تھا۔

شام کو اچانک قیصر جہاں کی طبیعت بگڑنے لگی تھی، کیمو تھراپی کے بعد ان کی کئی دن طبیعت خراب رہتی تھی، طلحہ گھر پر نہیں تھا، نجل چاچا کے بتانے پر اس نے فوراً ان کے معالج کو فون کیا جو طلحہ کا گہرا دوست بھی تھا۔

"خالہ جان میں تو آپ کی طبیعت میں کافی بہتری دیکھ رہا ہوں کمزوری ضرور ہے مگر نہ بلڈ پریشر نہ شوگر ہائی بلکہ چہرے پر کافی رونق ہے۔"

"یہ سب میری بہو کی خدمتوں کا نتیجہ ہے۔" قیصر جہاں فخر سے بولیں اور ڈاکٹر کی چیخ نکل گئی۔

"یہ بہو کہاں سے ٹپک پڑی آنے دیں طلحہ کو خبر لیتا ہوں، چپکے چپکے شادی کر لی اور مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ بھنا کر بولا۔

"نہیں سہیل بیٹا طلحہ کو کچھ نہ کہنا، تم جانتے ہو وہ کسی صورت شادی کے لیے راضی نہ تھا مگر مرتے ہوئے دوست کی خاطر اس کی چھوٹی بہن سے شادی کرنی پڑی جس کا بھائی کے سوا دنیا میں کوئی نہ تھا، بیٹے اس کی کھنچائی کرنے کا تمہیں پورا حق ہے مگر پہلے میری بہو سے تو مل لو۔" انہوں نے فرطاشیہ کو آواز دی۔ چوڑی دار پاجامہ اور فراک میں وہ آسمان سے اتری ہوئی حور لگ رہی تھی۔ معصومیت اور شرم و حیا اس کی جھکی جھکی آنکھوں سے ہویدا تھیں، زمانے بھر کا تقدس اس کے سراپے میں نمایاں تھا، وہ احتراماً کھڑا ہوا اور [illegible]

اپنی اپنی سی لگی، دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی تب ہی بے آواز قدموں سے چلتا ہوا طلحہ اندر آیا اور یوں ساکت اور جامد فرطاشیہ کو تکتے دیکھ کر اس کی فطری سختی اور خشونت عود کر آئی اور وہ ایک بھرپور نظر فرطاشیہ پر ڈالتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

"دفع ہو جاؤ۔" یہ آواز صرف فرطاشیہ نے ہی سنی اور وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گئی اور سہیل بغیر شکوے شکایت کے طلحہ کے گلے لگ کر شادی کی مبارک باد دینے لگا، ساتھ ہی وہ فرطاشیہ کی معصومیت، تقدس اور پاکیزگی کی تعریف بھی کر رہا تھا جو اس کے لیے تازیانے سے کم نہ تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا پھر سہیل کے جانے کے بعد وہ بھی کام کا بہانہ کر کے گھر سے نکل گیا تھا۔

رات بارہ بجے اس کی واپسی ہوئی اور ماں کی بے آرامی کے خیال سے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا تو ٹھٹک کر رہ گیا، یہ کمرہ تو اس کا لگ ہی نہیں رہا تھا، سرخ پردے، خوب صورت ایرانی قالین، مور کی شکل کا جہازی سائز سرخ بیڈ شیٹ سے آراستہ بیڈ، بیڈ کے چاروں طرف تازہ گلاب کے پھول بستر پر بھی اور موتیے کی لڑیاں خوشبو بکھیر رہی تھیں، جس میں روم ایئر فریشنر کی خوشبو بھی شامل تھی، سائیڈ ٹیبل پر دودھ کا مگ اور ڈھیر سارے پھل۔ طلحہ کا دماغ چکرا گیا اور اس کا دم گھٹنے لگا، وہ گھبرا کر واپسی کے لیے پلٹا اور ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے بے ساختہ پردہ کھینچا اور اس کے پیچھے چھپی فرطاشیہ کو گھسیٹ کر بیڈ پر پٹخ دیا۔ جو ہچکیوں سے رو رہی تھی اور سرخ لباس میں کمرے کا ایک حصہ ہی لگ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے اور یہ بہو ہونے کا قصہ کیا ہے؟" وہ غصے سے دھاڑا اور فرطاشیہ کی گھگھی بندھ گئی۔

"اللہ کی قسم اس میں میرا کوئی قصور نہیں، میں تو آنٹی کے پاس ہی تھی جب انہوں نے زبردستی کپڑے پہنا کر مجھے آپ کے کمرے میں بھیج دیا، انکار کرتی تو انہیں شک ہو جاتا اور حقیقت بتاتی تو ان کی طبیعت بگڑ جاتی، آپ یقین [illegible]

کمرے کا خوابناک ماحول اور ایک جوان مرد کا ساتھ شرمندگی اور انجانے خوف سے وہ سہم رہی تھی، اس کے اعصاب شل اور دماغ سن ہو گیا تھا۔

"اچھا بس شور مت کرو، امی اٹھ جائیں گی۔" وہ دبی دبی آواز سے غصے سے بولا اور دروازہ لاک کر دیا۔ فرطاشیہ کی چیخ بے ساختہ بلند ہوئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں، اللہ کے واسطے مجھے باہر جانے دیں۔" فرطاشیہ نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی مگر بروقت طلحہ اس کو بانہوں میں جکڑ کر اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھتا تو وہ یقیناً چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیتی اور اب طلحہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو الفاظ ساتھ چھوڑ گئے، دل ڈوب سا گیا۔ فرطاشیہ کی آنکھوں میں ایک خوف تھا، سہمی ہوئی چڑیا کی طرح وہ کانپ رہی تھی۔ دلہن کی طرح سجی وہ آفت بنی فرطاشیہ اس کے جذبات میں ہلچل مچا رہی تھی۔ متضاد کیفیتوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا اس کو سنبھلنے میں ایک لمحہ لگا پھر وہ اس کے کان کے پاس سختی سے گویا ہوا۔

"پاگل مت بنو، میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا، ویسے بھی حرام کھانے کا شوق نہیں مجھے۔" کچھ دیر پہلے کے نرم و نازک جذبات جانے کہاں جا سوئے تھے۔ اس کے لہجے میں وہی درشتگی اور سختی تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی، ابھی تک اس کا ہاتھ اس کے منہ پر اور سراپا بانہوں میں تھا پھر کچھ خیال آیا تو اس نے اس کو کسی طرح بستر پر دھکیل دیا اور خود منہ پھیر کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

"جا کر چینج کرو اور اپنی منحوس شکل دھو بھی لو۔" اس سے فرطاشیہ کا سجا سجایا روپ برداشت نہیں ہو رہا تھا، منہ دھونے سے فرطاشیہ کا اجلا اجلا روپ اور بھی نکھر گیا تھا، جا بجا لگی افشاں اس کے معصوم حسن کو جلا بخش رہی تھی اور آنکھیں رونے سے اور بھی قاتل ہو گئی تھیں۔ فرطاشیہ کے ڈرے ڈرے اور سہمے ہوئے روپ نے اسے آنکھیں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یہ دودھ پی لو اور سارے پھل پچھلی طرف اچھال دو۔" فرطاشیہ ایک معمول کی طرح [illegible] کے احکامات بجا

لائی۔ خوف سے اس کا دل دھڑک رہا تھا لیکن طلحہ کو احساس دلا کر وہ اس کو اشتعال نہیں دلانا چاہتی تھی۔

"اچھا اب سو جاؤ۔" صوفے پر تکیہ رکھتے ہوئے وہ نرمی سے بولا۔

"آپ بیڈ پر سو جائیں میں صوفے پر لیٹ جاؤں گی۔" فرطاشیہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"جو کہا ہے وہ کرو زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ ڈپٹ کر بولا اور فرطاشیہ نے لیٹنے میں ہی عافیت جانی، نیند اس کی آنکھوں میں کوسوں دور تھی، سوتے وقت اس کو کمرے میں اندھیرا اچھا لگتا تھا لیکن اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹیبل لیمپ کو آن کر لیا تھا اور اس کی نظر مسلسل طلحہ کی پشت پر تھی، اپنی عزت کی حفاظت کا احساس اسے آٹھ آٹھ آنسو رلا رہا تھا۔ تنہائی کے جانگسل لمحے اور ایک جابر مرد کا ساتھ دعائیں مانگتے ہوئے کب نیند مہربان ہوئی اسے پتا ہی نہیں چلا، سچ کہا ہے کسی نے کہ نیند تو کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔

طلحہ کی صبح آنکھ کھلی تو اس کی بے ساختہ نظر مسہری کی طرف اٹھیں۔ اس کو اندازہ تھا کہ فرطاشیہ رات جاگتی رہی ہے اور بے چینی تو وہ بھی کچھ کم نہ تھا کچھ دیر تک وہ یونہی لیٹا رہا پھر بے ارادہ ہی اس کے قدم مسہری کی طرف اٹھے۔ طلحہ کے ڈھیلے ڈھالے سلیپنگ سوٹ میں اس کا قیامت خیز سراپا چھپ رہا تھا گالوں پر کاجل کی لکیریں اس کے رونے کی غماز تھیں۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تو اس نے اپنی تختی سے دانتوں میں ہونٹ دبائے کہ خون جھلک پڑا۔ وہ ان نرم جذبوں کو سلانا چاہ رہا تھا جو اس کے پتھر دل میں آہستہ آہستہ دراڑیں ڈال رہے تھے۔

"فرطاشیہ اٹھو۔" اس نے آہستہ سے پکارا تو وہ گھبرا کر اٹھی اور چادر کو اچھی طرح اپنی شانوں پر پھیلا لیا۔

"جا کر نہا لو۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"نہا لوں...... اتنی صبح سردی میں۔" فرطاشیہ گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

سے باہر نکل گیا۔

"خدایا تو نے مجھے یہ کس آزمائش میں ڈال دیا ہے؟" وہ بلک بلک کر باتھ روم میں رونے لگی، باہر کمرے کے ملازمہ گلشن کی نظریں اور ذو معنی جملے اندر ہی اندر اس کو مار رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا مر جائے یا مار دے۔ گلشن جوان اور دو بچیوں کی ماں تھی۔ میڑک پاس جب اس نے زیر لب پڑھا کہ "تیری زلف کہہ رہی ہے تیری رات کا فسانہ" تو فرطاشیہ کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

ادھر چند دنوں سے اسے نہ جانے کیا ہو گیا تھا طلحہ کی نفرت اور حقارت کی شاید وہ عادی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کو کوئی بات بری نہیں لگتی تھی "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے" کو زندگی، خوف زدہ ہو گئی، اگر ان انوکھی جذبوں کی خبر طلحہ کو ہو گئی تو وہ تو شاید اس کو شوٹ ہی کر دے کیونکہ وہ انجانے میں ہی ایک دیوتا کی طرح اس کے دل کے سنگھاسن پر براجمان ہو چکا ہے اور وہ ان جذبوں کو ساری دنیا سے چھپا کر رکھنا چاہتی تھی اور اُدھر آج کل سہیل کی آمد طلحہ کے گھر کافی بڑھ گئی تھی جو بچپن کی دوستی کے باوجود طلحہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، اس دن بھی وہ بصد اصرار سب کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دے بیٹھے مگر اچانک قیصر جہاں کو ایک فنکشن کے سلسلے میں لاہور جانا پڑ گیا یوں بھی ان کا سب سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن طلحہ کے بہانے بازیوں کے باوجود بھی وہ طلحہ کو سہیل کے گھر دعوت پر جانے کے لیے مجبور کر کے گئیں۔ ویسے بھی فرطاشیہ ان کے جانے سے سخت پریشان تھی اس لیے سہیل کی دعوت پر جانا اس کو تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح لگا۔ وہ خوشی خوشی تیار ہوئی۔

"کیا ضرورت تھی اس قدر بننے سنورنے کی؟" گاڑی میں وہ اس پر برس پڑا۔

"مگر میں نے تو آنٹی کے دیے ہوئے کپڑے ہی پہنے ہیں۔" وہ حیرت سے بولی جو سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ طلحہ کھسیانا اور فرطاشیہ پریشان کہ آخر طلحہ کو غصہ کس بات پر ہے اس نے تو کوئی سنگھار بھی نہیں کیا تھا۔

فرطاشیہ پر تھی جو یہاں آ کر بے حد خوش تھی۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اور ایک انجانا سا احساس سرور کی طرح اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ وہ اپنے احساسات سمجھنے سے قاصر تھی۔ طلحہ دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا اور فضا آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا ان دونوں کی بے تکلفی سے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ سہیل نے شادی نہیں کی تھی اور کھانا ہوٹل سے آیا تھا جو فرطاشیہ بڑی گرم جوشی سے میز پر اس طرح لگا رہی تھی جیسے وہ مہمان نہیں میزبان ہو۔ وہ پورے استحقاق سے گھر میں لہراتی پھر رہی تھی جو طلحہ کے لیے اذیت ناک تھا آخر اپنی منفی سوچوں سے تنگ آ کر کھانا کھاتے ہی وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ سہیل نے ایک بہت خوب صورت ڈائمنڈ سیٹ اس کو اور طلحہ کو قیمتی گھڑی دی۔

"اب کب آؤ گی؟" سہیل نے جب پیار سے پوچھا تو وہ ہنس کر بولی۔

"آپ جب بلائیں گے سر کے بل آؤں گی۔" وہ شوخی سے مسکرائی۔

"بہت خوش تھیں سہیل کے گھر؟" طلحہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہی چبھتا ہوا سوال کیا۔

"بہت زیادہ...... اتنی تو شاید میں زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔ سہیل بھائی بہت اچھے ہیں۔" وہ نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی کہ طلحہ کے لہجے پر غور نہ کر سکی فرطاشیہ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"تمہیں شرم اور غیرت نہیں آئی ایک غیر مرد سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے، ویسے تو بڑی نیک پارسا بنتی ہو۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"آپ ہوش میں تو ہیں، یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ میں آپ کی بیوی نہیں ہوں اور آپ بھی میرے لیے اتنے ہی غیر ہیں جیسے سہیل بھائی۔"

"چلو مانا اس کو اس ڈرامے کا پتا نہیں لیکن یہ تو پتا ہے ناں کہ تم میری بیوی ہو پھر اس کی تم پر بری نظر...... تف ہے ایسی دوستی پر۔" طلحہ کا غصے سے برا حال تھا اور فرطاشیہ کا بھی ضبط جواب دے گیا۔

"آپ کس قسم کی الزام تراشیاں کر رہے ہیں ایک شریف انسان پر جبکہ آپ کا مجھ پر کوئی حق بھی نہیں، صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں اور مجھے گھر سے نکالنے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں، میں تو خود اس ڈرامے بازی سے تنگ آ گئی ہوں۔"

"تو پھر دفع ہو جاؤ اسی وقت۔" وہ گاڑی روکتے ہوئے غصے سے دھاڑا اور زن کر کے گاڑی بھگا لے گیا، فرطاشیہ نے غصے میں کہہ تو دیا تھا مگر اب خوف سے کانپ رہی تھی، سردیوں کی راتیں تو ویسے ہی جلدی سناٹوں کی لپیٹ میں آ جاتی ہیں، پر ہول سناٹا اور اندھیری رات کا عفریت۔ وہ دیکھ رہی تھی اور وہ خوف سے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا اس کی تیرہ بختی نے اسے کس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ ایسے میں دور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس قریب آتی محسوس ہوئیں اور فرطاشیہ نے ایک عزم کے ساتھ گاڑی کے سامنے چھلانگ لگا دی تھی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح سہیل طلحہ کی طرف آئے، وہ ابھی تک بستر پر دراز تھا اور سرہانے رکھی بھری ہوئی ایش ٹرے اس کی شب بیداری کی غماز تھی جبکہ وہ چین اسموکر نہیں تھا۔

"محترم کبھی کبھی کے نکلو بستر سے اتوار کا مطلب یہ نہیں کہ سارا دن پلنگ توڑتے گزارا جائے۔" سہیل نے ایک دھپ اس کی کمر پر رسید کی اور رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

"یار فرطاشیہ کو بلاؤ چائے پینے کا موڈ ہو رہا ہے اور تمہاری بیگم چائے بڑی اچھی بناتی ہے ویسے یہ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟"

"تمہاری وجہ سے...... تم فرطاشیہ کو بھابی کیوں نہیں کہتے؟" وہ بگڑ کر بولا۔

"ہیں یعنی فرطاشیہ کا نام لینا تمہیں برا لگتا ہے، عجیب گھامڑ ہو، میں خود ہی فرطاشیہ سے کہہ دیتا ہوں کیونکہ تم نے تو شاید چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔" سہیل نے اٹھتے ہوئے

کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اٹھنے کی کیونکہ فرطاشیہ گھر پر نہیں ہے۔" طلحہ تلخی سے بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی، کہاں گئی، خالہ تو ویسے بھی گھر پر نہیں ہیں۔" سہیل کو تعجب ہوا۔

"تمہیں پتا ہوگا۔" طلحہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"واہ بھئی اچھا جواب ہے۔ بیوی تمہاری اور پتا مجھے ہوگا، تمہاری عقل گھاس تو نہیں چرنے گئی۔" سہیل غصے سے بولا۔

"ہاں تو تم اس پر فریفتہ تھے اور وہ تم پر فدا، چاہتے تھے ناں اس کو؟" طلحہ بھنا کر بولا۔

"بالکل چاہتا ہوں مگر تم اس بات سے کیوں جل گئے۔" سہیل نے اطمینان سے اقرار کیا۔

"باوجود اس کے کہ وہ میری بیوی تھی۔" طلحہ غصے سے دھاڑا۔

"بالکل کیونکہ تمہاری نظروں میں عورت کا صرف ایک ہی رشتہ ہے ہیروئن یا معشوقہ کیونکہ تم نے کبھی کسی عورت کو پاکیزہ نظروں سے دیکھا ہی نہیں نا سمجھا، نہ احترام کیا، نہ عزت دی اور جو شخص عورت کی عزت نہیں کرتا اسے سب سے پہلے اپنی ماں کی بھی عزت نہیں کرنی چاہیے۔ تم کیا جانو رشتوں کی حرمت، مجھے فرطاشیہ میں اپنی بہن نظر آئی، میں جو رشتوں سے محروم تنہائی کا شکار بکھرا ہوا شخص ہوں فرطاشیہ کو دیکھ کر مجھے لگا کہ اس کے خلوص نے مجھے اپنی محبت کے حصار میں جکڑ لیا ہے، میری محرومیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ تم اتنی بری ذہنیت اور گندی سوچ کے مالک ہو گے ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور شاید فرطاشیہ کے جذبات بھی میرے لیے کچھ ایسے ہی تھے مگر اتنی گری ہوئی بات کر کے تم نے مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا ہے بلکہ دوستی کے مقدس اور پاکیزہ جذبے پر شک کا دھبہ لگا کر پستیوں میں دھکیل دیا ہے۔" سہیل کی آواز بھرا گئی۔

"اللہ کے واسطے سہیل رک جاؤ، میری ایک منت بات [illegible]

بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

حالات کی سنگینی اور طلحہ کی حالت دیکھ کر سہیل بھی گھبرا گیا۔ طلحہ جو خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا حوصلہ ہار بیٹھا تھا، اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ایک دوست کا کاندھا ملا تو جذبات کو زبان مل گئی تھی، وہ خود کو دھوکا دیتے دیتے ہار کر ٹوٹ گیا تھا، کب تک خود کو کھوکھلی تسلیوں سے بہلاتا رہتا۔

"میرے دوست میں سمجھتا رہا اور خود کو دھوکا دیتا رہا کہ مجھے ساری دنیا کی عورتوں سے نفرت ہے مگر میں غلط تھا، ان چند مہینوں میں اس کی بے لوث خدمت اور کردار کی پختگی نے مجھے بدل کر رکھ دیا، اپنے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا حرف بہ حرف سچ تھا، میں نے خود اپنے ذرائع سے معلوم کیا اور مجھے ندامت محسوس ہوئی مگر میں اس کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا تھا۔ میری انا مجھے روک رہی تھی اور میں خود کو نفرت کی آڑ میں بہلا رہا تھا، ایک عورت کے غلط قدم نے مجھے ساری دنیا کی عورتوں سے بدظن کر دیا تھا اور میں نے اپنی زندگی اور جوانی کے سنہری سال اسی نفرت کے ساتھ گزار دیے جبکہ......" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ محبت کرنے کے لیے تو پوری زندگی بھی بہت تھوڑی ہے۔ شک کی آگ نے مجھے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا اور میں نے اس معصوم کو واپسی پر راستے میں ہی گاڑی سے اتار دیا تھا یہ سوچے بغیر کہ تنہا لڑکی اس اندھیری رات میں کہاں جائے گی پھر گھر آ کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً ہی اسے ڈھونڈنے نکلا مگر کچھ پتا نہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، پوری رات ڈھونڈنے کے بعد صبح گھر آیا ہوں، اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔" سہیل سکتے کے عالم میں تاسف بھری نگاہ سے اسے تک رہا تھا۔

"ستم یہ ہے کہ شام کی فلائٹ سے امی ابو آ رہے ہیں اور ان کو کیا جواب دوں گا، وہ اس تھوڑے عرصے میں فرطاشیہ سے اس قدر نزدیک ہو گئی ہیں کہ یہ صدمہ تو ان کی جان لے لے گا، کیا کروں، کہاں جاؤں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔" طلحہ کی آواز بھرا گئی۔

[illegible]

ڈھونڈیں گے، اسی میں شاید تمہاری کوئی بہتری ہوگی کہ تمہیں اپنی خودساختہ نفرت سے نجات مل گئی۔" سہیل نے اسے تسلی دی۔

"مگر امی شام پانچ بجے کی فلائٹ سے آ رہی ہیں اگر وہ نہ ملی تو......" اب اس کا جواب تو سہیل کے پاس بھی نہیں تھا وہ اسے تسلی دے کر رخصت ہو گیا تھا۔

طلحہ کو کسی پل چین نہیں تھا، وہ سارا دن گاڑی لے کر گلی گلی کوچہ کوچہ گھومتا رہا، ڈیفنس کی کوئی گلی نہ چھوڑی مگر وہ جانے کہاں جا چھپی تھی، تھک ہار کر اس نے گاڑی کا رخ ائیرپورٹ کی طرف کر دیا کہ فلائٹ کا ٹائم ہو رہا تھا، قائد اعظم انٹرنیشنل ائیرپورٹ پر جہاز لینڈنگ کی اناؤنسمنٹ چل رہی تھی اور وہ خود کو امی سے سامنا کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ سب سے زیادہ غصہ اسے سہیل پر تھا جس نے ایک مرتبہ بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا اور اس طرح غائب تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ جبکہ اس وقت اسے سہیل کے اخلاقی سہارے کی ضرورت تھی۔ اچانک اس کی نگاہ اٹھی اور وہ آنکھیں ملنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ ستم گر اس کا صبر و قرار لوٹنے والی امی کو سہارا دیے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہی تھی، دوسری سمت سہیل تھا اور لبوں پر ایک شوخ مسکراہٹ۔ "میرا بچہ" امی نے اسے بانہوں میں بھر کر پیشانی پر پیار کی مہر ثبت کی۔ طلحہ نے ایک گھونسا سہیل کے بازو پر مارا۔

"خبیث، گھامڑ گھر چل پھر تجھے بتاتا ہوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، دونوں اس کی حالت پر ہنس رہے تھے۔

"تو جناب ہونے والے سالے کے ساتھ یہ گستاخی بجائے شکریہ ادا کرنے کے رعب جما رہے ہو، تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ میری حقیقی چھوٹی بہن ہے جو بچپن میں کھو گئی تھی۔"

"کیا......!" طلحہ کی چیخ بے ساختہ بلند ہوئی۔

"اس دن جب تم چلے گئے تو جانے مجھے کیوں بے [illegible]

چھوٹا آئی تھی دوا دینے کے بہانے سے میں تمہاری طرف آ رہا تھا تو بے وقوف صاحب نے میری گاڑی کے آگے چھلانگ لگا دی، چوٹ تو خیر نہیں لگی خوف سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ میں تمہیں بتاؤں میں ڈاکٹر بنا ہی اپنی بہن کو ڈھونڈنے کے لیے تھا، یہ مجھ سے سات سال چھوٹی اور بے حد لاڈلی تھی پتا نہیں مجھے ہمیشہ اس کے کھو جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اسی لیے امی ابو کی گالیاں کھانے کے باوجود میں نے اس کے دونوں بازوؤں پر نام لکھوا دیا اور قسمت کی ستم ظریفی کہ یہ عید میلے میں گم ہو گئی تھی۔ ماں باپ اس کے ملنے کی آس لیے گزر گئے، میری تلاش ختم نہ ہوئی اور میں اکثر مریض کی جگہ خود ہی مریضہ کو انجکشن لگانے کے بہانے سے نشان چیک کرتا تھا پھر یہ شاید خون کی کشش تھی یا فرطاشیہ کی امی سے مشابہت کہ میں پہلے دن سے اپنائیت محسوس کرنے لگا تھا، فرطاشیہ کو گھر لا کر میں نے آستین اونچی کر کے چیک کیا تو میری بہن میرے سامنے تھی۔" سہیل کی آواز بھرائی تو فرطاشیہ اس کے گلے لگ کر آنسو بہانے لگی۔

"میرے دوست مجھے معاف کر دو، اصل میں انسان محبت میں خود غرض ہو جاتا ہے۔" طلحہ نے اس کے گلے لگتے ہوئے معذرت کی تو سہیل نے قہقہہ لگایا۔

"اندھا بھی اور شکی بھی۔"

"اچھا بہت ڈرامے بازی ہو گئی گھر چلو پھر میں فرطاشیہ اور طلحہ کی خبر لیتی ہوں۔" امی نے دونوں کو گھورتے ہوئے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا تو دونوں بے ساختہ ان سے لپٹ گئے، ائیرپورٹ پر سب اس جذباتی سین کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

عشق کی جوت جگانے میں بڑی دیر لگی
سائے سے دھوپ بنانے میں بڑی دیر لگی
میں ہوں اس شہر میں تاخیر سے آباد ہوا شخص
مجھ کو اک اور زمانے میں بڑی دیر لگی

اسکرین پر تصویر ابھر رہی تھی اور مہرو کی دھڑکنیں کچھ ویسی کچھ تیز تصویر مکمل ہونے کی منتظر تھیں۔ کبھی کبھار اپنے آپ سے سوال کرنے پر بھی یہ جواب حاصل نہیں ہوتا کہ کوئی چہرا کیوں آپ کو دل و جان سے بھی زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ تصویر مکمل ہو چکی تھی۔ اینٹوں والی دیوار کے بیک گراؤنڈ کے سامنے براؤن شلوار قمیص میں مبین کی تصویر مہرو کے سامنے تھی۔ وہ بھی آن لائن تھے اور تصویر بھیج کر شاید اس کے تبصرے کے انتظار میں بھی تھے۔

"سر جی...... کچھ پوچھوں؟" اس نے لکھا۔

"جی۔" وہ مختصر جواب دینے کا عادی تھی۔ اب تک کے وقت میں تو مہرو نے یہی دیکھا تھا کہ وہ اسے جواب دینے کے قابل سمجھ لیتا، یہی اس کا احسان تھا۔

"آپ کی آنکھوں پر سایہ پڑ رہا ہے یا جلتے ہیں۔ جیسے بے خوابی......" وہ کہتے ہوئے اٹک گئی۔

"سایہ ہی ہوگا۔ آنکھیں سلامت ہیں۔" اس نے ہنستا ہوا اسمو ئی بھیجا۔

"اللہ پاک ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔" اس نے

"شکریہ۔" اس نے مزید لکھا تو مہرو کچھ حیران ہوئی۔ وہ کبھی زیادہ دیر تک جواب نہیں دیتا تھا لیکن آج تصویر بھی خود ہی بھیج دی تھی اور بات بھی طویل کر رہا تھا۔ مہرو کچھ بے یقینی کی سی کیفیت میں چپ رہی اور تبھی مبین کی طرف سے ایک اور تصویر آئی۔ مہرو کے گلے میں پھندا لگا۔ وہ لگاتار اسی سے رابطے میں تھا، جبکہ آن لائن آنے پر بہت مشکل سے کبھی بہت دیر بعد وہ مہرو کا میسج سین کرتا اور پھر چند ماہ بعد مہرو کو اچھی طرح یاد تھا کہ سین کرنے کے بعد وہ اسے مختصر جواب بھی دینے لگا تھا۔ سخت سردیوں کی خاموش راتوں سے شروع ہوتے اس تعلق کو کہیں ایک سال بعد مبین نے مہرو سے کے قابل سمجھا تھا۔ مہرو اسے فیس بک کے پرسنل میسج باکس میں چھوٹے چھوٹے خطوط لکھا کرتی تھی۔

مبین سر شادمان اکیڈمی میں دو سال پہلے کمپیوٹر کی کلاسز لیتے جاتے رہے تھے۔ مہرو نے مبین کو بتایا کہ وہ سال پہلے وہ بھی اکیڈمی پڑھنے جاتی تھی لیکن وہ ان کی اسٹوڈنٹ نہیں تھی بلکہ وہ فزکس اور بائیولوجی پڑھتی تھی لیکن وہ انہیں چپکے چپکے دیکھا کرتی تھی اور ان کی بہت

تھا۔ بس اسی لیے وہ چھوٹی چھوٹی تحریریں بھیج کر اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتی رہتی تھی۔

مبین سر بہت مہینوں تک اس کی تحریریں لگاتار پڑھتے رہنے کے بعد اب کچھ عرصہ ہوا جواب بھی دینے لگے تھے۔ مہرو کی عادت تھی کہ وہ ہر تحریر کے آخر میں معذرتیں بہت کرتی تھی کہ سر میں نے آپ کو پڑھنے کی زحمت دی اس کے لیے معافی چاہتی ہوں۔ آپ کو پڑھنا گراں گزرتا ہوگا اس کے لیے معذرت وغیرہ۔ تبھی مبین نے جواباً اسے لکھنا شروع کیا کہ آپ جو دل چاہے لکھ دیا کریں، مجھے برا نہیں لگتا۔ مہرو پڑھ کر خوش ہوئی اور لکھنا بھی جاری رکھا اور آج وہ ایک دم اکیلا بیٹھا صرف مہرو کو ہی پڑھ اور سن رہا تھا۔ یہ فرمائش تو بارہا مہرو ہی اسے کر چکی تھی کہ وہ اسے اپنی تصاویر ضرور بھیجا کرے اور وہ خاموشی سے بھیج بھی دیا کرتا لیکن بھیج کر غائب ہی ہو جاتا تھا۔ آج البتہ مہرو کے نصیب ہی جاگ اٹھے تھے۔

"سر میں کچھ اور بھی کہوں؟" اس نے پھر اجازت چاہی۔

"لیں۔" مبین نے فوراً لکھا۔ اس وقت واقعی وہ بالکل فارغ اور ایک دم اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ دل کچھ بوجھل اور اداس سا تھا۔ وہ اپنی دلی کیفیت کسی سے شیئر کرنا چاہتا تھا اور اس کوشش میں تیمور اور ہادی بھائی کو کال بھی کر چکا تھا لیکن تینوں ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ وہ اپنے دل کی بات دل میں ہی رکھ کر رہ گیا تھا۔ فیس بک آن کی تو بس کچھ دیر ہی پوسٹیں دیکھنے کے شغل میں خود کو بہلا سکا۔ مہرو کو آن لائن دیکھا تو اندر ہلکی سی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اب کچھ عرصہ ہوا اپنی اس سیدھی سادی فین کو اپنے دل کے بہت قریب محسوس کرنے لگا تھا اور وہ تھی ہی ایسی من موہنی۔ اس کی تحریروں میں مبین نے اپنے لیے جو محبت جھلکتی دیکھی تھی وہ مہرو ان کے ساتھ اس کے لیے اپنے دل میں خلوص اور قدر کے جذبات میں اضافہ محسوس کر رہا تھا۔ آج اس کا اپنا دل کر رہا تھا کہ

مہرو بولتی رہے اور نہ صرف وہ سنتا جائے بلکہ اس سے
کھل کر بات بھی کرے۔ ٹوٹے دل کو دوا چاہیے تھی،
پریشان کن خیالات سے نجات کے لیے کوئی خوش کن
ذریعہ چاہیے تھا۔ وہ کچھ دنوں سے بہت اداس اور
پریشان تھا اور اس اداسی کی وجہ کا نام سویرا تھا۔
سویرا اس کی کولیگ تھی، اس سے مبین کی ملاقات
شادمان اکیڈمی میں ہی ہوئی تھی۔ چار سال تک وہ
دونوں نہ صرف دوستی اور محبت کے رشتے میں بندھے
رہے بلکہ مبین شادی کے لیے سنجیدہ بھی ہو گیا تھا۔
باوجود اپنی کچھ ذاتی مجبوریوں کے باعث اس نے سویرا
سے پرامس کیا تھا کہ وہ شادی کرے گا تو صرف اور
صرف اسی سے، سویرا اس کی محبت تھی اور وہ اس کے لیے
خود کو حق دار سمجھ رہا تھا۔

گھر میں صرف اس کی امی کو معلوم تھا کہ مبین، سویرا
کے لیے کتنا سنجیدہ ہے۔ وہ بھی مبین کے مستقبل کے
حوالے سے کافی پریشان رہتیں کیونکہ کچھ ماہ پہلے جو ایک
بہت بڑی تبدیلی مبین کی لائف میں آئی تھی، ان ماں
بیٹے کو اس سے بھی تو نمٹنا تھا لیکن پھر حالات نے یوں
کروٹ بدلی کہ اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ سویرا کی
زندگی میں کیپٹن عظیم کی آنے سے مبین کی دنیا ہی بدل
گئی تھی۔ شروع شروع میں بہت دنوں تک سویرا نے یہ
بات مبین سے چھپانے کی کوشش کی لیکن آخر کب تک۔
محبت کرنے والا اپنے محبوب کی ایک ایک ادا سے خوب
واقف ہوتا ہے۔ سویرا کی زندگی میں بھی تبدیلی آئی تو
کیسے ممکن تھا کہ مبین اس تبدیلی کو محسوس نہ کر پاتا، سویرا
کے بدلے انداز، وقت بے وقت میسج کا جواب نہ دینا، شکوہ
کرنے پر پہلے پہل جھوٹی وضاحتیں اور اس کے بعد
تنگ آ کر جواباً جھگڑا کرنے لگنا، مبین سب دیکھ اور سمجھ رہا
تھا لیکن اسے تب تک بھی اس تبدیلی کا ماخذ معلوم نہیں
تھا۔ وہ تو پچھلی شام مارگلہ سے واپس آتے ہوئے مبین
کی کزن سہیلہ نے سویرا کو کیپٹن عظیم کے ساتھ ایک
ریسٹورنٹ میں دیکھا تو ساری بات سامنے آ گئی تھی۔

کیپٹن عظیم سویرا کا کزن تھا اور اس کے کیپٹن بنتے ہی
سویرا کو اس میں کشش محسوس ہونے لگی تھی اور جب عظیم
کی والدہ نے سویرا کے لیے باقاعدہ اپنی پسندیدگی بھی
ظاہر کر دی بلکہ عظیم نے بھی سویرا پر اپنی محبت کا اظہار
کر دیا تھا، تبھی سویرا ایک دم نہ صرف بدل گئی بلکہ اب
اسے اپنا اور مبین کا رشتہ ایک دم پھیکا، بے کشش اور بے
رنگ لگنے لگا تھا۔ مبین سے بات کرتے ہوئے بھی اس
کا دھیان عظیم کی طرف بھٹک رہا ہوتا اور اب پچھلی شام
سہیلہ کے سامنے سچ آنے کے بعد جب مبین نے غصے
سے استفسار کیا تو بجائے شرمندہ ہونے کے سویرا نے
صاف مان لیا کہ ہاں اس کے والدین اس کی شادی
عظیم سے کرنا چاہتے ہیں اور وہ گھر والوں کی مرضی کے
خلاف نہیں جا سکتی۔ مبین کے لیے یہ بریک اپ جتنا
تکلیف دہ تھا، سویرا کی دھوکا دہی اتنا ہی اسے اکسا رہی
تھی کہ بجائے درد محسوس کرنے کے وہ بھی بالکل اسی
طرح اس راہ کو چھوڑ دے۔ وہ محبت کی اس ناقدری پر
دل شکستہ ضرور تھا لیکن ایک بے وفا کے غم میں آنسو
بہانے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔

مہرو کی تحریریں آج مبین نے دوبارہ پڑھنا شروع
کی تھیں۔ بہت سی باتوں پر بے ساختہ لب مسکرائے
تھے۔ وہ پگلی لڑکی جس شدت سے اسے چاہتی تھی،
تحریروں میں اس کا صاف اظہار ہوتا تھا۔ وہ آج سے
پہلے بھی کبھی اس معصوم لڑکی کا دل نہیں توڑ پایا تھا لیکن
کمٹمنٹ ایک ایسی چیز ہے کہ وہ پھر آپ کو کہیں اور بھی
مائل نہیں ہونے دیتی۔ وہ سویرا سے محبت کرتا تھا اور ہرگز
اس کے علاوہ کسی اور سے رابطے میں نہیں رہ سکتا تھا۔ تبھی
اول دن سے نیلما کی محبت کے جواب میں کسی قدر روڈ
اور اکھڑ رویہ رکھا تھا تاکہ وہ ایک حد سے آگے نہ بڑھ
پائے لیکن اب تو سویرا کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا
تھا۔ مبین کو ایسی لڑکی کے پیچھے ہرگز نہیں جانا تھا جس
کے دل سے وہ اتر چکا ہو۔ ایسی جگہ مغز ماری کر کے
انسان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔ وہ عظیم کے ساتھ خوش

تھی تو مبین کے لیے بھی بہتر تھا کہ وہ پیچھے ہٹ
جائے۔

ہاں لیکن یہ مشکل وقت۔ مبین اس وقت سگریٹ کا
دھواں فضاؤں میں چھوڑتے خالی خالی نگاہوں سے
چھت کو گھور رہا تھا۔ ٹھکرایا جانا بڑی تکلیف دہ چوٹ دے
رہا تھا۔ جسے سہہ لینے کے بعد ہی اس کے اصل درد کا
ادراک ہوا تھا۔ سویرا سے بریک اپ ہوئے آج چوتھا
روز تھا۔ حالت مایوسی کے اندھیروں سے کچھ کچھ باہر
آنے لگی تھی۔ فیس بک کئی روز بعد دیکھا تو حسب توقع
سب سے زیادہ میسج مہرو کی طرف سے ہی آئے ہوئے
تھے۔ اس نے بڑے دنوں بعد اس سے تصویر کی فرمائش
کی تھی۔ مبین نے اسی وقت ایک سیلفی لے کر بھیجی تو مہرو
کی طرف سے پہلا تبصرہ ہی یہی آیا کہ اس کی آنکھوں
کے نیچے حلقے کیوں ہیں اور وجہ بھی اس نے ٹھیک ٹھیک
جانچی تھی یعنی بے خوابی، مبین اس کے صحیح اندازے پر داد
دیے بنا نہ رہ سکا تھا۔ وہ یقیناً اسے بہت شدت سے
محسوس کرتی تھی تبھی اتنے جلدی نوٹس کر لیا تھا۔

"سر جی......" مہرو نے کچھ دیر کے وقفے کے بعد
بس اتنا لکھا۔

"جی۔" اس مرتبہ بھی جواب فوری دیا تھا۔

"کیا میں کچھ پوچھوں آج؟" اس نے یہ فیصلہ کیوں
اور کیسے اتنے اچانک کیا تھا خود اسے بھی معلوم نہیں تھا۔

"جی ضرور۔" مبین کے ہونٹوں پر تجسس بھری
مسکراہٹ چمکی تھی۔ پہلے مہرو نے اسے یہ بتایا تھا کہ دو
سال پہلے وہ بھی شادمان اکیڈمی میں پڑھتی تھی لیکن مبین
کو بھلا اتنا کہہ دینے سے اس کی صورت کیسے یاد آ سکتی
تھی۔ ادھر مہرو نے دھڑکتا دل بمشکل سنبھالتے اپنی
آنکھوں کی تصویر بھیج دی۔ مبین نے ان گھنی بھنوؤں اور
کالی آنکھوں کو بغور ایک نظر دیکھا۔ آنکھیں بہت گہری
اور خوب صورت تھیں۔ اس نے بنا کچھ تبصرہ کیے لکھنا
شروع کیا۔

"کچھ سمجھ نہیں آیا۔" اس نے جان بوجھ کر شرارت کی
اور مہرو کو ہرگز اس جملے کی سمجھ سے توقع نہیں تھی۔ اس
نے بہت عام انداز میں بہت واضح طور پر کہہ دیا تھا۔

مہرو نے کچھ دیر رک کر گہری گہری سانسیں لیں۔ جانے وہ
اسے دیکھ کر کیسا محسوس کرے گا لیکن آج رسک لیے بنا
چارہ نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی مکمل تصویر بھیج دی تھی۔
دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کے درپے تھا۔ وہ کپکپاتے
ہاتھوں سے موبائل تھامے مبین کے جواب کی منتظر تھی
لیکن منٹوں اور گھنٹوں نہیں بلکہ درمیان میں دنوں اور
ہفتوں کی دوری آ گئی تھی۔ وہ بس ایک صدمے سے مر
نہیں گئی۔ کیسی ارزاں، بے مایاں، بے مول لگی تھی وہ سر
کی نظروں میں۔ اس نے تو پلٹ کر مڑ کر بھی پوچھا نہیں
تھا۔ مہرو چپ ہوتے قدم پیچھے ہٹا لی، بس اپنے آپ
میں سمٹی چلی گئی۔ شکایت سر سے تو پیدا ہوئی ہی نہیں،
سارے شکوے اپنے ہونے سے ہوئے۔ یہ سب اسی
نے شروع کیا تھا۔ کئی خطرے مول لے کر کیا تھا۔ اب
وہ دھتکار دے، نفرت کرے، یہ سب اب جائز تھا۔ وہ
اپنے دل سے پوچھتی، دکھ کی وجہ کیا ہے جبکہ تم نے تو
کوئی امید ہی کبھی لگائی نہیں تھی۔ کیا اپنی ذات اتنی اہم
تھی مہرو کہ قبول نہ کیے جانے کے افسوس نے اس
سارے خوب صورت احساس کو ملیامیٹ کر دیا؟ تو پھر کیا
ہوا وہ تمہارا عشق کا دعویٰ اور تمہیں نہیں مہرو کانوں پہ ہاتھ
رکھ دیتی۔

"مجھے تو رونا ہی تھا۔ یہ وہ رونا نہیں ہے۔ بس مجھے
سر کو بڑے اونچے مقام پر دیکھنا تھا۔ اس کا بڑا پن میری
روح کی تسکین بنتا۔ اس نے جو کیا اس نے مجھے میری
نظروں میں نہیں اسے میری نظروں سے نیچا کرنے کی
کوشش کی اور یہ مجھے ہرگز قبول نہیں۔" مجھے خود اپنے
آپ کو سمجھانے میں دنوں لگ گئے کہ جسے تم نے چاہا وہ
انسان ہے فرشتہ نہیں، ایسی مکمل ذات کی امید مت لگاؤ
کہ ٹوٹ جائے تو عشق ڈانواں ڈول ہونے لگے اور پھر
وہ اپنے حق بے میں کچی ہونے لگی۔ وہ جو اندر بستا تھا،
ہر سو دکھائی دیتا تھا، اس کا دھندلا عکس پھر سے روشن

ہونے لگا تھا۔ وہ ایک بار پھر خوش تھی۔ درد کے سائے دھم پڑتے بالآخر اپنا اثر کھو چکے تھے۔ وہ پھر سر کے خیالوں اس کی یادوں میں مگن اور مست تھی۔ خوش اور مطمئن تھی۔ جب ایک دن اچانک پھر سے رابطہ بحال ہوا۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے حیران تھی۔ اس نے پھر ایک تصویر بھیجی تھی۔ اسی رات کے آخری پہر کے وقت میں۔ وہ سامنے موجود تھا اور شاید منتظر بھی۔ مہرو نے شکریہ لکھ بھیجا۔

"بس۔" آگے سے لکھا آیا۔

"جی۔" وہ یہی لکھ پائی۔ دل بڑے زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ وہی پرانی رات جیسے پھر زندہ ہوگئی تھی۔

"کچھ بھیجیے۔" اصرار ہوا، مہرو تو جیسے پوری ڈوب گئی تھی۔

"یہ مت کہیے۔ میں تو اپنے ہونے پر ہی شرمندہ ہوں۔" اس نے ہاتھ جوڑے۔

"کیوں؟" معصومیت سے پوچھا گیا۔

"مجھ میں کچھ نہیں ہے دیکھنے لائق۔" اس نے کہہ ہی دیا۔

"ایسا کیوں سوچا؟"

"آپ کی یہ موجودگی یہ پل بہت قیمتی ہیں۔ مجھے انہیں محسوس کرنے دیں، میں نے کچھ بھیج دیا تو بھاگ جائیں گے دوبارہ۔" اس نے منہ چھپایا اور آگے سے قہقہہ آیا۔

"سوری..... میری مصروفیت اور کچھ مجبوریاں تھیں اور کوئی بات نہیں۔"

"سچ کہہ رہے ہیں..... چلے نہیں جائیں گے؟" وہ بے یقین تھی۔

"ہوں۔" احسان عظیم ہوا۔ مہرو نے ڈرتے ہوئے پہلے ایک پھر دوسری اور تیسری تصویر بھی بھیج دی۔ دل تھا کہ باہر نکل کر ادھم مچا رہا تھا۔ اس نے دو تصویریں مزید بھیج کر رابطہ بھی بند کر دیا تھا۔ جواب سننے کی تاب نہ

سانسوں کے درست ہونے اپنے تپتے چہرے کے معمول پر آنے کی منتظر رہی۔ بیپ بار بار بج رہی تھی۔ جیسے کسی نے جواب لکھ بھیجا ہو لیکن اسے ہرگز یقین نہیں تھا کہ جواب اس کی جانب سے ہوگا۔ اسے پورا یقین تھا وہ اسے دیکھ کر چلا گیا ہوگا۔ آگے کے چند دنوں میں دن پھر مہرو کے خود کو منانے میں لگ جانے تھے۔ وہ جیسے اپنے آپ کو ابھی سے تیار کر رہی تھی۔

"مایوس نہ ہونا، پریشان نہ ہونا، اپنی طاقت آپ بننا، وہ تو ایسا ہی ہے۔ لاپروا، شاہوں جیسا، وہ تمہیں پلٹ کر پوچھتا نہیں تو یاد ابھی اسی پر تکتی ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس کھینچتے موبائل کو سامنے کیا۔

"کہاں تک کیوٹ کرل؟"

"جی....." اس سے زیادہ لکھا کہاں گیا۔

"بس جی؟" پتا نہیں وہ کس موڈ میں تھا۔ مہرو بار بار آنکھیں بھینچ لیتی، ہاتھ کانپ رہا تھا، ذہن خالی تھا لیکن اسے کیسے بتاتی اور سمجھاتی، چھ پل مزید گزر گئے۔

"آپ بہت پیارے ہو۔" اس نے پھر لکھا۔

"جی شکریہ۔" اس نے بس اتنا لکھا۔ دل کی دھک دھک بالکل بے قابو ہو گئی تھی۔

"مہرو....." اس نے مختصراً اتنا لکھا لیکن یہ بھی قیامت تھا۔ وہ پھر لب بھینچے اسکرین کو دیکھنے سے گریزاں تھی۔

"کوئی بات کریں۔"

"ابھی بہت مشکل ہے صاحب۔" اس نے بالآخر لکھ دیا کہ کہیں وہ اس خاموشی سے تنگ آ کر چلا نہ جائے۔

"کیوں..... کیا ہوا؟"

"لکھا نہیں جا رہا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، آپ مجھ سے ہی مخاطب ہیں۔"

"تو کیا میں چلا جاؤں؟"

"نہیں..... نہیں۔" اس نے فوراً لکھا تو مبین نے

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟" مہرو نے اداس شکل والا ایموجی بھیجا لیکن کچھ دیر تک بالکل کوئی جواب نہیں آیا۔ مہرو کو لگا کہ اسے اتنا کھل کر نہیں بولنا چاہیے شاید مبین ناراض ہوگیا۔ وہ لب چباتے کچھ معذرتی الفاظ سوچ رہی تھی جب مبین کی طرف سے ایک موبائل نمبر لکھا ہوا آیا۔ مہرو نے کچھ دیر حیرت سے اس نمبر کو دیکھا ابھی ایک اور میسج آیا۔

"میرا واٹس ایپ نمبر۔" اور مہرو نے ہنسی روکنے کے لیے لب بھینچے۔ مبین نے اسے اپنا نمبر دینے میں پہل کی تھی۔ وہ خود تو نجانے کب سے یہ حسرت اپنے دل میں دبائے ہوئے تھی کہ کیا کبھی وہ وقت آئے گا جب معاملہ فیس بک سے آگے بڑھتے نمبر کی تبادلے تک جائے اور وہ ہر بار یہی کہنے کی ہمت کرتی رہ جاتی لیکن کہہ نہ پاتی پر آج مبین نے اسے خود ہی اپنا نمبر دے کر اپنا اس پر بھروسا ظاہر کردیا تھا۔

"شکریہ سر۔" اس نے فوراً ہی جواب لکھا اور ساتھ ہی ان کا نمبر اپنے پاس محفوظ کرتے اسے واٹس ایپ سے سلام اور پھر مہرو نمبر بھی لکھ دیا۔

"ویلکم ٹو واٹس ایپ۔" مبین نے مسکراتے ہوئے لکھا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں کال پر؟" مبین نے اجازت چاہی اور مہرو باوجود بے تحاشا حیرت اور بے یقینی کے اسے بات سے انکار نہ کر پائی، حالانکہ خوشی اتنی زیادہ تھی کہ سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔ بھلا ایسے میں بات کرنا کیسے ممکن ہو پائے گا لیکن چونکہ مبین کی خواہش تھی تو اس نے کال ملائی۔

"ہیلو۔" مبین نے آغاز کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" مبین کی آواز میں اعتماد اور رعب تھا۔ مہرو نے آنکھیں میچ لیں۔ دل بڑے ہی زور دار انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"کیسی ہیں مہرو۔" مبین نے اس کی خاموشی دیکھتے خود ہی پوچھ لیا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔"

"ایزی ہیں آپ؟"

"جی۔" اس نے سر تو زور سے ہلایا لیکن آواز بس اتنی ہی نکل پائی۔

"لگتا ہے مجھے ہی بولنا پڑے گا۔" وہ اس کی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا۔ مہرو مسکرا دی۔

"جی.... سر سوری لیکن مجھے یقین آنے میں کچھ ٹائم لگے گا تو...."

"اٹس اوکے۔ پہلی بار میں ایسا ہو جاتا ہے۔ اچھا آپ فری تو تھیں ناں، میں نے تو بنا سوچے بات کرنے کا کہہ دیا۔"

"جی سر گھر والے جلدی سو جاتے ہیں۔ میں ذرا لیٹ سوتی ہوں، بس پھر کبھی کوئی بک پڑھ لی، ٹی وی دیکھ لیا یا پھر فیس بک وغیرہ۔" مبین کے عام اور سادہ انداز نے مہرو کو حوصلہ دیا اور وہ بات کرنے میں سہولت محسوس کرنے لگی۔

"کیا پڑھتی ہیں؟"

"جی زیادہ تو اردو ناول، آج کل انگلش ناول بھی شروع کیے ہیں تاکہ انگلش کچھ اچھی ہو جائے۔" وہ بتاتے ہوئے مسکرائی۔

"گڈ تو کون سا انگلش ناول؟"

"جی.... دی الکیمسٹ، کسی نے بتایا تھا۔"

"بہت اچھا ناول ہے۔ اسے مکمل کرلیں پھر میں بھی بتاؤں گا آپ کو کچھ ناول، پڑھ کر بتایئے گا۔"

"جی۔" اس نے پھر مختصر جواب دیا۔

"کچھ پوچھیے مہرو۔" مبین نے جیسے اجازت دی۔

"کچھ پوچھ لوں؟" اس نے بھی بالکل بے ساختہ کہہ دیا۔

"ہاں جی، بالکل جو دل میں آئے۔"

"آپ پریشان ہیں اندر ہی اندر کسی بات سے؟"

"اچھا.... ایسا کیوں لگا آپ کو؟" مبین واقعی



متعجب ہوا۔

"معلوم نہیں.... بس ایسا لگا جیسے آپ کی کوئی بہت اہم مصروفیت ہوا کرتی تھی جو اب بیچ میں نہیں رہی۔" اس نے جیسا محسوس کیا کہہ بھی دیا اور مبین ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ اس کے اندازے بالکل ٹھیک تھے۔

"جی.... آپ بالکل صحیح بھی ہیں مہرو اور میں معذرت چاہتا ہوں کہ اپنی تنہائی کسی سے بانٹنے کے لیے میں نے آپ کو استعمال کیا مجھے لگا...."

"ایسا مت کہیں سر، وجہ چاہے کوئی بھی ہو، آپ کا مجھ سے بات کرنا میری زندگی کی اتنی بڑی خوشی ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی بھی وجہ ہو وہ بہت چھوٹی ہوگی اور میرے لیے تو اعزاز کی بات ہے کہ آپ کو تنہائی بانٹنے کے لیے میرا خیال آیا۔ میں تو سمجھتی تھی شاید میں وہ آخری فرد ہوں گی آپ کی نظر میں جسے آپ کبھی کسی قابل سمجھیں گے۔" مہرو اس کی بات کاٹ کر بولنا شروع ہوئی تھی لیکن جب بولنا شروع کیا تو بیچ میں رکی نہیں۔ مبین کی جب ہنسنے کی آواز آئی تو اس نے زبان کو لگام دی۔

"بس.... سوری۔" وہ دھیمے سے کہہ گئی۔

"آپ کتنا پیارا، کتنا پراثر بولتی ہیں مہرو۔ میں آپ کو تم کہہ لیا کروں؟" مبین نے اپنی بے ساختہ سوچ کو الفاظ دیے، کچھ دیر کے لیے وہ خود ہی حیران رہ گیا تھا۔

"جی سر۔" مہرو کے لیے یہ ایک اور اعزاز تھا کہ مبین کا اس کی ذات پر بھروسا بڑھ رہا تھا۔

"وجہ نہیں پوچھو گی؟"

"سر آپ جو بھی بتانا چاہیں بتا دیا کریں، میں بھلا کچھ پوچھنے والی کون ہوتی ہوں۔"

"دوست۔" اس نے فوراً کہا اور مہرو مسکرا دی۔

"آج آپ میری جان لیں گے صاحب۔ یہ تیسرا خوشی کا جھٹکا ہے جو آپ مجھے دے رہے ہیں۔"

"دوستی قبول نہیں کیا؟"

"جان دے کر بھی قبول ہے سر۔" وہ شرما کر کہہ گئی۔

مبین مسکرا دیا۔ اس رات بہت دیر تک مبین اور اس نے ڈھیروں باتیں کیں، مبین نے خود ہی اسے سویرا سے اپنے ریلیشن اور بریک اپ کے متعلق بتایا۔ مہرو سن کر زیادہ حیران نہیں ہوئی، جیسے سویرا اور سر کی دوستی اکیڈمی کے دنوں میں صاف نظر آتی تھی لیکن خیر اچھی بات یہ تھی کہ سویرا اب ان کی لائف میں نہیں رہی تھی۔ مہرو خوش تھی کہ وہ اس کے ساتھ تھے اور وہ تو کسی قیمت پر بھی ان کا دل ٹوٹنے کا باعث بن ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے سر کو خوش رکھنا تھا۔ وہ بہت زیادہ خوش تھی۔

......☆☆......

"سنو مبین.... وہ تمہاری عارفہ آنٹی کی کال آئی تھی۔" مسز جبین نے کچھ ڈرتے ہوئے بیٹے کو مطلع کیا اور اس کا رسپانس جاننے کے لیے وہ اس کا چہرا تک رہی تھیں۔ مبین نے البتہ نہایت تحمل مزاجی سے انہیں سن کر بس ایک معنی خیز نظر ماں پر ڈالی تھی۔ جس پر جبین بیگم اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے سمجھانے کے انداز میں گویا ہوگئیں۔

"تم بلاوجہ ان کے ارادوں پر شک کر رہے ہو مبین۔ میں جانتی ہوں حسنین بھائی بہت نیک اور صاف دل انسان تھے۔ عارفہ بھی انہی کی طرح نہایت سادہ مزاج اور سلجھی ہوئی عورت ہے۔ تم صرف ایک بار ان لوگوں سے مل لو، اس کی مجبوری اس کی زبانی سن لینے میں کیا حرج ہے آخر؟"

"مجھے حیرت آپ پر ہے امی، آپ ایک ایسے انسان کو اچھا کہہ رہی ہیں جس نے ہمیں بلیک میل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ کھلے لفظوں میں ہمیں لالچی اور مطلبی بھی ثابت کردیا۔ اب اور کیا سننا باقی رہ گیا ہے۔"

"عارفہ بے چاری کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ورنہ تو میں اسے خود یہاں بلا لیتی۔" جبین لبوں کو باہم جوڑے تاسف سے سر ہلا رہی تھیں۔

"لیکن شوہر کے بعد بالکل اکیلی پڑ گئی ہوگی بے

جاری۔ جوان بیٹی کو ساتھ لائے تب بھی مشکل اور چھوڑ کر بھی کیسے آئے۔" وہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کررہی تھیں۔ میتین کو ان کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ مہرو ایک اکیڈمی میں ٹیوشن پڑھانے جاتی اور اس کی واپسی شام چھ بجے ہوتی تھی۔ میتین کے لیے یہ انتظار آج کل بہت خوب صورت تجربہ تھا۔ مہرو کی اکیڈمی کے تین گھنٹے وہ بڑی مشکل سے کاٹ پاتا تھا۔ ادھر دوسری طرف مہرو کی بے تابی کا عالم کچھ اس سے بھی سوا تھا۔ میتین نے سویرا کے بچھڑنے سے پہلے کے کئی ماہ عجیب سی صورت حال میں گزارے تھے جن میں دن رات سویرا کی بے رخی، بہانے، بات چیت سے کترانا اور روز کے جھگڑوں سے واسطہ تھا۔ قریب ایک سال کی مدت اس کی شدید فرسٹریشن میں گزری تھی۔ ایسے میں کسی کی اپنے لیے بے چینی، محبت اور اتنی قدر و قیمت کو اس کا ٹوٹا دل ہرگز اگنور کرکے نہیں گزر سکتا تھا۔ جہاں عزت نہ ہو وہاں محبت بھی بھلا کتنے دن تک پاتی ہے۔ وہ سویرا کے دیے درد سے نکلنے لگا تھا۔ مہرو کی بے پناہ محبت جیت رہی تھی۔ وہ موبائل ہاتھ میں لیے اپنے کمرے میں آگیا۔

"کیسی ہو میری زندگی۔" میتین نے مسکرا کر ٹائپ کیا اور موبائل مہرو کے ہاتھوں میں لرز سا گیا۔ وہ دھپ کرکے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ ہاتھ حیرت سے منہ پر رکھا ہوا تھا اور لبوں کی ہنسی تھی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"اس جملے کے انتظار میں راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں صاحب اور کبھی یہ یقین نہیں ہوتی تھی کہ ایسا دن بھی میری زندگی میں واقعی آسکتا ہے۔"

"میں بہت جذباتی مزاج کا آدمی ہوں مہرو اور ان دنوں اندر سے بری طرح ڈسٹرب اور بے حال بھی ہوں۔ ہم میں سے کئی لوگ اندر کی جنگ سے نبرد آزما اپنی تکلیفوں کو کسی سے شیئر نہیں کرسکتے، گھٹ گھٹ کر زندگی جیتے رہتے ہیں۔ میں خوش نصیب ہوں، مجھے درد ملا تو اللہ نے تمہاری صورت دوا بھی عطا کردی۔ میں صرف تمہاری قدر ہی نہیں کرنا چاہتا، تمہاری محبت کا بھرپور جواب بھی دینا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اسے جوابی خانہ پری سمجھنے کی کوشش نہیں کروگی۔ میرا دل ان دنوں صرف ایک ہی ہستی کے لیے بے چین رہتا ہے اور وہ تم ہو مہرو۔ میں کچھ دنوں سے صرف تم ہی کو سوچ رہا ہوں، یہ میرے نئے نئے ابھرتے جذبات ہیں، اسے دل رکھنے کی کوشش کبھی مت سمجھنا۔"

"میں جانتی ہوں سر۔" مہرو کی پلکیں بھی نم ہوگئیں۔

"مجھے آپ کے لفظوں پر اس لیے مکمل یقین ہے کیونکہ میں آپ کو صرف تکتی نہیں اندر تک محسوس بھی کرتی ہوں اور جسے ہم محسوس کرتے ہیں ان کے سچ جھوٹ جاننے میں دقت نہیں ہوتی۔ آپ کے جذبات میرے لیے تبدیل ہورہے ہیں، یہ بات میرے لیے نئی زندگی جیسی ہے۔"

"مہرو کیا ہم کبھی مل سکتے ہیں؟" اب وہ دونوں ایک دوسرے سے کال پر بات کرتے تھے۔ میتین نے دل میں پیدا ہوتی اپنی خواہش بھی اس پہ ظاہر کردی۔

"سر...... میرے ذہن میں فی الحال تو کچھ نہیں ہے لیکن میں سوچ کر بتاؤں گی۔" وہ اندر ہی اندر کچھ پریشان تو ہوئی لیکن لہجے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"کیا تم میرے گھر آسکتی ہو؟" میتین نے فوراً ہی کہا تو مہرو کچھ دیر کے لیے گنگ ہی رہ گئی۔ میتین سر کے منہ سے ایسی بات۔ اس کا دل بری طرح مایوسی میں ڈوب گیا تھا۔

"ارے پاگل لڑکی...... میں تمہیں اپنی امی سے ملوانا چاہتا ہوں۔" میتین نے اس کی کئی لمحوں کی خاموشی کا راز فوراً ہی پالیا تھا۔ بھی مذاق اڑانے کے انداز میں ہنسا تو مہرو نے شرمندہ ہوکر اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

"اف...... میں کتنی بدھو ہوں۔ جملے کو غلط معنی پہنانے اور کچھ سوچا بھی نہیں۔" اس نے دل میں کہا۔

"سوری۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔



"تمہارا میرے بارے میں غلط گمان کرنا مجھے برا نہیں لگا مہرو۔ مجھے میری نیت اور ارادہ بالکل صاف ہے لیکن تمہیں مجھ پر بھروسا کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ میں مرد ہوں، تمہارے لیے غیر ہوں۔ اندھے اعتبار بعد میں پچھتاوا ثابت ہوتے ہیں۔" وہ خود ہی اسے تدبر سے سمجھانے لگا۔

"باقی تمہارے خوف تو چلو لڑکی ہونے کے ناطے کچھ اور ہوں گے، کچھ وہم اور خدشے تو خود مجھے بھی لاحق ہیں۔ دھوکا کھانے کے لیے مرد عورت ہونا ضروری نہیں۔ مجھے غلط بیانی اور چیٹنگ سے اب خوف آتا ہے۔ تم سے آمنے سامنے ملنا اور تمہیں اپنی امی سے ملوانا میرے اندر کے ڈر ختم کرنے کے لیے ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں سر۔" مہرو نے بمشکل چند الفاظ کا چناؤ کیا۔ ورنہ دل اندر سے بہت بری طرح پریشان ہوگیا تھا۔ میتین چاہتا تھا وہ اپنے کہے پر پوری اترے لیکن یہ کیسے ممکن ہو پائے گا۔ میتین کو وہ کیسے بتائے کہ اس کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔

"سر...... وہ میری امی مجھے آواز دے رہی ہیں۔ میں آپ کو کچھ دیر بعد کال کرتی ہوں۔" اس نے اجازت لے کر فوراً ہی کال کاٹ دی۔ اس کے بعد دیر تک اپنی جگہ سے ہلا نہیں گیا۔ وجود پر بھاری پہاڑ آن گرا تھا۔ جن کے بوجھ سرکاتے نجانے اسے کیا کچھ قربان کرنا پڑسکتا تھا۔

......☆☆......

وہ نیلما رباب تھی۔ پروفیسر غلام حسنین کی اکلوتی اولاد۔ اس کے والد نے اپنی پوری زندگی شعبہ تدریس کو دی تھی۔ وہ صرف ایک پروفیسر نہیں ایک رول ماڈل تھے۔ ہزاروں، لاکھوں طالب علموں نے علم کی اس شفاف ندی سے خوب سیراب ہوکر فیض حاصل کیا تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر پہنچ کر بھی پروفیسر صاحب کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ان کی بیٹھک ہر وقت ایسے قدر دانوں سے بھری رہتی تھی جو گاہے بگاہے کسی نہ کسی حوالے سے ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے لیکن یہ ان کی بدنصیبی رہی کہ باہری دنیا میں اتنے مقبول ہونے کے باوجود اپنوں سے انہیں ٹھوکریں ہی ملیں۔ بھری دنیا میں اگر ان کا کوئی اپنا تھا تو وہ ان کی بیوی اور اکلوتی بیٹی نیلما تھی۔ پروفیسر صاحب نے نوجوانی میں ہی اپنا آبائی شہر چھوڑ کر کراچی کو اپنا شہر بنالیا تھا لیکن باپ دادا کی جائیدادیں شکارپور میں ہی تھیں۔ پروفیسر صاحب کے تین چھوٹے بھائی تھے۔ سب کو اللہ نے بیٹوں بیٹیوں سے نوازا تھا۔ پروفیسر صاحب نے بہت بار اڑتی اڑتی سنی تھی کہ ان کے بھائی لوگوں میں یہ کہتے پھرتے ہیں کہ پروفیسر صاحب کو اپنا حصہ اپنے بھتیجوں میں بانٹ دینا چاہیے۔ جائیداد بھی بھلا بیٹیوں کو دینے کی چیز ہے۔ پروفیسر صاحب خاموشی سے یہ بات سن لیتے، سب کچھ اللہ پہ چھوڑ رکھا تھا لیکن پھر دل کے پہلے دورے نے ان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ ان کی مختصر فیملی ان کی پینشن کی بدولت چل رہی تھی اور انہیں اس میں اضافے کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ ان کی زمینوں سے سالانہ جو رقم حاصل ہوتی وہ ان کے بھائیوں نے کبھی ان تک آنے ہی نہیں دی تھی۔ ان کے حساب سے ان کا پڑھا لکھا بھائی خود کفیل ہے تو اسے اس کی کیا ضرورت پھر ایک بیٹی ایک بیوی۔ خرچے ہی کتنے ہوتے ہوں گے یہی سوچ کر ان کے حصے کو بھی حق سمجھ کر خرچ کرتے رہے۔ حق یوں کہ ان کے نزدیک باپ کے بعد ان تینوں نے زمین جائیداد کا خیال رکھا تھا۔ ادا حسنین تو شہر جا کر بیٹھ گئے انہیں زمینوں سے کیا لینا دینا اور پروفیسر صاحب شاید یہ زیادتی بھی جھیل جاتے لیکن دل کا پہلا دورہ پڑنا اور قدرت کا انہیں بچالینا ان کے لیے سوچ کے کئی در وا کر گیا تھا۔ اسٹنٹ ڈلوانے کے لیے رقم کی ضرورت پیش آئی تو عارفہ خود شکارپور گئی۔ لاکھوں روپے کی ضرورت پڑ گئی تھی وہ بھی ارجنٹ لیکن کسی ایک بھائی سے ایک دھیلا بھی برآمد نہ ہوسکا اور ان مشکل حالات میں ان

کے دوست غضنفر نے علاج کے لیے رقم ادھار دی تھی۔ غضنفر سے غلام حسنین کی دوستی اس آخری انسٹیٹیوٹ کے دنوں میں ہوئی جس کے بعد پھر وہ ریٹائرڈ ہو گئے تھے۔ غضنفر کی فیملی کے ساتھ ان کا آنا جانا تھا۔ ان دونوں سے زیادہ ان کی بیویاں آپس میں ایک دوسرے کی دوست بن گئیں لیکن پھر غضنفر کی اچانک موت ہو گئی تھی۔ پہلے فالج کا حملہ ہوا اور پھر چند دنوں کے اندر ہی وفات بھی ہو گئی۔ غلام حسنین کو اس کی وفات کے کچھ ماہ بعد ان کی مسز نے بتایا کہ وہ انہیں وصیت کر گئے ہیں کہ غلام حسنین سے ادھار کی رقم ہرگز واپس نہ لی جائے۔ پروفیسر حسنین پر اس بات کا بہت گہرا اثر ہوا۔ سگے بھائیوں سے تو پرائے اچھے ثابت ہوئے تھے اور ایسے بھائیوں سے آگے بھی کسی اچھائی کی امید نہ تھی۔ خصوصاً ان کے گزر جانے کے بعد تو ان میں مزید بگاڑ کا اندیشہ تھا اور اب وہ اندر ہی اندر اس بات پر پریشان ہوتے کہ ان کے بعد ان کی بیوی اور بچی کے ساتھ یہ لوگ کیا سلوک کریں گے۔ انہیں اللہ نے بیٹی ضرور دی تھی اور شرعی اعتبار سے وہ آدھے کی مالک تھی لیکن وہ خود تو اپنے باپ کی نرینہ اولاد تھے۔ اگر وہ اپنے باپ کا حصہ اپنی زندگی میں اپنے بھائیوں سے الگ کر لیں تو یہ چیز ان کی بچی اور بیوی کے حق میں اچھی ثابت ہوتی۔ یہی سوچ کر انہوں نے خاندانی وکیل سے مشورہ کیا اور جائیداد تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ بھائیوں اور ان کی اولادوں کے رنگ ڈھنگ زندگی گزرنے پر خوب سمجھ میں آ گئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے مروت میں مارے جائیں اور نقصان ان کی معصوم بچی کو اٹھانا پڑے۔ یوں باپ کی جائیداد چار بھائیوں میں تقسیم ہوئی لیکن سوائے ان کے کوئی بھی اس تقسیم سے خوش نہیں تھا۔ کیونکہ باقی تینوں بھائیوں کا یہی خیال تھا کہ بڑے بھائی کے رخصت ہوتے ہی جائیداد کے تین حصے کیے جائیں گے تاکہ سب کچھ ان کی نسلوں یعنی بیٹوں میں منتقل ہوتا رہے لیکن اب بھائی صاحب نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ جائیداد کی تقسیم کے بعد باقی کے تینوں بھائی اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ جائیداد کا ایک بڑا حصہ اب نیلما کے کسی ایرے غیرے شوہر کے ہاتھ لگ جائے گا اور ایسا کسی قیمت پر نہیں ہونا چاہیے۔ آج سے پہلے نیلما کو بہو بنانے کا کسی کو خیال نہ آیا تھا کیونکہ انہوں نے نیلما کو کبھی جائیداد کا حصے دار سمجھا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے تو طے کر رکھا تھا کہ بھائی کے بعد ساری جائیداد آپس میں بانٹ لیں گے اور نیلما چونکہ بیٹی ہے تو جہیز دے کر کہیں نہ کہیں رخصت کر دی جائے گی اور اب جبکہ ان سب کے بھی بیٹے بیاہ رچا چکے تھے۔ انہیں نیلما کو اس کی جائیداد سمیت کسی طرح واپس اپنے خاندان میں کھینچنا تھا۔ بھی دوسرے نمبر والے بھائی نے اپنے بڑے بیٹے باقر کی شادی کی صلاح یہ کہہ کر دا حسنین کے سامنے رکھی کہ آپ کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشانی ہے۔ آپ کے بعد بچی کا کیا بنے گا اور ہم اپنے ہیں تو بھابی اور بھتیجی کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے وغیرہ۔ اس لیے باقر کو دوسری شادی پر آمادہ کر لیا ہے۔ پروفیسر صاحب کو ان کی باتیں سن کر پریشانی سے زیادہ خوف محسوس ہوا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے جائیداد کے لالچ میں ان کے بھائی اتنے بے حس ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بھائی کو تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ اس پر سوچیں گے لیکن اس کے جانے کے بعد ان کی نیند و چین حرام ہو گیا تھا۔ انہیں بیٹی کے مستقبل کی فکر ستانے لگی تھی۔ وہ بڑی شدت سے ایک اچھے رشتے کی تلاش میں تھے اور پھر انہوں نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ انہوں نے ایک وصیت تیار کروائی جس میں لکھا کہ وہ اپنی آدھی جائیداد غضنفر کے بیٹے مبین کے نام کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ ان کی بیٹی سے شادی کر لے اور اتفاق کی بات کہ وصیت تیار ہونے کے کچھ ہفتہ بھر کے اندر دل کا دورہ پڑا اور اس بار وہ جانبر نہ ہو سکے۔ عارفہ نے عدت پوری ہونے کے بعد مبین کی امی کو آ کر وہ وصیت نامہ دکھایا۔ جس پر وہ تو خوب حیران ہوئیں البتہ مبین بری طرح تپ پا ہو گیا۔ اس نے بھی حسنین انکل کی ہمیشہ بہت عزت کی تھی۔ باپ کے دوست کی حیثیت سے وہ اس کے لیے بہت قابل احترام تھے لیکن ان کی ایسی بے تکی شرط پر وہ بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔ اس کے نزدیک انکل نے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی اور شاید مطلبی اور لالچی بھی سمجھا تھا۔ اب ماں اسے بار بار سمجھا چکی تھی کہ ایک بار عارفہ آنٹی کو سن تو لو۔ آخر وہ کیا مجبوری تھی جس نے پروفیسر صاحب کو ایسی وصیت لکھنے پر مجبور کیا لیکن مبین کچھ سننے کو تیار نہ ہوا۔ اس نے کہا اب میں اس شرط پر عمل نہ کر کے ثابت کروں گا کہ میں لالچی نہیں ہوں۔ ماں بس افسوس سے بیٹے کو دیکھتی رہ گئی کہ جوان اولاد کو کیا کہیں۔ حالانکہ دل میں خیال آ تا بیٹے سے کہیں۔

"کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے۔ اوپر سے سویرا بھی دھوکا دے کر چلی گئی تو اب...... اب کیا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ ہے امی۔" وہ جاتے ہوئے واپس پلٹ آیا۔

"مسئلہ میری سوچ، میری پسند کا ہے۔ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں اور بہت جلد آپ کو اس سے ملوانے والا ہوں۔"

"اب کون؟" وہ بری طرح جھلا گئیں۔

"پہلے تمہاری پسند نے ہمیں کم پریشانیاں دی ہیں۔ اس بار ماں کی بات مان لیتے تو کیا جاتا تمہارا۔"

"امی میرا مقصد خدانخواستہ آپ سے ضد کرنا نہیں، مہرو اتفاقاً میری لائف میں آئی ہے۔" وہ اب تحمل سے ماں کو سمجھا رہا تھا۔

"کون ہے...... کس فیملی سے ہے، کہاں ملی؟"

"آپ کے ان تینوں سوالوں کے جواب ایسے ہیں امی کہ شاید آپ کو غصہ آ جائے، اس لیے مجھے کچھ وقت دیں۔"

"اور عارفہ...... اس سے کیا کہوں، وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔" جھنجھلاہٹ آواز میں [illegible] کیونکہ مبین برآمدے میں نکل گیا تھا۔

"مہرو دیں فی الحال بچوں کے امتحانوں میں مصروف ہے، خود بتائے گا۔" اس بار مبین نے بھی رویہ مصالحانہ رکھا۔ دل میں سوچا عارفہ آنٹی کو سن لینے میں کیا حرج ہے۔ جواب وہ پھر بھی اپنی مرضی کا دے گا۔ اسے انکل کی دولت سے کچھ سروکار نہ تھا۔ جو اسے حاصل تھا اس کے لیے وہی بہت تھا اور ابھی ہر چیز سے بڑھ کر اس کا فوکس اس بات پر تھا کہ اسے جلد از جلد مہرو سے خود بھی ملنا تھا اور اسے امی سے بھی ملوانا تھا۔

......☆☆......

"کچھ کام کر رہی تھیں؟" مبین نے موبائل کان سے لگایا۔ وہ ابھی ابھی آفس سے واپس آیا تھا۔

"جی نہیں...... بالکل فارغ بیٹھی تھی، بس آپ کا انتظار تھا۔" مہرو نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

"اچھا۔" مبین کو بھی ہنسی آ گئی۔

"اور میرا انتظار...... اس کے بارے میں بھی کچھ سوچا؟"

"جی وہ میں دیکھ رہی ہوں حالات کو۔" وہ کچھ گڑبڑائی۔

"اتنی لمبی سوچ و بچار؟"

"سوری...... وہ میں امی کی طبیعت کی وجہ سے کچھ پریشان تھی، آئی ایم رئیلی......"

"ارے کوئی بات نہیں، میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔ تم آرام سے وقت لے کر سوچو۔" مبین نے لہجہ رواں رکھا لیکن مہرو نے بھانپ لیا۔

"آپ پریشان ہیں کسی بات پر؟"

"ہوں...... بہت زیادہ۔" اس نے بھی دیر نہیں لگائی۔ اسے ویسے بھی ایک ایسے ہمدرد کی ضرورت تھی جو اسے سنے، سمجھے اور اسی کو صحیح مانے۔ ورنہ امی تو بے چاری عارفہ آنٹی و نیلما اور ان کی مجبوریوں کے راگ الاپتی رہتی تھیں۔

"خیریت...... کیا ہوا؟ کیا میری وجہ سے......" وہ

ایک دم ہی پریشان ہوئی۔
"نہیں تمہاری کوئی بات نہیں ہے۔ تم تو سکون ہو، آرام ہو اور ان دنوں میرے ہر درد کی دوا بھی۔" اس نے بے اختیار ایک آہ بھری۔
"تو پھر ایسی کیا بات ہے۔" مہرو چاہ کر بھی خوش نہ ہوسکی۔ مبین کی پریشانی نے باقی ہر جذبے کا حسن پھیکا کر دیا اور مبین نے بھی دیر نہ لگاتے اسے حسنین انکل کی اپنے بابا سے دوستی، ان کی بیماری اور وصیت کا تمام معاملہ کہہ سنایا۔
"اوہ...... تو...... پھر کیا ہوگا؟"
"بھئی اس طرح فورس کرکے کوئی کچھ بھی منوالے گا کیا، میری اپنی مرضی کی کیا کوئی ویلیو نہیں ہے۔"
"لیکن آپ کو ایک بار ان لوگوں کو سن لینا چاہیے، کیا پتا آپ کے انکل کی واقعی کوئی بڑی مجبوری رہی ہو۔"
"ہوں...... مان لیا۔" مبین کے لہجے میں طنز تھا۔
"تو کیا میں ان کی شرط مان لوں؟"
"جی...... میں یہی کہہ رہی ہوں کہ آپ کے انکل اب اس دنیا میں نہیں رہے تو اگر آپ ایک مرے ہوئے شخص......"
"مہرو...... یہ تم کہہ رہی ہو۔" مبین کو سن کر یقین نہیں آیا۔
"مہرو...... کیا میں تمہارے معاملے میں غلطی پر تو نہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بھی اس تعلق کو محض دوستی تک محدود رکھنا چاہتی ہو اور یہ آگے بڑھنے کی خواہش، ایک دوسرے کو حاصل کرنے کی تمنا صرف اور صرف میری طرف سے ہے۔"
"ایسا نہیں ہے مبین سر۔" وہ گھبرائی۔ "میرا کہنے کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ ان کی مجبوری ان......"
"تم نے صرف یہ نہیں کہا مہرو۔ تم نے کہا کہ مرے ہوئے شخص کی وصیت کا احترام کروں...... بلکہ نہیں۔"
وہ غصے میں آ گیا۔
"ایک مرے ہوئے شخص کی خواہش کا احترام کرتے خود کو بھینٹ چڑھا دوں۔"
"سر آپ غصہ نہ ہوں۔" وہ بری طرح ڈر گئی۔
"یہ غصہ نہیں ہے مہرو، تشویش ہے۔ میں نے اپنی زندگی اپنے نا سمجھ طالب علموں کو ہمیشہ یہ سمجھاتے گزاری ہے کہ کسی انجان پہ بھروسا مت کریں۔ آن لائن دوستیوں سے پرہیز کریں، یہاں کے دھوکے عمر بھر کا پچھتاوا ہوتے ہیں اور میں خود اسی کا شکار ہو رہا ہوں۔ پہلے پہل میں نے تمہیں صرف پڑھنا شروع کیا۔ تم نے بھی ہمیشہ بہت احترام سے بہت سلجھے الفاظ میں مجھ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ تم کسی نہ کسی حوالے سے میرے آس پاس کے ماحول کا حصہ ہو۔ یہ بات ذرا تقویت دیتی ہے کہ سامنے والا بالکل اجنبی نہیں ہے۔ تم میری اکیڈمی سے پڑھ کر نکلیں، مجھے سرکہتی ہو یہ سب باتیں تمہارا پلس پوائنٹ تھیں بھی تم پہ بھروسا کرنا آسان رہا لیکن اب حالات بدل گئے ہیں اب میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے مہرو کہ تم حقیقت ہو یا کوئی سراب۔" وہ بے تکان بولتا چلا گیا اور مہرو نے بھی اسے بولنے دیا۔
"سر...... میں یقین دلاتی ہوں آپ کو کہ آپ میری بدولت کسی دھوکے کا شکار نہیں ہو رہے۔ میں سراب نہیں حقیقت......"

......☆☆......

"نیلما...... نیلما باہر آؤ بیٹا، کچھ مہمان آئے ہیں۔" عارفہ بیگم نے کمرے میں بالکل اچانک جھانک کر اونچی آواز میں پکارا تو وہ بری طرح بوکھلائی، موبائل ہاتھ میں کھلا رکھا تھا اور سامنے امی کھڑی تھیں۔
"تت...... تم نیلما ہو۔ نیلما حسنین۔" ماؤتھ پیس سے مبین کی چیختی ہوئی سی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی موبائل بند ہوگیا۔
مہرو نے بس امی کی موجودگی تک کے وقت میں کسی طرح خود کو سنبھالا اور جیسے ہی وہ کمرے سے باہر گئیں اس نے سر ہاتھوں پہ گرا لیا تھا۔ سب کچھ ہو گیا تھا۔ سچ تو

اس کے بتانے کا تھا اور وہ انہی ایک دو دنوں میں خود یہ حقیقت مبین کو بتانے والی تھی کہ اس کا اصل نام مہرو نہیں بلکہ نیلما ہے اور وہی ہے ان کے انکل کی وصیت کا وہ کردار کہ جس سے وہ بھاگ رہا ہے لیکن کاش...... کاش کہ یہ سچ وہ مبین کو اپنے منہ سے بتا پاتی۔
نیلما کو وہ دن بہت اچھی طرح یاد تھا جب بابا نے اس کے لیے اکیڈمی کا بندوبست کیا تھا۔ انہوں نے اپنے دوست کے بیٹے مبین کی اکیڈمی میں اس کے بیچلرز کا پتا کرایا۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں سائنس سبجیکٹ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ تبھی اس کے بابا نے اس کا داخلہ بھی کروا دیا تھا۔ وہ کالج سے واپس آ کر سو گئی۔ امی نے کہا کہ تین بجے سے کچھ پہلے وہ اسے جگا دیں گی تاکہ تین بجے تک وہ اکیڈمی پہنچ جائے۔ وہ کھانا کھا کر سوئی تو اکیڈمی جانے کا خیال اتنا دماغ پر غالب رہا کہ اسے نیند ہی نہیں آئی تھی۔ کافی دیر تک لیٹے رہنے کے بعد وہ خود ہی اٹھ گئی تاکہ تیاری کرلے۔ وہ کمرے سے نکل کر امی ابو کے کمرے کی طرف بڑھی تو کھڑکی کے قریب پہنچ پر اسے ابو کی آواز سنائی دی تھی۔
"مبین بہت اچھا، نہایت سلجھا ہوا لڑکا ہے، غضنفر بھی اپنے بیٹے کی عادات سے بہت مطمئن دکھائی دیتا ہے، بہت تعریف کرتا ہے اس کی۔"
"آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" اس کی امی نے اس کے بابا سے سوال کیا تھا۔
"میں اپنے منہ سے کیا کہہ سکتا ہوں، ایک بیٹی کے باپ کو اپنی پسند ظاہر کرنے کا کہاں حق ہوتا ہے۔" انہوں نے بس ایک گہرا سانس لیا تھا۔
"لیکن ہاں مبین سے میں جب بھی ملا، مجھے وہ اپنی نیلما کے لیے بہت اچھا لگا، کوئی بھی باپ اپنی بچی کے لیے ایسے داماد کا انتخاب کرنا چاہے گا، دنیا جسے قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہو۔ مبین محنتی ہے، پڑھا لکھا ہے، آج ایک باعزت شعبے سے منسلک بھی ہے۔ کم عمری میں ہی اپنا ...... ہے، وہ بھی ہماری نیلما

کی طرح اکلوتا ہے۔ دونوں کی تربیت ایک جیسے انداز میں ہوئی ہے۔"
"تو کیا آپ غضنفر بھائی سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کرسکتے؟" عارفہ بھی جیسے دل ہی دل میں مبین کی قدر دان ہوگئی تھیں۔
"ہاں کہہ سکتا ہوں، کبھی مناسب موقع محل ہوا تو ضرور بات کروں گا۔" انہوں نے جیسے دل میں ارادہ باندھا اور نیلما وہیں سے واپس لوٹ گئی تھی۔ اب اکیڈمی کے لیے تیار ہوتے اس کے دل میں ایک عجیب سی کھد بد شروع ہو چکی تھی۔ وہ مبین کو اب تک کے وقت میں صرف اس کے نام سے جانتی تھی۔ غضنفر انکل کا بیٹا مبین اور بس۔ ان کے ہاں جبین آنٹی تو کبھی بھار آیا کرتی تھیں لیکن مبین کبھی نہیں آیا تھا۔ اس کی امی بھی دو ایک بار غضنفر انکل کے گھر گئی تھیں لیکن نیلما کبھی نہیں گئی تھی کیونکہ وہاں اس کی ایج کی کوئی لڑکی نہیں تھی اور آج وہ پہلی مرتبہ مبین کو دیکھنے والی تھی۔ وہ مبین جسے اس کے بابا اس کے جیون ساتھی کے طور پر پسند کرتے تھے۔ وہ اپنا عبایہ اور حجاب اوڑھ کر اکیڈمی آئی تو آفس کے ایک بندے نے اس کی اس کے روم تک رہنمائی کر دی تھی۔ اس کی جماعت میں لڑکیاں زیادہ تھیں۔ لڑکے بھی تھے لیکن وہ دوسری سائیڈ پر آگے بیٹھے تھے۔
"وہ دیکھو سر مبین آگئے۔" اس کے ساتھ والی لڑکی نے اپنی دوست کو سرگوشی کی تو نیلما نے اشتیاق سے ادھر دیکھا تھا۔ وہ تینوں کھلی کھڑکی کے اندر والی سائیڈ میں بیٹھی تھیں۔ سامنے اکیڈمی کا گیٹ کھل رہا تھا جس سے ایک کار اندر داخل ہو رہی تھی۔ سفید کار جب رک گئی تو اس میں سے ایک آدمی باہر نکلا۔ لائٹ گرے ڈریس شرٹ کے ساتھ بلیک کوٹ اور بلیک پینٹ میں چشمہ آنکھوں سے اتارتے اس آدمی نے موبائل کو وہیں کھڑے کھڑے کچھ چیک کیا۔
"یہ سر مبین ہیں؟" نیلما نے اپنی ساتھی سے تصدیق چاہی تو اس نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ دونوں بھی

سب بھول بھال کر مبین سر کو ہی دیکھ رہی تھیں۔ نیلما نے دوسری نظر مبین پر ڈالی تو ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ پھیل چکی تھی لیکن اس نے ہونٹوں کو بھینچنے سے نہیں روکا کیونکہ اس کا چہرا اُجلے پردے میں تھا۔ اسے اپنے بابا کی پسند بہت پسند آئی تھی۔ آنے والے دنوں میں اس نے نوٹس کیا کہ سر مبین لڑکیوں میں بہت مقبول ہیں۔ حالانکہ وہ خود انتہائی ریزرو رہتے تھے لیکن لڑکیاں ان کی پرسنالٹی پر فدا تھیں۔

نیلما نے دو سال کا وقت اکیڈمی میں نہایت خاموشی سے گزار دیا تھا۔ ان دو برسوں میں نہ تو اس کے بابا کو ہمت ہوئی کہ غضنفر انکل سے اپنے دل کی بات کہتے اور نہ ہی نیلما کو جرأت ہوئی کہ کبھی وہ مبین سر کے سامنے آتی۔ مبین سر اکیڈمی کے انچارج بھی تھے اور کمپیوٹر کے ٹیچر بھی۔ نیلما کی کلاس میں ان کا کبھی آنا ہی نہ ہوتا تھا۔ یوں دو سال چپکے سے گزر گئے تھے۔ ایف ایس سی کے بعد نیلما نے فارما ڈی میں ایڈمیشن لیا اور ایک دن فیس بک پر اس کے سامنے سجیشن میں سر مبین کی آئی ڈی آئی تو اس نے بہت سوچ و بچار کے بعد مہرالنسا کے فرضی نام سے آئی ڈی بنا کر سر کو چھوٹی سی تحریر بھیجی۔

اس میں بھی مہرو نے یہی لکھا کہ وہ ان کی شاگرد ان اکیڈمی کی اسٹوڈنٹ تھی اور ان کی بہت فین تھی۔ شروع شروع میں اس کو بالکل اچھا رسپانس نہیں ملا لیکن نیلما نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ کبھی کبھار کوئی ہلکی پھلکی تحریر ان کو لکھ دیا کرتی تھی۔ وہ یہ بھی نہ سوچتی کہ اسے سر کے جواب کا بھی انتظار نہیں ہوتا۔ اس کے لیے یہی بہت ہے کہ وہ اسے پڑھ لیتے ہیں۔ نیلما کی تحریروں میں چھوٹے موٹے فلسفے، دل کے کچھ بوجھل کچھ ہلکے سے شکوے چھپے ہوتے تھے۔ وہ مبین سے بھی کوئی امید، کوئی توقع نہ لگاتی اور یہی بات مبین کو اس کی اچھی لگی تھی کہ وہ ایک سنجیدہ مزاج، سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ وہ بہت کم بس کبھی کبھار اسے جواباً سمجھانے کے انداز میں کچھ لکھ دیا کرتے اور یہ ایک ایسا رابطہ تھا کہ جس میں کوئی غرض، کوئی لالچ نہ چھپی تھی۔ کبھی کبھار نیلما خود سے بھی یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جاتی کہ آخر اس رابطے سے اسے کیا حاصل ہے اور وہ کیا چاہتی ہے لیکن اس کے پاس خود اپنے سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اسے سر مبین اور میم سویرا کی دوستی کا تو علم تھا لیکن اس تعلق کی نوعیت کیا ہے اسے بالکل اندازہ نہ تھا۔ یہ باتیں مبین نے خود اسے بتائیں تو بھی اس کے علم میں آئیں اور آج..... آج بالآخر اس کے اور سر کے تعلقات کی نوعیت بھی کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ وہ اسے چیٹر سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔ نجانے وہ انہیں اپنی بات سمجھا بھی پائے گی یا نہیں۔

......☆☆......

"سر آپ پلیز ایک بار میری بات سن لیں۔" اس نے صبح سے نجانے کتنی بار مبین کو کال ملائی تھی لیکن انہوں نے آگے سے ہر بار اس کی کال کاٹ دی تھی۔ تنگ آ کر نیلما نے انہیں میسج لکھا لیکن بہت دیر گزر جانے پر میسج کا بھی کوئی رسپانس نہیں آیا۔ مبین نے فون بند کر کے سائیڈ پر پھینکا۔ اسے دھوکا دہی سے سخت شدید چڑ تھی۔ آخر وہی کیوں چہرے بدل بدل کر پھر اس کے سامنے آ جاتی تھی۔

"کیا ہوا مبین..... کیوں پریشان ہو؟" جبین بیگم کمرے میں آئیں تو وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے سیدھا لیٹا تھا۔ ان کو آتا دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"چائے بنا دوں؟"

"نہیں..... اکیڈمی میں پی لی تھی۔"

"کیا ہوا ہے؟" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"تم مجھے اپنی نئی دوست سے ملوانے والے تھے۔ میں تو کب سے اس کی راہ دیکھ رہی ہوں۔" انہوں نے خود ہی موضوع چھیڑا۔

"کسی کی راہ مت دیکھیں، اب کسی سے کوئی امید باقی نہیں رہی۔"

"اچھا..... تو کیا ہوا ہے؟"

"بس آپ رہنے دیں اس بات کو۔" اس نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا تو پھر ایک بار میرے ساتھ چلنے کی حامی بھرو۔ بہت دن پہلے تمہیں کہا تھا کہ عارفہ بھابی کی بات بھی سن لیتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے سر پوری شدت سے نفی میں ہلایا۔ "اب تو وہاں بالکل کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔"

"کیا کہہ رہے ہو مبین۔ اب ہی تو گنجائش نکلنے کی امید پیدا ہوئی ہے۔ تم بتا رہے ہو اب وہ دوسری دوست بھی تمہاری زندگی میں نہیں رہی تو پھر۔" وہ بری طرح جھنجلائیں۔ آخر ان کا بیٹا چاہتا کیا تھا۔

"چیٹر ہیں سب، سب ایک جیسے بلکہ ایک ہی ہیں۔" وہ مبہم انداز میں کہتا اٹھ کر باہر ہی نکل گیا اور وہ نا سمجھی سے بس اس کے جملے کو ہی سوچتی رہی تھیں۔

......☆☆......

آج پورا ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ مبین سر نے اس کی کال اٹینڈ نہ کرنے کی تو جیسے قسم ہی کھائی تھی۔ واٹس ایپ پر اس کے لکھے میسج بھی سین نہیں کیے گئے تھے۔ شاید انہوں نے اسے بلاک کر دیا تھا۔ بہت سوچ و بچار کے بعد بالآخر اس نے ایک بار پھر فیس بک کا سہارا لیا اور سر کو ایک آخری تحریر لکھنا شروع کی۔ اسے یقین تھا سر نے اسے وہاں بلاک نہیں کیا ہوگا کیونکہ ایک عرصہ ہوا دونوں اس ذریعے کا استعمال ہی چھوڑ چکے تھے۔ اب تو ڈائریکٹ کال پر بات ہوتی تھی۔

"آپ نے ایک بار لکھا تھا کہ آپ ایک جذباتی مزاج کے انسان ہیں۔ آج میں آپ کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہتی ہوں کہ ہاں آپ جذباتی بھی ہیں اور غصہ ور بھی اور غصے میں آپ کو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اگلے کو سرے سے سنا ہی نہ جائے جبکہ صفائی کا موقع تو قاتل کو بھی دیا جاتا ہے۔ کم از کم اگلے کو اپنی غلطی تو تسلیم کرنے دیں یا اس کا قصور کس درجے میں آتا ہے، پیمائش تو کر لیں پھر چاہے اس کے بعد جو چاہیں سزا سنا دیں۔ میں مانتی ہوں یہ میرا قصور ہے کہ میں نے اپنی ابتدا ہی جھوٹ سے کی، اپنا نام غلط بتانا میری پہلی غلطی تھی لیکن اس کی واحد وجہ صرف ایک ہی تھی کہ انجان بن کر میں اپنا آپ بہت کھل کر آپ پہ ظاہر کر سکتی تھی۔ تب تک میرے ذہن میں صرف اتنا تھا کہ میں بھی کبھار اپنے دل کا حال آپ سے کہہ لیا کروں گی اور اگر میں نیلما یعنی آپ کے انکل حسنین کی بیٹی بن کر یہ آغاز کرتی تو کبھی ممکن نہیں تھا کہ کھل کر کچھ کہہ پاتی۔ دوسرے میرے والد صاحب آپ کو بہت پہلے سے اپنے داماد کے روپ میں دیکھتے آئے تھے۔ انہوں نے تب یہ بات میری امی سے کی جب چار سال پہلے میں نے آپ کی اکیڈمی میں داخلہ لیا تھا۔ وہ آپ کو غضنفر انکل کا بیٹا ہونے کی حیثیت اور آپ کی قابلیتوں کی وجہ سے بہت پسند کرتے تھے۔ جس روز میرا اکیڈمی میں پہلا دن تھا میں نے اتفاقاً اپنے امی ابو کی باتیں سن لی تھیں جن میں انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ آپ کو اپنا داماد بنانا چاہتے ہیں اور انہوں نے کہا تھا کہ کسی دن موقع پا کر وہ غضنفر انکل سے بھی اس بات کا ذکر کریں گے۔ پھر دو سال بعد جب اکیڈمی کی پڑھائی ختم ہونے پر میں نے آپ سے رابطہ کیا تو یہ سوچ کر اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کہ کہیں میرے بابا نے آپ کے ابو پر اپنی خواہش ظاہر نہ کر دی ہو اور آپ اس بات سے واقف ہوئے تو میرے بارے میں نجانے کیا سوچ رہے ہوں گے اور ابھی چھ ماہ پہلے جب بابا کی ڈیتھ ہوئی اور ان کی وصیت ہمارے سامنے آئی تب میرے اور امی کے لیے تو اس بات کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں تھا کہ انہوں نے وصیت میں ایسی شرط کیوں لکھی لیکن ہاں آپ کے لیے واقعی یہ سمجھنا بہت مشکل رہا ہوگا کہ آخر حسنین انکل نے آپ کو کیا سوچ کر ایک شرط میں باندھنے کی کوشش کی۔ میری امی آپ سے رو برو مل کر ساری باتیں کرنا چاہتی ہیں لیکن آپ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے تو وہ تمام وجوہات آج میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ امید ہے انہیں

پڑھ کر آپ کو میرے بابا کی مجبوری ضرور سمجھ میں آ گئی۔" پھر نیلما نے اپنے بابا کے کراچی آنے، اپنی امی سے شادی ہونے، تین چچاؤں کے اپنے بابا سے سلوک، ان کی بیٹیوں کو جائیداد میں حصہ دار نہ سمجھنے کی سوچ، اپنے بابا کی بیماری، بیماری کے موقع پر کسی اپنے کا کام نہ آنا۔ غضنفر انکل کے ادھار اور پھر ادھار کی واپسی سے انکار تک کے سارے حالات مفصل لکھ دیے تھے۔

"میرے بابا کا آدھی جائداد آپ کے نام کرنا اور میرے ساتھ شادی کی شرط میں باندھنا بظاہر بہت عجیب تاثر دیتے ہیں لیکن اس وصیت کا مطلب آپ کو لالچی یا مطلبی سمجھنا نہیں تھا بلکہ وہ اپنی بیٹی اور اپنی جائیداد ایک بھروسے مند آدمی کے حوالے کر کے ان دونوں کو دنیا کے برے ارادوں اور ان کی بری نظر سے محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ شاید ان کا طریقہ غلط ہو سکتا ہے لیکن ان کی نیت آپ کے معاملے میں بہت صاف تھی۔ مزید انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مبین، نیلما سے کسی وجہ سے شادی نہ کر پائے تو جائیداد اسی کے نام ہی رہنے دی جائے اور پھر یہ اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نیلما کے لیے کوئی اپنے جیسا اچھا رشتہ ڈھونڈ کر اس کی شادی کروا دے۔ یہ بات وصیت نامے میں شامل نہیں ہے لیکن انہوں نے میری امی اور وکیل صاحب سے کہی ضرور تھی اور یہی بات میری امی آپ سے مل کر کہنا چاہتی تھیں کہ خود کو کسی ان چاہی شرط میں بندھا تصور مت کریں۔ آپ اپنی مرضی کرنے میں اب بھی مختار ہیں اور آخر میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ میرا مقدر ہی اچھا نہیں ہے۔ میرا اللہ جانتا ہے کہ میں نے اپنی سچائی آپ کو بتانے کے لیے دو دن بعد کا انتخاب کیا تھا۔ یہ حقیقت میں آپ کو بتانے ہی والی تھی لیکن بری تقدیر میرے آڑے آ گئی۔ آپ سے اب تک کی ہر غلطی، ہر کوتاہی پر تہہ دل سے معافی چاہتی ہوں۔ جنہیں ہم چاہتے ہیں ان کا دل کبھی دکھانا نہیں چاہتے لیکن اگر [illegible]

باقی رہ جاتا ہے۔ ایک بار پھر معافی کی خواستگار ہوں اس درخواست کے ساتھ کہ زندگی میں جب بھی میرا خیال آئے، میرے بارے میں غلط بھی نہیں سوچیں گے اور اس خواہش کو میری درخواست ہی سمجھیے گا۔ پہلے ہی میرے بابا کی خواہش آپ پر غلط تاثر چھوڑ چکی ہے۔ میں نہیں چاہتی اس میں کسی اضافے کا باعث بنوں۔ اللہ حافظ۔ ہمیشہ خوش رہیں۔ زندگی کا ہر سکھ اللہ پاک نے آپ کے نصیب میں لکھ دے، آمین۔"

......☆☆......

"کچھ کام کر رہی ہیں آپ؟" وہ امی کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونک کر پلٹیں۔

"ارے...... تم آ گئے۔" انہوں نے ہاتھ جھاڑے۔

"ہاں بس یہ سردیوں کے کپڑے نکال رہی تھی، کچھ ضرورت مندوں کو دینے کے لیے، باقی دھلوانا کے لیے۔" وہ اسٹور روم سے باہر نکل آ گئیں۔

"کھانا نکالوں؟"

"جی بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے پرجوش انداز میں کہا تو جبین نے تعجب سے بیٹے کو دیکھا۔ مبین کا ایسا انداز تو کافی دن ہو گئے دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ کھانا بھی آج کل وہ بہت کم کھاتا تھا۔ وہ اس کے لیے کھانا لائیں تو مبین نے انہیں بھی وہیں بٹھا لیا تھا۔

"آج شام آپ فارغ ہیں؟" اس نے کھانا کھانے کے بعد برتن بھی خود سمیٹے اور دوبارہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں...... بالکل فارغ ہوں، میں نے کہاں جانا ہوتا ہے۔"

"او کے...... تو آج میرے ساتھ چلیں۔" وہ مسکرایا۔

"تمہارے ساتھ...... کہاں؟" وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

[illegible]

"اچھا......!" وہ بڑی خوشگواری حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تو آخر تم نے انہیں سننے کا فیصلہ کر ہی لیا۔"

"جی نہیں، کسی کو سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اوہ......" جبین کو یک لخت مایوسی نے گھیرا۔ مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ تو بلاوجہ ہی خوش ہو گئی تھیں۔ مبین نے لب دبا کر کچھ دیر ماں کو دیکھا پھر آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔

"کچھ سننے سنانے کی ضرورت باقی نہیں رہی امی۔ مجھے نیلما کا رشتہ منظور ہے۔"

"ہیں......! واقعی؟" وہ آنکھیں پھاڑے مبین کو دیکھنے لگیں۔ "سچ کہہ رہے ہو...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"جی بالکل سچ اور اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ جب رشتے کر جاتے ہیں تو اس کے لیے کیا تیاری کرنی ہوتی ہے۔"

"بس مٹھائی، پھل وغیرہ۔" انہوں نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔

"تو میں جاؤں، مٹھائیاں وغیرہ لینے؟" وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں ضرور جاؤ لیکن میں پہلے ان کو بتا تو دوں۔"

"نا...... نا...... نا۔" وہ فوراً پلٹا۔ "بالکل کچھ نہیں بتانا، یہ سرپرائز ہوگا ان سب کے لیے۔"

"اچھا لیکن......"

"بس...... آپ فی الحال میری بات مان لیں، وجہ میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا۔"

"اچھا...... اچھا ٹھیک ہے۔" وہ ہنس دیں۔

"کسی کو کچھ نہیں بتاتی، تم مٹھائی وغیرہ لے آؤ۔ میں کپڑے تیار کرتی ہوں۔"

"او کے۔" وہ خوشی سے سیلوٹ کرتا باہر نکل گیا اور جبین بیٹے کو اتنے دنوں بعد خوش دیکھ کر اندر تک نہال [illegible]

......☆☆......

"ارے جبین بھابی آپ۔" عارفہ نے بے یقینی سے دروازے کی طرف دیکھا۔ جبین بھابی مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو رہی تھیں۔ عارفہ دوپٹہ سر پر درست کرتی پرجوش سی آگے بڑھیں۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں عارفہ؟"

"وعلیکم السلام بھابی، میں بالکل ٹھیک، اندر آ جائیں۔"

"وہ...... میرے ساتھ مبین بھی ہے۔" انہوں نے اشارہ باہر کی طرف کیا تو عارفہ نے اندر ہی اندر بہت خوشی محسوس کی۔

"ارے تو باہر کیوں کھڑا ہے، اندر بلا لیں، اپنا ہی گھر ہے۔" وہ ڈیوڑھی تک خود ہی آگے بڑھ گئیں اور چھوٹا گیٹ کھول کر مبین کو آواز دے کر اندر بلایا۔ دونوں کو اپنی معیت میں ڈرائنگ روم تک لائیں۔ مبین نے مٹھائی وغیرہ فی الحال کار میں ہی رہنے دیے تھے۔ اس کی دلی کیفیت اندر داخل ہوتے ہی بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔ نیلما کے تصور سے بڑا خوش کن احساس ایک دم اضطراب اور بے کلی بن کر اترا تھا۔ عارفہ آنٹی ان دونوں کو بٹھا کر خود بھی وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

"معذرت چاہتی ہوں عارفہ بھابی آنے میں بہت وقت لگا دیا۔ دراصل مبین کی مصروفیت ہی کچھ ایسی ہے، اکیڈمی کے بچوں کے امتحان ہو رہے تھے۔"

"کوئی بات نہیں بھابی، بس میں اس بات سے فکر مند تھی کہ جانے مبین نے اس بارے میں کیا سوچا ہو۔ نیلما کے بابا اپنے آخری دنوں میں ذہنی طور پر اتنے ڈسٹرب تھے کہ معاملات کو قابو میں لانا ان کو تقریباً ناممکن سا لگنے لگا تھا۔ وحید اعظم ہمارے خاندانی وکیل ہیں، بس انہی کے مشوروں پر عمل کرتے رہے۔ پھر جیسا وہ کہتا گیا۔" وہ آخر میں نہایت دھیمی آواز میں وضاحت دینے لگیں۔ "اس بات کا انہیں بھی علم تھا کہ مبین نے [illegible]

"میں سمجھ سکتا ہوں آنٹی اور مجھے افسوس ہے کہ انکل کے آخری لمحات میں، میں ان سے بہت دور رہا۔ بابا کے بعد یہ میرا فرض بنتا تھا کہ میں انکل کا خصوصی خیال رکھتا لیکن مجھے بہت شرمندگی ہے کہ وہ اپنے آخری وقت میں خود کو بہت اکیلا محسوس کرتے رہے۔"

"تم سے کیا شکوہ مبین بیٹا، جب خون کے رشتوں نے تنہا کر دیا تھا۔" وہ سر جھکائے جیسے اس وقت میں پہنچ گئی تھیں۔ مبین نے ایک نظر ماں کو دیکھا جس پر وہ فوراً ہی اٹھ کر عارفہ کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔

"بس بھول جاؤ پرانی باتیں، کسی کی اصلیت وقت پر سامنے آ جانا بھی اللہ کی بندے کے ساتھ بہت بڑی مدد ہوتی ہے۔ یہی بہت ہے کہ سب نے اپنا رنگ دکھا دیا۔ بھائی صاحب کو اپنی زندگی میں بہتر فیصلے کرنے کا وقت مل گیا اور اب آپ بھی پریشان نہ ہوں، کڑا وقت آپ کی دعاؤں سے ٹل چکا ہے۔ آج تو میں ہمارے بچوں کی خوشیوں کی درخواست لے کر یہاں آئی ہوں۔"

"جی.....؟" وہ خالی خالی نظروں سے جبین بھابی کو دیکھنے لگیں۔ انہیں تو ایسا لگا کہ بہرحال کسی طرح جبین بھابی بیٹے کو منا کر لے آنے میں کامیاب ہو گئیں اور اب انہیں مبین کو حسنین کی ان مجبوریوں کے متعلق بتانا ہے جس کی بنا پر انہوں نے ایک ایسا ناسمجھ آنے والا فیصلہ کیا تھا۔

"ہاں عارفہ..... ہمیں حسنین بھائی کی ہر شرط منظور ہے، نیلما ہی میرے گھر کی بہو بنے گی، ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہیں ناں بھابی۔" عارفہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"جی بالکل سچ اور یہ بتائیں کہ میری بیٹی کہاں ہے؟"

"ہاں وہ تو شاید چھت پر گئی تھی۔ میں نے ہی [illegible]"

"جاؤ مبین تم نیلما کو بلا لاؤ، کیوں بھابی اگر آپ کی اجازت ہو تو مبین.....؟" جبین نے اجازت طلب انداز میں عارفہ کو دیکھا تو اس نے ہنس کر سر ہلایا۔ ماں سے مبین نے ہی راستے میں کہا تھا کہ وہ نیلما سے اکیلے میں کچھ دیر بات کرنا چاہتا ہے اس لیے عارفہ آنٹی سے وہی اجازت دلوا دیں گی اور جبین نے سوچا سمجھا فوراً ہی مدعا ظاہر کر دیا اور عارفہ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ مبین وہاں ان کی بیٹی کا طلب گار بن کر آیا تھا۔ نیلما سے روبرو ملنے کی خواہش بالکل جائز اور موقع کی مناسبت سے تھی۔ مبین نے چھت پر جانے کا راستہ پوچھا اور سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گیا تھا۔

جنوری کی جاتی دھوپ میں اب چار بجے ہلکی سی خنکی محسوس ہونے لگی تھی۔ کھلی چھت پر چاروں طرف الگنی پر کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ سیڑھیوں کے دروازے میں رک کر اس نے رنگ برنگے کپڑوں کی قطاروں میں نیلما کو ڈھونڈا۔ پیلے کپڑوں میں پشت پر لمبی چوٹی اور گلے میں پیلا دوپٹا اوڑھے وہ بلاشبہ اس کی مہرو تھی۔ جو چاردیواری کے قریب کھڑی شاید غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہی تھی۔ مبین دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے اس کی پشت پر کھڑا ہوا اور ہلکے سے کھنکارا تو بھی نیلما کو کسی کی موجودگی نے چونکایا اس سے پہلے وہ بالکل بے خبر کھڑی تھی۔

"آ..... آپ.....!" وہ ہڑبڑا کر پلٹی تو ہرگز تصور میں کہیں نہیں تھا کہ سامنا مبین سے ہو سکتا ہے۔ آنکھوں میں ایک دم بے یقینی تھی۔ بہت دیر تک مزید کچھ بولا بھی نہیں گیا اور مبین بھی بس سنجیدہ صورت لیے اسے دیکھتا ہی رہا۔

"تم یہاں.....؟" اسے جیسے ہوش آیا۔

"جی امی نے بتایا کہ تم یہاں ہو۔" اب کے وہ ہلکا سا مسکرایا تو نیلما کی سوچ و بچار کا عمل شروع ہوا۔ سب سے پہلے دوپٹا سر پر درست کیا۔ [illegible] ہیں؟"

"امی کے ساتھ آیا ہوں۔"

"میں آنٹی سے مل آؤں۔" اس نے قدم بڑھائے لیکن مبین نے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

"ابھی میں آیا ہوں ناں تم سے ملنے تو رک جاؤ۔" اس نے بازو چھوڑ دیا اور وہ سر جھکا کر نیچے دیکھنے لگی۔ اب کیا بولے کیا کہے، مبین کا روبرو ہونا ایک ناقابل یقین احساس تھا۔ مبین نے اس کے جھکے سر اور اس کے چہرے کے نقوش کو دھیان سے دیکھا۔ بناوٹ سے اسے شدید نفرت تھی۔ نیلما کی سادگی اس کا نیچرل حسن آنکھوں کے سامنے تھا اور وہ دل ہی دل میں اللہ کی ذات کا شکر گزار ہو رہا تھا۔ وہ نازک جذبات و احساسات کی مالک، معصوم صورت لڑکی اس کی شریک سفر بننے جا رہی تھی۔ وہ کتنا خوش نصیب تھا۔

"کیا سمجھا تھا باقی کی زندگی خط و کتابت میں گزرے گی ہوں؟" وہ اسے دیکھ کر جتا رہا تو نیلما نے حیران ہو کر سر اٹھایا۔

"جی؟"

"بڑی پر اثر تحریریں لکھتی ہو۔ بندہ بجائے جواب دینے کے خود کھنچا چلا آتا ہے۔" اس نے وضاحت کی تو اس بار نیلما بھی ہنس دی۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے۔"

"بہت دعائیں مانگی تھیں ناں؟" وہ اس کی جانب جھک کر پوچھ رہا تھا۔ نیلما نے جھکے سر کو مسکراتے ہوئے اثبات میں ہلایا۔

"خوش ہو؟" مبین نے پوچھا۔

"آپ خفا تو نہیں ہیں اب؟" اس نے آگے سے اسی تشویش بھرے انداز میں پوچھا تو مبین کو خیال آیا کہ یہ بات تو ابھی صرف عارفہ آنٹی کو پتا تھی کہ انہوں نے نیلما کا رشتہ قبول کر لیا ہے۔ وہ پاگل لڑکی تو بالکل ہی انجان تھی۔

"ہاں..... ہوں خفا۔" اس نے چہرا سنجیدہ کیا تو نیلما [illegible]

"بھئی..... وضاحت دینے اور غلط فہمیاں دور کرنے میں اتنی دیر کیوں کر دی، یہ تحریر اگلے دن نہیں بھیج سکتی تھیں۔ پورا ایک ہفتہ مجھے ڈپریشن میں جلا رکھا۔"

"سوری..... وہ پہلے مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔"

"تمہیں ناں بہت کچھ سکھانا پڑے گا۔" اس نے مدبر سے سر ہلایا اور وہ پشیمانی سے سر جھکائے کھڑی ہی رہی۔ جیسے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔

"چائے بھی مجھے خود بتانی پڑے گی کیا؟"

"نن..... نہیں..... نہیں..... وہ میں جا رہی ہوں۔" وہ مزید بوکھلائی۔ مبین نے پھر ہنس کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

"تم نہیں میری جان، ہم دونوں جا رہے ہیں، تم اپنی ہونے والی ساس سے ملو گی اور مجھے ابھی سب کا منہ میٹھا کرانا ہے۔"

"جی.....؟" وہ ایک بار پھر حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔

"ہاں نیلما۔" مبین نے اس بار شانوں سے تھام کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"تمہارے خلوص، انکل کی محبت، میرے ٹوٹے دل۔ آج سب کی جیت ہوئی ہے۔ مجھے اپنی نیلما کا ساتھ تمام عمر کے لیے قبول ہے، کہو تمہیں قبول ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ شرما کر ہنس دی۔ وہ اس کے دل کی مراد آج اس کا طلب گار بن کر آیا تھا تو چاند تارے جیسے اس کی چھت پر اتر آئے تھے۔

### قسط نمبر آٹھ

ام ایمان قاضی

> اک نام کی اڑتی خوشبو اک خواب سفر میں رہتا ہے
> اک بستی آنکھیں ملتی ہے اک شہر نظر میں رہتا ہے
> پانی میں روز بہاتا ہے اک شخص دیئے امیدوں کے
> اور اگلے دن تک پھر ان کے ہمراہ بھنور میں رہتا ہے

"ارشد سے رشتہ؟ کون ہے ارشد، او مائی گاڈ ارشد؟ تمہارا کزن، اس سے تمہارا رشتہ کردیا۔" جیا کھڑی ہوئی اور اس کی آواز بھی اونچی ہوگئی تھی۔ زریں تو جیا کا انداز دیکھ کر سہم گئی تھی۔ کچھ لمحے اس کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سر جھکالیا تھا۔ جیا کو اس کا انداز دیکھ کر پہلے سے بھی زیادہ غصہ آیا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ وہ چکنی چپڑی باتیں تمہاری تائی نے کی ہوں گی تمہارے سامنے، دو چار مظلومیت کے قصے اس ارشد نے سنائے ہوں گے تم اس وقت بھی ایسے ہی سر جھکا کر بیٹھ گئی ہوگی جیسے اب بیٹھی ہو۔" وہ ٹہلتے ہوئے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر بولی پھر زریں کے قریب آکر ٹھہرتے بولی۔

"ایسے ہی حالات رہے تو زریں بی بی کو جب ایسے ہی گپ شپ کے لیے بلاؤں گی وہ بتائے گی جیا میم اگلی میری شادی ہوگئی ارشد کے ساتھ۔ جیا میم کی ساری نصیحتیں زندگی گزارنے کے سارے گر اور اپنا حق وصول کرنے کے سارے طریقے چلے جائیں گے بھاڑ میں۔ مجھے بتاؤ..... ابھی کے ابھی بتاؤ کیا دھمکی دی تمہاری تائی نے تمہیں اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے، میں بتا رہی ہوں کہ میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔" جیا نے جارحانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کا بازو جھنجھوڑا۔ زریں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب یہ کیا ہے؟" جیا جھنجھلائی۔

"تائی نے کوئی دھمکی نہیں دی جیا میم۔"

"پھر مارا پیٹا تمہیں؟" وہ پھر غصے میں آئی اور زریں کا ایک بار پھر نفی میں ہلتا سر دیکھ کر اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"پھر تم کیوں اور کیسے مان گئیں اس احمقانہ اور بے جوڑ رشتے کے لیے؟"

"نہ ماننے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں تھی جیا میم؟" زریں بے چارگی سے بولی۔

"کیا؟"



"تمہیں ارشد کے رشتے میں کوئی برائی نظر نہیں آئی؟" جیا شدید ترین حیرت کے زیر اثر تھی۔ زریں نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔

"او مائی گاڈ..... یہ میں کن بے وقوفوں پر اپنا وقت ضائع کررہی ہوں۔" جیا نے بڑبڑا کر اپنا سیل فون ادھر ادھر ہاتھ مار کر برآمد کیا۔

"ہاں تیمور کدھر ہو؟" اس کی بات پر زریں نے اس کو چونک کر دیکھا۔

"پارلر ہی آجاؤ۔ سٹنگ روم میں، زریں ادھر ہی ہے۔ ضروری بات کرنی ہے۔" جیا کی باتیں سن کر زریں طویل سانس لے کر رہ گئی۔

☆.....❁.....☆

"میں نے اس نمبر پر کال کی تھی جو انہوں نے ایڈمیشن فارم پر لکھوایا ہوا ہے۔ وہ نمبر اس کی سسٹر دعا کا تھا جو ڈاکٹر ہیں، ان سے بات ہوئی ہے، بتا رہی تھیں کہ حیا پورا ہفتہ بیمار رہی ہے۔ اب بہتر تو ہے اس کی کنڈیشن لیکن پھر بھی وہ چاہ رہی تھیں کہ وہ تین چار دن مزید آرام کرلے، کہہ رہی تھیں کہ نیکسٹ ویک تک حیا کو اکیڈمی بھیج دیں گی۔ اس لیے اب حیا کی طرف سے تسلی رکھو اور پھر اپنا خیال کرو اور کلاسز پر دھیان دو۔ حیا جب سے نہیں آرہی میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارا فوکس ہی نہیں ہے کسی طرف۔ ذاتی پریشانیاں ہر انسان کے ساتھ ہیں مگر انہیں اپنے پروفیشن پر حاوی کرنا اپنے ساتھ بھی بددیانتی ہے اور اپنے پیشے کے ساتھ بھی۔" حرا آپی نے تفصیلی بات بتائی۔

"جی آپی..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" مومن کا انداز اب بھی بجھا بجھا سا تھا۔ جب سے حیا کے سیکچز پڑھے تھے، ہر چیز پر وہی فقرے حاوی ہوگئے تھے، باقی سب کچھ جیسے پس منظر میں چلا گیا تھا۔

"ویسے مومن میں سوچ رہی تھی کہ پروردگار نے سلیم ماموں کو تمہارے اور حیا کے ملنے کا وسیلہ بنا دیا۔ بہت اچھا ہوا۔" حرا آپی کی بات نے مومن کو دوبارہ خیالات کی دنیا سے باہر نکالا تھا۔

"لیکن......" حرا آپی کے انداز میں الجھن سی تھی۔ "مومن آگے کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟"

"آگے کا لائحہ عمل...... مطلب آپی؟"

"مطلب یہ مومن کہ اماں کی جو بیماری ہے وہ دو دن ٹھیک ہوتی ہیں تو بیس دن کے لیے ان کو بستر کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ میں اپنے گھر اور اکیڈمی کو ایک ساتھ مینیج کرنے میں ہی بری طرح مصروف ہوں ایسے میں اپنا میکہ چند قدم پر ہونے کے باوجود وہاں نہ تو ہر روز جا سکتی ہوں نہ ہی کسی کام میں مدد کر سکتی ہوں۔ تمہاری جلد شادی کا مقصد ہی یہی تھا کہ اماں کو دوسرا ساتھ بھی مل جائے گا اور میں بھی میکے کے ان مسائل کی طرف سے بے فکری ہو جاؤں گی مگر تمہارے نکاح کو ڈس کلوز کرنا پھر رخصتی تک کے سارے مراحل کب اور کیسے ہوں گے یہ سب؟" حرا کے انداز میں اب الجھن کے ساتھ پریشانی بھی تھی، مومن طویل سانس لے کر رہ گیا، کیا کہتا کہ رخصتی تک کے مراحل تو بہت دور کی بات تھی۔ ابھی تو حیا اپنی نکاح کو ہی ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"کس سوچ میں پڑ گئے مومن؟" حرا آپی کے پکارنے پر وہ چونکا۔

"پتا نہیں آپی...... سچ پوچھیں تو میں نے ابھی اس معاملے میں اتنا آگے تک سوچا ہی نہیں۔ اب آپ نے دھیان دلایا ہے تو خیال آیا کہ ہاں نکاح ہو گیا ہے تو رخصتی بھی تو جلد یا بدیر ہونی ہے لیکن لائحہ عمل کیا ہو؟ یہ سب سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا کہ نہ تو یہ نکاح عام نکاحوں کے جیسا ہے نہ ہی رخصتی مجھے عام نظر آ رہی ہے۔" وہ سوچ کر بولا۔ حرا بھی پرسوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆......❁......☆

"دیکھو تیمور زریں میرے پاس کام ضرور کرتی ہے مگر یقین کرو اس کے لیے میرے دل میں اپنی بہنوں جیسی جگہ ہے۔ آج اس کے رشتہ کے طے ہونے کا سن کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اگر جو یہ نارمل حالات میں ہوا ہوتا یا کم از کم نارمل انسان سے ہی ہوا ہوتا۔ میرے لیے حیرت سے مر جانے کا مقام ہے تیمور کہ یہ بے وقوف لڑکی اس رشتے پر راضی ہے کہ اس کو اس رشتہ میں کوئی خرابی ہی نہیں نظر آ رہی۔ تم بتاؤ تم بھائی ہو اس کے سرپرست بھی اور ماں باپ کی جگہ بھی، کیا تمہیں بطور سرپرست یہ رشتہ منظور ہے؟" وہ تیمور کو سامنے بٹھائے قدرے غصے سے اور ناگواری سے پوچھ رہی تھی۔ تیمور نے بولنے سے پہلے تھوک نگلا پھر چند پل بعد خود کو بولنے کے لیے آمادہ کیا۔

"میم...... یہ سب باتیں میرے ذہن میں بھی آئی تھیں لیکن......" وہ کہتے ہوئے رکا۔

"لیکن......" صفا کے ماتھے پر بل پڑے۔

"لیکن بابا، تائی نے بھی کہا اور خود زریں نے بھی کہ اسے کوئی اعتراض نہیں...... مجھے تایا کی بات پر یقین نہیں آیا تو میں نے زریں سے پوچھا تو اس نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ تایا کو جو کچھ بتا چکی ہے وہی ٹھیک ہے۔" تیمور نے آہستہ سے اور دیر سے سوچ سوچ کر اتنی لمبی بات کی مگر ہکلایا نہیں تھا یہ اور بات تھی کہ صفا آج اس بات کی طرف دھیان نہیں دے رہی تھی۔

"اچھا ایک مہربانی کرو تم دونوں۔" صفا نے سوچتے ہوئے کہا اور دونوں کو بغور دیکھا۔

"ٹھیک ہے اگر زریں راضی ہے تو پلیز ابھی کچھ دن نکاح یا شادی کو روک کے رکھنا کم از کم چھ ماہ۔" تیمور اور زریں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"تم دونوں کے راضی ہونے کا سن کر بھی میری چھٹی حس کچھ عجیب سا اشارہ کر رہی ہے اور میں اپنی اس حس کو سخت ناپسند کرتی ہوں جو مجھے جس قسم کا بھی اشارہ دیتی ہے وہ کچھ بھی غلط نہیں ہوتا، اچھا ہو یا برا۔ مجھے اندازہ ہو جاتا ہے۔ مجھے نہ جانے کیوں زریں کے رشتے کی خبر سن کر اچھی وائبز نہیں آ رہی ہیں۔" وہ الجھی ہوئی سی بولی۔ تیمور دم بخود اسے دیکھ رہا تھا جب کہ زریں نے نہ جانے کیوں سر جھکا لیا تھا۔

"ہو سکتا ہے میں خود غرض بن کر سوچ رہی ہوں لیکن پلیز اسے میری درخواست سمجھو۔"

"میم......" اس نے التجائیہ انداز پر تیمور کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"آپ...... آپ جیسے کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔ میں...... میں کوئی نہ کوئی ایکسکیوز کر لوں گا تائی سے۔" تیمور نے پہلے کی طرح ایک ایک لفظ پر زور دے کر بات مکمل کی۔

"ٹھیک ہے...... تیمور، زریں! تمہیں نہیں لگتا کہ اتنی منفرد معذرت کے بعد مجھے تمہارے ہاتھ کی کافی کی ضرورت ہو سکتی ہے بلکہ تیمور کے لیے بھی بنا لو اگر یہ پینا چاہے تو۔" صفا بہت دیر بعد ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"جی میم...... ٹھیک ہے۔" وہ ہلکے سے مسکرا کر بولا۔

"ارے...... میں نے تو نوٹ ہی نہیں کیا کہ تم نے بالکل ٹھیک ٹھیک بات کی، رکے یا ہکلائے بغیر۔ واؤ ایکسیلنٹ پروگریس۔ ایسا کرو یہ جو ابھی تم بتا رہے تھے تائی سے ایکسکیوز والی بات کو پھر سے بول کر دکھاؤ۔ کمال ہے میں بھی کیسی پاگل ہوں، اتنا اچھا موقع مس کر دیا حالانکہ میں ویٹ کر رہی تھی کہ پتا نہیں کب تیمور پوری طرح سے بات کر پائے گا اور کتنا اچھا لگے گا۔ وہ پوری بات مکمل طور پر ادا کرتا ہوا۔" وہ خوش ہو کر تیز تیز بول رہی تھی۔ تیمور نجانے کیوں اپنی اس قدر اہمیت اور تعریف پر سرخ ہو گیا تھا۔

"بھئی ایک تو اس دور میں بھی تم اتنے معصوم اور سادہ ہو کہ جو کچھ تمہارے اندر ہو رہا ہے اسی سوچ کا عکس تمہارے چہرے پر ویسے کا ویسا نظر آتا ہے۔"

"مم...... میم۔" تیمور بیچارے کا تو جینا دوبھر کر رہی تھی وہ لڑکی اس پل۔

"وہ...... میں کہہ رہا تھا کہ آج کی جو ڈلیوری......" وہ بات بدلنے کے لیے ایک دوسری بات شروع کر چکا تھا مگر صفا کو دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھام کر خود کو بغور دیکھتے پا کر ایک دم چپ ہو گیا۔ صفا اس کی کیفیت سمجھ کر مسکرا دی تھی۔

☆......❁......☆

ریان کے دوبارہ آفس جوائن کرنے کے بعد وہ آج آفس آئی تھی۔ ہاں کال وہ روزانہ کر لیتی تھی۔ اسے گلاس ڈور کھول کر اندر آتے ہوئے وہ بے ساختہ رکی تھی۔ دماغ میں آگ کا اک شعلہ بھڑکا تھا جیسے ہی اس نے دیکھا کہ وہ دونوں اپنی اپنی ٹیبل پر اپنے کام میں مصروف تھے۔ شفا کسی کاغذ پر بلیک پینسل سے کچھ بنانے میں مصروف تھی جب کہ ریان لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا مگر ایک ان دیکھا تار عائشہ کو ان کے درمیان فوراً محسوس ہو گیا تھا جس کے دونوں سروں سے وہ بندھے ہوئے اسے صاف صاف نظر آ رہے تھے۔ ریان کے چہرے اور انداز میں اس وقت جو سکون تھا اس نے عائشہ کو بے چین کر دیا تھا۔

"آ جاؤ عائشہ...... وہاں کیوں کھڑی ہو؟" ریان کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی وہ مسکرا کر بولا۔

"گڈ مارننگ۔" شفا نے بھی ہلکا سا مسکرا کر کہا۔

"میں اصل میں سوچ رہی تھی کہ اندر آجاؤں یا واپس چلی جاؤں۔" عائشہ نے بیگ گلاس ٹیبل پر رکھا اور مقصدا مسکرا کر بولی۔

"واپس کیوں بھئی، یہاں تک آ گئی ہو تو اندر بھی آ جانا چاہیے ناں۔ بیٹھو اور بتاؤ کیا کھاؤ، پیو گی؟ ابھی تھوڑی دیر میں ٹی بریک بھی ہونے والا ہے، بیٹھو پھر اکٹھی ہی چائے پیتے ہیں۔" اس دن کے برعکس ریان کا موڈ آج خوش گوار تھا۔

"ضرور پیتے ہیں لیکن صرف میں اور تم نہیں شفا بھی ہمیں جوائن کریں گی، کیوں شفا؟" اس کی اس آفر اور خوشگوار مسکراہٹ پر ریان اور شفا دونوں چونک گئے تھے۔

"تھینک یو بٹ......؟"

"چھوڑو بھئی یہ فارمل ایکسکیوز، آ جاؤ۔ ویسے بھی بریک ہے اب۔" اس کے دوستانہ اصرار پر شفا کو اپنی کرسی چھوڑ کر ان کی طرف آنا پڑا، جب کہ ریان قدرے الجھے ہوئے انداز میں عائشہ کو دیکھ رہا تھا۔ شفا کے ساتھ کام کرتے اس نے کچھ دن پہلے جو شدید ردعمل دیا تھا اس کے بعد عائشہ کا یہ رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا وہ بھی اس صورت میں جب وہ عائشہ کی فطرت کو اچھی طرح سے جانتا تھا۔

"شفا...... بہت خوب صورت نام ہے بالکل آپ کی پرسنالٹی سے سوٹ کرتا ہوا۔" عائشہ کی تعریف پر شفا تو صرف مسکرائی جبکہ ریان بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا۔ عائشہ کو کب عادت تھی اپنے علاوہ کسی کی تعریف کرنے یا سننے کی۔

"اور شفا...... کون کون ہوتا ہے آپ کے گھر میں؟" عائشہ کے اگلے سوال پر ریان اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا، لڑکیوں والی مخصوص باتیں بڑے زور و شور سے شروع ہو چکی تھی۔

☆......❁......☆

کلاس میں آتے ہی وہ ساکت رہ گیا تھا۔ وہ اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھی۔ کمزور اور گم صم سی، اردگرد کے ماحول سے بے نیاز اپنے بیگ کے اسٹریپ کی طرف پوری طرح متوجہ۔ مومن کے لیے پوری دنیا اس وقت گویا حیا سلیم احمد بن گئی تھی۔ دفعتاً کسی اسٹوڈنٹ کی آواز پر اسے حال میں لوٹنا پڑا۔ اللہ اللہ کر کے مومن نے وہ چالیس منٹ گزارے تھے۔

"حیا...... آپ اتنے دن بغیر بتائے ایبسنٹ رہیں، نہ آپ کا کوئی رابطہ نمبر، نہ ہی کوئی ایپلیکیشن خیریت کہاں گم تھیں؟ اور آپ کو نہیں پتا کہ آپ کو اپنی غیر حاضری کی صورت میں کوئی وجہ بتانی چاہیے وہ بھی اس صورت میں جب امتحان بالکل سر پر ہیں۔"

"جی سر...... سوری سر...... مجھے انفارم کرنا چاہیے تھا۔" اس نے اسے دیکھے بغیر ہی سپاٹ لہجے میں کہا۔

"او کے آپ پانچ منٹ کے لیے آفس آئیں۔ مجھے آپ کے گھر کا کوئی کونٹیکٹ نمبر چاہیے اور سلیبس کے بارے میں بھی بات کرنی ہے۔" اپنے نوٹس اٹھاتے مومن نے پروفیشنل لہجے میں کہا اور کلاس چھوڑ دی۔ یہ اور بات تھی کہ آفس میں آ کر آرام سے بیٹھ نہیں سکا تھا۔ اسے بے چینی اور حیا کا انتظار تھا۔ بالآخر پانچ سے سات منٹ کے وقفے کے بعد اس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی۔ مومن کو لگا جیسے آج اسے نئی زندگی ملی ہو کہ نکاح کے بعد اس کا مسلسل منظر سے غائب ہو جانا پھر موبائل پر بھی رابطہ ختم کر دینا اور اس کے بعد اس کا اختلافی مطالبہ جس

[illegible]

"یہ سب کیا ہے حیا؟" اس کے کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد مومن نے بغور اس کے جھکے سر کو دیکھا اور انتہائی نرم لہجے میں دریافت کیا۔ اس کا سوال تھا یا نرم لہجہ کہ حیا کی آنکھیں یک بارگی آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور چند ہی لمحوں میں وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔ مومن کو اس کے اس طرح رونے سے بہت تکلیف ہو رہی تھی، دوسرے آفس میں کسی بھی وقت کوئی بھی ٹیچر یا اسٹوڈنٹ آ سکتا تھا اور حیا کے اس طرح سے رونے سے دونوں کی حیثیت مشکوک ہو سکتی تھی۔

"حیا...... تم جانتی ہو ناں میں تمہیں روتے نہیں دیکھ سکتا۔ جانتی ہو پھر بھی۔" مومن کے انداز میں کچھ ایسی بے بسی تھی کہ حیا نے فوراً ہی اپنے آنسو پونچھ لیے تھے۔ مومن نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ حیا نے گلاس اس کے ہاتھوں سے لے کر دو گھونٹ پیے اور گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔

"سر......" کچھ لمحے بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہو پائی تھی۔

"اب بھی سر؟" مومن کے انداز میں حیرت تھی۔

"اتنے مشقت میں نے اس لیے نہیں اٹھائی کہ میں تمہارے منہ سے سر سنوں۔ مومن کہو بھئی مومن۔" حیا کے چپ ہوتے ہی مومن اپنے رنگ میں واپس آنے لگا تھا۔

"آپ کی اس مشقت اٹھانے نے میرا سر جھکا دیا سر، مجھے میری ماں کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"آپ کو پاک پروردگار کا واسطہ مجھے اس رشتے سے آزاد کر دیں، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی، میں اس اذیت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی۔ یقین کریں میں اپنی ماں کے ساتھ ہونے والے دھوکے کا سوچتی ہوں، میری سانسیں رک رک کر چلنے لگتی ہیں۔" وہ واقعی بے بسی اور خوف کی انتہا پر تھی۔ مومن نے بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تمہارے نزدیک یہ نکاح اتنا کمزور ہو گا حیا کہ تم پل بھر میں اسے جوڑ کر اگلے ہی پل اسے توڑنے کی بات کرو گی؟" وہ ایک پل کو چپ ہوا۔ "لیکن میرے نزدیک یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ ہے حیا۔" وہ میز پر دونوں کہنیاں ٹکائے ہوا قدرے آگے جھکا تھا۔

"اس نکاح کا جڑے رہنا، قائم رہنا میرے لیے میری زندگی ہے اور اسے توڑنا میری موت۔" اس کے انداز میں ایسی سنجیدگی تھی کہ حیا کا دل تڑپ کر رہ گیا۔

"سر......" اس کی زبان سے بے آواز نکلا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں حیا...... اگر میری موت برداشت کر سکتی ہو تو میں وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں جو تم کہہ رہی ہو ورنہ آئندہ میرے سامنے یہ بات اپنے منہ سے مت نکالنا۔" کہہ کر وہ رکا نہیں دفتر سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆......❁......☆

"چھ ماہ بعد......" تائی کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ناگواری بھی تھی۔

"سن رہے ہیں آپ بھتیجے کی باتیں۔ پتا تو چلے کہ بہن کی شادی کے لیے اسے چھ ماہ کیوں چاہئیں، کیا اس نے بہن کا جہیز بنانا ہے، زیور بنوانے ہیں یا شادی کے خرچ کے لیے رقم اکٹھی کرنی ہے؟ جب یہ سب کچھ بھی ہم دیکھ

[illegible]

دن کی دیر بھی نہیں چاہتا، یہاں وہ مولوی چھ ماہ کا عرصہ مانگ رہا ہے۔" تائی بولنے پر آئیں تو بولتی ہی چلی گئیں۔ کل ہی تو تیمور نے گھر آنے پر اپنے تایا کے سامنے زریں کی شادی کی بھی شرط رکھی تھی کہ اسے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں مگر وہ ابھی بہن کی شادی کے حق میں نہیں ہے کم از کم چھ ماہ تک۔ تایا امتیاز کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس کی بات مان لی تھی مگر جیسے ہی انہوں نے تائی کو تیمور کا یہ تقاضا پہنچایا وہ تو جیسے سے ہی اکھڑ گئی تھیں اور تایا امتیاز کو خوب سنا ڈالی تھیں۔

"او نیک بخت دن گزرتے دیر تھوڑی لگتی ہے۔ ابھی کل کی ہی بات تھی کہ تینوں بچے اس آنگن میں ہمارے سامنے کھیلتے کودتے تھے۔ آج دیکھو پتا بھی نہیں چلا اور ہمارے کندھوں سے بھی اوپر ہو گئے اور ہم ان کی شادیوں کا سوچ رہے ہیں۔ ویسے بھی میرے پاس اتنا جمع جتھا نہیں رکھا جس سے میں بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کر سکوں۔ جب تک ہم دونوں بھی شادی کی مد میں کچھ جمع کر لیں گے۔ زیور وغیرہ بننے میں بھی ایک آدھ ماہ لگ جائے گا۔ چھ ماہ کیسے گزر جائیں گے پتا بھی نہیں چلے گا۔" تایا امتیاز نے تائی کی نسبت تحمل سے بات کی تھی۔

"آپ جو بھی کریں، مجھے نجانے کیوں تیمور کی یہ بات کھٹک رہی ہے۔ شادی چھ ماہ بعد سہی نکاح تو میں آج کل میں ہی کر دوں گی۔ وہ لڑکا آج چھ ماہ کی مہلت مانگ رہا ہے چھ ماہ میں لڑکی کو بہکا ڈالے تو میں کیا کروں گی اور کیا جواب دوں گی اپنے ارشد کو۔" تائی اپنی بات پر ہی اڑی ہوئی تھیں۔

"اور اس کی بات اگر نہ مانی تو وہ تو بہن کو اب بھی بہکا سکتا ہے تب کیا کرو گی تم۔ ارے بے وقوف عورت جو کام پیار اور نرمی سے ہو سکتا ہے اس کے لیے خوامخواہ کی برائی مول کیوں لینا۔ بس تم ذرا اپنی سختی پر ہاتھ ہولا رکھو، اس وقت زریں کو جو چیز ہمارے حق پر قائم رکھ سکتی ہے وہ ہمارا پیار ہے۔ باقی میں ضمانت دیتا ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہونے والا جیسا تم سوچ رہی ہو۔ ہاں ارشد کو ذرا اپنے طریقے سے سمجھا دو کہ وہ بھی بچی سے ذرا نرمی سے پیش آیا کرے۔" تایا نے اپنے مخصوص انداز میں سمجھایا اور تائی کو سمجھ آئی یا نہیں مگر اس بار وہ ماتھے پر شکنیں لیے خاموش بیٹھی رہی تھی۔

☆.....❀.....☆

"بس بھئی بہت ہو گئی یہ یاری، دوستی اور بہت کر لیا ہم نے لحاظ تمہارا۔ اب یا تو پیسے لے کر آ دو یا پھر ہم اپنے طریقے کا استعمال کریں گے تو یہ مت کہنا کہ پرانی یاری کا بھی لحاظ نہیں کیا۔" اکرم نے بدلحاظی کی انتہا کر دی تھی، حالانکہ وہ عمر میں سلیم سے بہت چھوٹا تھا اور ان کے گروپ میں ابھی دو سال پہلے ہی شامل ہوا تھا مگر کھاتے پیتے گھر سے تھا تو جوئے میں سب سے زیادہ رقم وہی لگاتا اور جیت بھی جایا کرتا تھا۔ جیب کا اور دل کا کھلا تھا، یاروں دوستوں کو خوب کھلاتا پلاتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ سلیم گزشتہ دو سال سے اس کا مقروض ہی چلا آ رہا تھا کہ سلیم کا پچھلا لاکھوں کا قرضہ بھی اکرم نے ہی اتارا تھا۔ تب اس کے پاس دولت کی ریل پیل تھی جسے اس نے آہستہ آہستہ جوئے میں گنوا دی تھی۔ اب جب پیسے کی تنگی ہوئی تھی تو پرانے قرضے بھی یاد آنے لگے تھے اور وہ کھلانا پلانا بھی جو اس نے یاروں دوستوں پر فیاضی کے دور میں کیا تھا۔ اکثر دوستوں پر اس کا ہزاروں میں قرضہ تھا، گروپ میں واحد سلیم احمد تھا جو اکرم کا چھ لاکھ کا مقروض تھا، باقی سے قرضہ وصول کرتے کرتے آخر اکرم کو جب ضرورت پڑی تو اس نے سلیم کی گردن پکڑ لی تھی۔ سلیم کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ لاکھوں کہاں سے لاتا اور اب تو یاروں کی محفل جب گرم ہوتی تو وہ محفل کا حصہ تو ہوتا تھا مگر اسے بازی میں شامل نہیں ہونے دیا جاتا تھا کہ بازی میں لگانے کے لیے [illegible]



"اکرم..... تم تو میرے یار ہو، میری حالت سے واقف ہو، میرے پاس چھ روپے نہیں جو میں روٹی لے کر کھا سکوں تم چھ لاکھ کا تقاضا کر رہے ہو۔" سلیم گڑگڑایا تھا۔

"اور جوا، نشہ یا کوئی بھی بری لت، سب سے پہلے انسان کی عزت نفس کو ہی تباہ کرتی ہے کہ جس انسان کی عزت نفس ہی نہ رہی اس کے نصیب میں پھر دوسروں کی غلامی اور تحقیر برداشت کرنا ہی لکھ دیا گیا ہوتا ہے۔"

"یہ نہ کہو سلیم احمد یہ لاکھوں روپے کچھ بھی نہیں اس انمول دولت کے سامنے جو تو گھر میں چھپائے بیٹھا ہے۔" شاہد نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا تھا۔

"میں سمجھا نہیں..... کون سی دولت؟ سب کچھ تمہارے سامنے ہی ہے۔" نشے کے باعث ہر پل بوجھل رہنے والی آنکھیں زبردستی کھولتے ہوئے سلیم نے کہا تھا۔

"صاف صاف بات کرو اس سے، اسے کہاں سمجھ آئیں گی یہ پہیلیاں؟" اکرم نے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا تھا کہ آج کل کی تمام محفلیں اکرم کے ہاں ہی جم رہی تھیں۔ سلیم اب بھی نا سمجھی سے اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا اور ان کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بھئی صاف بات یہ ہے....." شاہد کھنکھار کر معنی خیزی سے بولا تھا۔

"اکرم اپنا یاروں کا یار ہے، اس کا آگا پیچھا، خاندان، گھر سب کچھ تمہارے سامنے ہی ہے۔" شاہد نے اکرم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خوشامدی لہجے میں کہا تھا۔

"اس کی بیوی اس کو چھوڑ کر جا چکی اور اب تو اس نے سیدھے سیدھے طلاق کا مطالبہ کر دیا ہے۔ وہ اب واپس نہیں آنے کی، حالات سے صاف صاف پتا چل رہا ہے۔ ادھر سلیم احمد تو ہے چھ لاکھ روپے کا مقروض جو تو اپنے آپ کو بھی بیچ کر نہیں ادا کر سکتا اور اس ڈھانچے کو کوئی چھ روپے میں نہ لے، چھ لاکھ کہاں سے کوئی دے گا۔" رشید کے مذاق کرنے پر وہ سب قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے تھے۔

"اصل بات کی طرف آ سالے، کیا بار بار پٹڑی بدل رہا ہے۔" اکرم نے سرخ آنکھیں کھول کر شاہد کو بے زاری سے کہا تھا۔

"سلیم احمد..... تیرے سر پر ایک نہیں پانچ پانچ بیٹیوں کا بوجھ ہے، تجھ سے تو کوئی امید ہے نہیں کہ ان کو بیاہ پائے گا کہ تو تو ان کو روٹی کھلانے کے قابل بھی نہیں ہے۔ تیرا بوجھ ہلکا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اپنے اکرم نے۔ تیری بڑی بیٹی جوان ہے، شادی کی عمر بھی ہے اس کی۔ اس کا ہاتھ اکرم کے ہاتھ میں دے دے نہ صرف تیرا چھ لاکھ معاف کر دے گا اکرم بلکہ پچاس ہزار کی رقم بھی دینے کو تیار ہے۔" شاہد نے بالآخر بلی تھیلے سے نکال ہی لی تھی۔

☆.....❀.....☆

"عمر سر..... کیا آپ لنچ میں میرے روم میں آ سکتے ہیں؟" صفا نے جھجک کر کہا۔

"کیوں نہیں صفا..... بس دس منٹ رہ گئے ہیں بریک میں میرا کام بھی ختم ہونے کے قریب ہے۔ میں آ جاؤں گا لیکن خیریت تو ہے ناں؟" اس کے لہجے میں موجود فکر نے صفا کو عجیب سی خوشی دی تھی۔

"جی..... جی عمر سر، ایوری تھنگ از اوکے۔ بس بریک میں آ جائیے گا۔" وہ مسکرا کر بولی اور کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ کل حیا کو خوش کرنے کے لیے ساری بہنوں نے ہی اس کی پسند کی ایک ایک ڈش بنائی تھی اور نجانے کیسے اور کیوں کھانا تیار ہونے کے بعد صفا نے شاہ جہان کو کہا تھا وہ لوگوں کا کھانا پیک کر کے فریج میں رکھ دے کہ کل وہ آفس میں لنچ کے لیے بھی لنچ لے کر جائے گی کہ صفا کو یاد آیا تھا کہ ایک بار وہ لنچ ٹائم میں اس کا

کررہی تھی جب عمر کسی کام سے اس کے پاس آیا تھا تو اس نے ازراہ تکلف اسے بھی لنچ کی آفر کردی تھی حالانکہ لنچ میں اس وقت صرف دو کباب اور تھوڑی سی بریانی بچی ہوئی تھی مگر عمر نے کمال بے تکلفی سے وہ بچا ہوا لنچ بڑی رغبت سے کھایا تھا اور لنچ کی اتنی تعریف کی تھی کہ صفا بے چاری شرمندہ ہو کر رہ گئی تھی۔

"اصل میں آمنہ جب تک پکا کر کھلاتی تھی تو کھانے میں مزہ بھی تھا، اب تو جب سے میں نے خود پکا کر کھانا شروع کیا ہے۔ کھانا، کھانا سزا لگتا ہے۔" وہ منہ لٹکا کر بولا تھا۔ صفا کو ہنسی آ گئی تھی۔

"سر آپ کھانا خود پکاتے ہیں؟" مسکراہٹ دبا کر اس نے کہا تھا۔

"ہاں بھئی اب مجبوری ہے۔" عمر نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"مگر وہ میرا دوست ہے ناں موسن۔ زبردستی کھینچ کھانچ کر مجھے شہر کے مختلف ریسٹورنٹس کے کھانے ٹیسٹ کراتا رہتا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ابھی کھانے کی چیزیں بھی ہیں اور ان چیزوں میں مزہ بھی باقی ہے لیکن......" وہ کہتے ہوئے رکا تھا۔

"یہ جو آج میں نے کباب اور بریانی کھائی ہے تو ایسا مزہ کسی ہوٹل، کسی ریسٹورنٹ کی بریانی اور کبابوں میں نہیں تھا۔" اس نے اتنی تعریف کی کہ صفا شرمندہ ہی ہو گئی تھی۔ دفعتاً دستک کی آواز پر وہ چونک کر اپنے خیالات سے باہر آئی تھی۔ عمر اس کی اجازت کا منتظر تھا۔ صفا نے سر ہلا کر اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"ہاں بھئی صفا...... خیریت تو ہے ناں؟" اس نے آتے ہی کہا۔

"بالکل خیریت ہے سر...... آج میں لنچ لائی تھی تو سوچا آپ کو بھی بلالوں آج اکٹھے لنچ کرتے ہیں، اصل میں اس دن آپ نے کباب اور بریانی کی اتنی تعریف کی تھی تو کل جیسے ہی میں نے کباب اور بریانی مینیو میں دیکھے مجھے بے ساختہ آپ یاد آ گئے اور میں نے شاہ جہاں سے کہہ کر فوراً کھانا پیک کرالیا تھا۔" وہ ٹیبل پر کھانا کھول کر پلیٹوں میں رکھتی ہوئی کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ اس ایک پل میں آپ نے مجھے تین تین خوشیاں ایک ساتھ دے دیں تو میں کون سی خوشی کو پہلے سنبھالوں۔ آپ نے مجھے کسی بھی بہانے یاد کیا، میرے لیے کھانا لے کر آئیں اور کھانا بھی گھر کا۔ واؤ آج کا دن تو میری زندگی کے یادگار دنوں میں سے ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"شرمندہ نہ کریں عمر...... کھانا شروع کریں، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی، عمر نے سر ہلاتے ہوئے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی تھی۔

☆......۞......☆

"شفا......" صفا نے اندر جھانکا کر اسے پکارا۔

"ہم...... بولو۔" شفا کسی ڈیزائن کو کاغذ پر بنانے میں اتنی الجھی ہوئی تھی کہ پاس رکھی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"تمہاری کوئی فرینڈ آئی ہے۔ جلدی باہر آؤ۔" صفا عجلت میں کہہ کر چلی گئی تھی۔

"میری فرینڈ؟" شفا خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی پھر الجھن بھرے انداز میں اس نے اپنے آس پاس بکھرا ہوا سامان سمیٹا تھا۔

"بڑی بیگم ابھی تو آپ کی کیلی سے بڑے اچھے موڈ میں باتیں کررہی ہیں مگر کیلی سے ملنے سے پہلے صفا باجی سے خوب پوچھ گچھ کی کہ کون کیلی ہے، کہاں سے آئی ہے؟ ...



کسی بھی قسم کی دوستی کو اس حد تک مت لایا جائے کہ وہ گھروں تک آن پہنچے۔" کمرے سے نکلتے ہی شفا کو شاہ جہان ملا تھا جس نے بڑے سنسنی خیز لہجے میں اسے اپ ڈیٹس دی تھیں۔

"میں اب جا رہا ہوں چائے پانی کا انتظام کرنے کچن میں، آپ چلیں ڈرائنگ روم میں۔" شاہ جہاں نے کہا۔ شفا سر ہلاتے ہوئے جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی دروازے پر ہی اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا کہ وہاں عائشہ بیٹھی بڑی خوشگوار انداز میں نسرین سے گپ شپ میں مصروف تھی۔

"عائشہ......" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ اسی پل عائشہ کی نگاہ بھی اس پر پڑ گئی تھی۔

"لیں آ گئی میڈم...... پوچھیں اس سے کہ میں نے کتنا کہا اس کو کہ میں نے زندگی میں آج تک کوئی دوست نہیں بنائی سوائے تمہارے اور میری ماں بھی نہیں ہے، مجھے اپنی اماں سے ملواؤ، میں نے ایک عرصہ ہوا نہ تو ماں کی شکل دیکھی نہ ہی ماں کا پیار دیکھا مگر مجال ہے جو اس کھور لڑکی نے مجھے ڈھنگ کا جواب دیا ہو، بس مسکرا دیتی ہے محترمہ ہر بات پہ۔ میں نے بھی آفس سے اس کا ایڈریس لیا اور پہنچ گئی یہاں۔" عائشہ نے اپنا کارنامہ بیان کرتے ہوئے فخریہ انداز میں بڑی بیگم کو دیکھا جب کہ شفا اس کی اپنی بے سروپا باتوں کے دوران آ کر بڑی بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"بہت اچھا کیا بیٹا تم نے، اصل میں قصور ان بچیوں کا نہیں ہے، میرے گھر کا ماحول ہی ایسا ہے کہ میری بچیاں ایک دوسرے کو ہی اپنا دوست کہتی اور سمجھتی ہیں، انہیں باہر بھی دوست بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کہ یہ میری ہی نصیحت تھی۔ بہر حال تم دونوں باتیں کرو اور کھانا کھا کر جانا۔" بڑی بیگم نے متانت سے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔

"بڑی رعب والی ہیں تمہاری اماں شفا۔" ان کے جانے کے بعد عائشہ متاثر ہو جانے والے انداز میں بولی۔

"اور مجھے لگتا ہے کہ جیسے ان کو میری اتنی بے تکلفی بھی پسند نہ آئی ہو کہ دو چار دن کی دوستی میں یہاں تک چلی آئی۔"

"جی ایسا ہی ہے۔ اب آ گئی ہیں تو ٹھیک ہے لیکن خیال رہے کہ شفا باجی کا رشتہ ہی نہ مانگ بیٹھے گا اپنے کسی بھائی وائی کے لیے کیونکہ آپ جیسی خوب صورت خاتون بگڑے ہوئے حلیے میں بالکل بھی اچھی نہیں لگے گی۔" ٹیبل پر جوس کے گلاس رکھتے ہوئے شاہ جہاں مدبر بن کر کہہ گیا۔

"یہ دکھ کر چلتے پھرتے نظر آؤ، ایک لفظ بھی مزید منہ سے نکالے بغیر۔" شفا نے دانت پیس کر کہا، شاہ جہان ایک معاشی نظر اس پر ڈال کر واپس پلٹ گیا۔

"انٹرسٹنگ...... یہ کون ہے بھئی؟ اور یہ رشتے وشتے کا کیا چکر ہے؟" عائشہ پچھلی باتیں بھول کر شاہ جہان کی کہی گئی بات میں الجھ گئی۔

"کچھ نہیں، ایسے ہی بولتا رہتا ہے بے وقوف، یہ بتاؤ کہ کیا کھاؤ گی؟ کھانا تو کھلائے بغیر اماں نے جانے نہیں دینا، کچھ خاص کھانا چاہو تو بتادو، شاہ جہان باتیں احمقانہ باتیں کرتا ہے مگر اس کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔" شفا کے رازدارانہ انداز پر عائشہ ہنس دی تھی۔

☆......۞......☆

"حیا...... میری بچی، میری جان۔ کہاں تھیں تم اتنے دن سے، میری آنکھیں ترس گئیں تمہیں دیکھنے کو۔" قبر ملاملا کر ... اسے دیکھ کر علیم احمد اٹھ بیٹھے تھے، ہاں اتنا سا

بولنے میں ہی سانس پھول گیا تھا۔
"پیارے ابا..... آپ کیسے ہیں؟" مرجھائی مرجھائی سی وہ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔
"کیا ہوا تھا میری بچی کو اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ پریشان ہو گئے۔
"پریشان نہ ہوں ابا۔ معمولی سا بخار تھا، اب ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں اب کیسے ہیں؟ دوائی تو باقاعدگی سے لے رہے ہیں ناں۔ میں بہت تھوڑی دیر کے لیے آئی ہوں لیکن اب میرا نمبر آن ہے، ہم بات کریں گے ابا۔" وہ ابھی ابھی ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"حیا..... کیا ہوا ہے بچے، تم صرف بیمار ہی نہیں رہی ہو بہت پریشان بھی لگ رہی ہو کیا بات ہے مجھے بتاؤ؟"
سلیم احمد جو پہلے اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے، اب اس کی باتیں سن کر اور زیادہ پریشان ہوئے۔
"مجھے آپ سے بہت کچھ ڈسکس کرنا ہے ابا لیکن آج میں اکیڈمی جانے سے پہلے یہاں آ گئی ہوں۔ یہاں سے اکیڈمی جانا ہے پھر گھر جا کر جیسے ہی اکیلی ہوئی آپ سے بات کروں گی۔" وہ عجلت سے بولی۔
"ہاں بیٹا وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہارے یہاں پہلے آنے میں اور اب آنے میں فرق ہے۔ اب تم صرف مومن کی اسٹوڈنٹ اور آپا کی کزن کی بیٹی نہیں ہو اس گھر کی بہو بھی ہو، وہ بھی اکلوتی۔ آپا اور بھائی صاحب نزدیک ہی گئے ہیں، ابھی آتے ہوں گے۔ ان سے مل کر جاتی تو ان کو خوشی ہوگی اور اگر ایسے ہی چلی گئیں ان سے ملے بغیر تو وہ ناراض ہوں گے۔" سلیم ایک باپ بن کر بول رہے تھے اس وقت اور بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے مگر حیا تھی کہ سلیم احمد کی باتیں سن کر کانٹوں پہ لوٹنے جیسی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔
"ابا....." اس کے لبوں سے بے آواز نکلا۔
"میں..... میں آپ سے بعد میں بات کروں گی، ابھی چلتی ہوں، اپنا خیال رکھیے گا۔" الجھن میں کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ سلیم احمد نے پرسوچ نظروں سے حیا کا انداز ملاحظہ کیا۔ نجانے کیوں انہیں حیا بہت بدلی بدلی سی لگی تھی۔

☆......❁......☆

گھر میں داخل ہوتے ہوئے مومن پر گویا شادی مرگ طاری ہو گئی تھی، اسے دیکھ کر وہ کچھ پل کے لیے ساکت رہ گیا تھا، حیا بھی اسے اس طرح اچانک سامنے دیکھ کر بوکھلا گئی تھی۔
"حیا تم اس طرح اچانک۔" حیرت کے شدید جھٹکے سے نکلنے کے بعد وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔
"جی..... وہ..... میں ابا سے ملنے آئی تھی، اب چلتی ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے۔" وہ گھبرا کر بولی اور عجلت میں قدم آگے بڑھائے تھے مگر جھٹکے سے رکنا پڑا کہ مومن نے اس کا ہاتھ بالکل اچانک ہی تھام لیا تھا، حیا کی تو سانسیں ہی اٹک گئی تھیں گویا، اگر کسی نے دیکھ لیا، اماں کو پتا چل گیا، اس خیال کا آنا تھا کہ حیا کا ہاتھ بے ساختہ گھوما اور مومن کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا اور مومن، مومن کا دل اس پل مر گیا تھا اور کائنات بھی جیسے ساکت ہو گئی تھی۔
"سر..... سوری میں....." حیا کو مومن کی حالت دیکھ کر احساس ہوا کہ اس نے کیا کر دیا، وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ خود حیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
"آئی ایم سوری سر مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ اصل میں، میں بہت پریشان....." وہ روہانسی ہو کر کہنے لگی جب مومن نے سرد آواز میں اسے ٹوکا۔
"چلی جاؤ حیا..... شاید مجھے بھی تمہاری طرح پتا نہ چلے اور میں کچھ ایسا کر بیٹھوں کہ مجھے بھی تمہاری طرح رونا



پڑے گا اور رونا مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا۔" سرد انداز میں کہتا وہ اس کے قریب سے گزر کر اندر چلا گیا تھا۔
"او میرے اللہ..... چیزوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش میں مجھ سے سب کچھ غلط ہو رہا ہے۔" اس نے مدد طلب نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا پھر چادر سنبھالتی تیزی سے مومن کے گھر سے باہر نکل آئی تھی، دماغ اور دل اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ اکیڈمی جانے کا دل ہی نہیں کیا۔
"حیا..... حیا..... کہاں جا رہی ہو اس طرح اکیلی؟" وہ صفا تھی جو گھر والی روڈ پر ہی تھی، گھر ہی جا رہی تھی جب حیا کو ایسی عجیب سی حالت میں روڈ پر دیکھا، وہ پریشان ہو کر اتر گئی تھی۔
"ہاں وہ صفا آپی....." حیا نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
"کیا ہوا حیا، طبیعت تو ٹھیک ہے، ڈاکٹر کے پاس چلیں۔" صفا نے تشویش سے پوچھا۔
"نہیں..... نہیں میں ٹھیک ہوں، شاہ جہاں اکیڈمی چھوڑ کر گیا تھا، وہاں طبیعت عجیب سی ہو گئی تو میں وہاں سے چلی آئی، گھر ہی جا رہی ہوں۔" حیا نے بات بنائی۔
"اچھا ڈرا ہی دیا تم نے مجھے، آؤ بیٹھو گھر چلتے ہیں۔" صفا نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے گاڑی میں بٹھایا تھا اور گھر لے آئی تھی۔

☆......❁......☆

عجیب سے انداز میں وہ ریان کی طرف آئی تھی اور بہت دن بعد آئی تھی، پتا نہیں کیا تھا اس کے دل و دماغ میں کہ اسد صاحب کے بار بار کہنے پر بھی وہ نہ تو شادی کی خریداری میں دلچسپی لے رہی تھی، نہ ہی شادی کے حوالے سے وہ ویسی ہی پُرجوش تھی جیسی کچھ دن پہلے ہوا کرتی تھی، حالانکہ اسد صاحب اب اور دیر نہیں کرنا چاہتے تھے مگر عائشہ کی بات سن کر حیران رہ گئے جب اس نے کہا تھا کہ ابھی اسے کچھ ماہ شادی نہیں کرنی، ابھی وہ اپنے اور ریان کے رشتے کو مزید وقت دینا چاہتی ہے، اسد صاحب تو پریشان اور حیران ہوئے، اس کو کچھ دنوں سے بدلا بدلا اور بے چین دیکھ کر مگر ان کو پریشان دیکھ کر وہ مسکرائی اور ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر ان کو تھوڑا بہت مطمئن کر دیا تھا۔
عزت گھر پر نہیں تھیں، شاید ہمسائیوں کے گھر کسی کی عیادت کے لیے گئی تھیں، ریان لاؤنج میں ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا۔
"ارے عائشہ تم..... واٹ آ سرپرائز۔ امی بھی بہت دنوں سے تمہیں یاد کر رہی تھیں، تھوڑی دیر پہلے آ جاتیں تو وہ بھی رک جاتیں، خیر ابھی آ جائیں گی، یہیں نزدیک ہی گئی ہیں، تم آؤ بیٹھو کھڑی کیوں ہو؟"
"ہاں جلدی ہی آنا چاہ رہی تھی لیکن جہاں گئی تھی وہاں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا، آتے آتے بھی یہ ٹائم ہو گیا۔" مسکراتے ہوئے اس نے پرس ٹیبل پر رکھا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔
"وہ بھی ایسی کون سی جگہ یا لوگ ہیں عائشہ میم کے اپنی دوستوں کے علاوہ جہاں وقت گزرنے کا پتا نہیں چلتا، ورنہ تو ماموں کے بقول عائشہ کی پارہ صفت طبیعت میں سکون ہی نہیں ہے، ابھی بیڈروم میں ہو گی تو ابھی کے ابھی اٹھ کر لانگ ڈرائیو کو نکل جائے گی اور تو اور ایک دو بار تو ماموں بتا رہے تھے ایسا بھی ہوا کہ کمرے میں ریسٹ کرنے کے گئی عائشہ وہاں سے کال آ گئی کہ ابھی کے ابھی دبئی کا ٹکٹ بھی کروا دیں، بور ہو رہی ہوں، یہ شکوہ ہمارے ماموں جان کو ہے، اپنی پیاری بیٹی سے کہ پانچ دس منٹ سے زیادہ وہ ٹک کر بیٹھی ہی نہیں عائشہ، ہر بار کہتی ہے کہ اگلی بار لانگ ٹائم سپینڈ کرے گی مگر وہ اگلی بار آج تک آیا ہی نہیں۔" ریان مسکراتے ہوئے اسے چھیڑتا ہوا بولا۔
[illegible]

والے انداز میں بولی۔

"اچھا اب کیا موڈ ہے محترم کا، چائے تو میں بھی بڑی اچھی بنا لیتا ہوں، میرے خیال میں آج میرے ہاتھ کی چائے پی لو پھر امی آتی ہیں تو ان کے ہاتھ کے پکوڑے کھاتے ہیں۔" ریان نے خوشگوار انداز میں کہا اور سامنے ہی چھوٹے سے اوپن کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"میں آج شفا کی طرف گئی تھی۔" پرس کھول کر کچھ تلاش کرتے اس نے عام سے لہجے اور انداز میں کہا تھا۔

"کک..... کون..... شفا؟" ریان ٹھٹک کر رکا مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال کر آگے بڑھ گیا تھا۔

"کمال ہے دن کے چھ سے ساتھ گھنٹے تم اس لڑکی کے ساتھ ہوا کرتے ہو اور پھر بھی پوچھ رہے ہو کہ کون شفا، کتنا دکھ ہوگا شفا کو جب اسے تمہاری اس بے وفائی کا پتا چلے گا؟" اس کی لاپروائی سے کی ہوئی بات نے ایک پل کے لیے ریان کو ساکت کر دیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ بھڑک کر بولا۔

"تم جب بھی بولنا فضول ہی بولنا، میں کیوں کرنے لگا کسی سے بے وفائی، میرا کون سا افیئر چل رہا ہے اس سے، اب دنیا میں لاکھوں لڑکیاں ہیں اس نام کی میں کون سا سب کو جانتا ہوں۔" اسے اتنا غصہ آیا عائشہ کی بے تکی بات پر کہ وہ بڑبڑا کر کے چائے بنانا بھول گیا۔

"کم آن ریان۔ میں مذاق کر رہی تھی۔" عائشہ اس کے اتنے سخت ردعمل پر تھوڑی شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

"مذاق..... یہ مذاق ہے عائشہ، کم از کم انسان کو مذاق بھی دوسرے انسان کی نیچر کو دیکھ کر کرنا چاہیے۔" ریان کا غصہ دیکھا کا دیکھا تھا، عائشہ اٹھ کر کچن میں ریان کے پاس آ گئی۔

"آئی ایم سوسوری ریان، تم جانتے ہو ناں کہ میں بغیر سوچے سمجھے بول دیتی ہوں بہت دفعہ، یقین کرو میں نے واقعی مذاق ہی کیا تھا، اصل میں شفا ہے ہی اتنی اچھی اور اس کے گھر والے جن کے ساتھ اپنا وقت گزار کر بھی دل نہیں چاہ رہا تھا وہاں سے اٹھنے کو میں تو اسی حوالے سے کہہ رہی تھی کہ میرا تو اب واسطہ پڑا ہے شفا سے، تمہارا تو اتنے عرصے سے کولیگ ہے، ساتھ کام کرتے ہو بس بے وفائی والا لفظ واقعی غلط تھا۔" عائشہ کا انداز معذرتی تھی۔

"اٹس اوکے۔" ریان نے طویل سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔

"اچھا اب ایسے سوری کرنی ہے تو اب ایکسپیکٹ ہوگا تم ادھر میرے ساتھ آ جاؤ میں بتاتا ہوں کہ کیا کیا چیزیں کہاں کہاں رکھی ہیں، کیسے کرنا ہے، پکوڑے بنانے ہیں بلکہ تم بناؤ آج تمہاری کوکنگ کا بھی امتحان ہو جائے ذرا۔" وہ کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھتا ہوا بولا۔

"پکوڑے کوکنگ، کیا کہہ رہے ہو ریان؟ یہ امتحان کچھ زیادہ مشکل ہے، تم ایسا کرو پکوڑے بنالو، میں چائے بنا لیتی ہوں۔" عائشہ کی تو جان پر بن آئی تھی۔

"نہیں..... پکوڑے تم ہی بنانے ہیں اور تم نے ہی بنانے ہیں۔" ریان کا انداز کسی سخت گیر استاد جیسا تھا۔

"اچھا تا تو پھر کیا کرنا ہے۔" مرے مرے سے انداز میں عائشہ نے پوچھا۔

"ڈیٹس آ گڈ گرل..... یہ کیبنٹ کھول کر بیسن کے نام والا ڈبہ اٹھا کر باہر رکھو۔" ریان نے کھولتے ہوئے قہوے میں دودھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"میری توبہ جو میں اس بندے سے کبھی مذاق میں بھی مذاق کروں۔" عائشہ بڑبڑاتے ہوئے کیبنٹ کھول رہی تھی، ریان سن کر مسکرا دیا تھا۔

☆......❁......☆



"سلیم بہت دن سے میں اور حرا کے ابا تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہے تھے۔" سلیم احمد کی طبیعت کچھ بہتر دیکھ کر ہاجرہ نے بات شروع کی، جمیل احمد بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"ہاں..... ہاں آپا کیا بات ہے کہیں؟" سلیم کے چہرے پر ہلکی سی الجھن کے آثار تھے، تاہم انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی سلیم احمد کہ ایسا کب تک چلے گا؟" ہاجرہ نے ساتھ میں بیٹھے جمیل احمد پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"میں سمجھا نہیں آپا آپ کیا کہہ رہی ہیں، کھل کر کہیں، کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ ایسا کب تک چلے گا؟" سلیم احمد الجھ کر بولے۔

"سلیم ٹھیک کہہ رہا ہے حرا کی امی اس سے کھل کر تفصیل سے بات کرنا ہوگی، وہ پریشان ہو رہا ہے۔"

"بات یہ ہے سلیم احمد کہ تمہاری آپا مومن اور حیا کے نکاح کے حوالے سے بات کر رہی ہیں، ایسا کب تک چلے گا مطلب یہ ہے کہ حیا ہماری بیٹی بن چکی ہے اب باضابطہ طور پر۔ اب ہمیں بیٹھ کر یہ طے کرنا ہے کہ ایسا کیا کیا جائے کہ یہ نکاح رخصتی کے مرحلے تک پہنچے، مومن ہے تو وہ الگ الجھا الجھا سا پریشان نظر آ رہا ہے یقیناً بھی سب کچھ سوچ کر، کیا تمہارے ذہن میں کچھ ہے یا اس حوالے سے تمہاری حیا سے کوئی بات ہوئی، نکاح ہو گیا ہے لیکن نسرین تو اب تک ویسی کی ویسی ہے، اس تک یہ معاملہ کیسے اور کون پہنچائے گا، ہم دونوں تو سوچ سوچ کر تھک گئے ہیں، کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا تو تمہارے پاس آئے ہیں کہ ہو سکتا ہے تم نے کچھ سوچا ہو اس حوالے سے۔" جمیل احمد نے سنجیدگی سے سارا معاملہ بیان کیا۔

"آپ دونوں کی تشویش بجا ہے۔" سلیم احمد کچھ لمحے چپ رہنے کے بعد طویل سانس لے کر بولے۔

"سچ جانیں تو ابھی تک میں تو صرف یہی سوچ کر خوش تھا کہ میں نے اپنی ایک بچی کا مستقبل محفوظ دیکھ لیا مگر میں نے اس بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں تھا ابھی۔" سلیم احمد تو مستقبل کے حالات کا سوچ کر ہی اچھے خاصے پریشان ہو گئے تھے۔

☆......❁......☆

"آئی ایم سوری۔" ہوا کے سنگ سفر کرتا ہوا پہلا ٹکٹ مومن کو اس وقت موصول ہوا جب وہ حیا کے رویے بلکہ تھپڑ کی صورت ایک شدید ردعمل کے باعث بے حد رنجیدہ و سنجیدہ تھا۔

"میں آج کل جس ذہنی اذیت کا شکار ہوں یا تو میں جانتی ہوں یا میرا پاک پروردگار وایسے میں میرے منہ سے کچھ نہ کچھ نکل جاتا ہے جو میرے اپنوں کے لیے بے حد پریشانی کا باعث بن رہا ہے، میں اسی ذہنی کشمکش میں آپ پر ہاتھ اٹھا بیٹھی جس کا افسوس مجھے عمر بھر رہے گا۔" اس کے اگلے ٹکٹ کو پڑھتے ہوئے مومن نے بے اختیار ایک طویل سانس خارج کی۔

"سر..... میری زندگی میں جو بھی مسئلہ یا پریشانی آئی ہے، اسے میری ماں اور بہنوں نے کبھی مسئلہ بننے کی نوبت ہی نہیں آنے دی، سو مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ زندگی میں انسان کو وہ سب کچھ بھی کرنا پڑتا ہے جو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں ہوتا۔" مومن نے آہستہ سے اس کا اگلا ٹکٹ کھولا۔

"آپ کا میری طرف بڑھنا اور میرا آپ سے متاثر ہو جانا یہ ایک ایسا عمل تھا جو میں نے اپنی ماں اور بہنوں سے چھپائی۔" مومن کو حیا پر اپنا غصہ تھوڑا کم ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"[illegible]

"ہم فس اور کہاں ہوتا ہے، کلوزنگ چل رہی ہے تو بتا، تاریخ گواہ ہے کہ تو نے ہمیشہ تخریبی کارروائیوں میں پارٹنر شپ کے لیے ہی ایسے تڑپ کر پکارا ہے مجھے مگر میں تجھے بتا چکا ہوں کہ میں اب ہر قسم کے ملکی کاموں سے توبہ کر چکا ہوں۔"

"میرے تین لفظی سوال پر میرا ساتھی سر تفصیلی جواب بتا رہا ہے کہ وہ کلوزنگ میں کتنا بزی ہے؟" مومن کاشف نے طنزاً کہا پھر عجلت میں بولا۔

"فری ہو کر جلدی سے میرے پاس پہنچ، یوں سمجھ کہ تیرے یار کی زندگی اور موت کے بیچ معاملہ پھنسا ہوا ہے۔" کہہ کر اس نے عمر کی بات سنے بغیر ہی کال منقطع کر دی اور خود پھر سے سابقہ پوزیشن میں چلا گیا تھا۔

☆.....❁.....☆

"ہمم..... تو یہ بات ہے؟" ساری بات سن کر عمر نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"بات تو حیا بھابی کی بھی ٹھیک ہے اور غلط تو بھی نہیں کہہ رہا۔"

"یہ تو مجھے بھی پتا ہے، تو حل بتا اگر کوئی تیرے ذہن میں ہے تو۔" مومن بگڑ کر بولا۔

"لیکن حیا بھابی کا یہ مطالبہ ٹھیک نہیں۔" عمر کا انداز اب بھی ویسا ہی تھا۔

"بھابی کی اماں یعنی کہ تمہاری موجودہ اور میری ہونے والی ساس کے اعتماد میں نقب تو لگ چکی، اب یہ نکاح قائم رہے یا تیری خواہش کے مطابق یا بھابی کی خواہش کے مطابق ٹوٹ جائے، آ، مار ڈالا ظالم۔" مومن کا گھونسا زور سے اس کے بازو پر پڑا تھا۔

"یار بات کر رہا تھا، معاملے کے پہلے اور بعد کے اثرات پر غور کر رہا ہوں، تب ہی تو مسئلے کا حل نکال سکتا ہوں لیکن تو نے اگر جنگلی پن کا مظاہرہ کرنا ہے تو پھر میں چلا۔" عمر نے بازو سہلاتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بکواس مت کر اور بیٹھ جا۔" مومن نے بازو سے پکڑ کر اسے پھر سے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تو نے بھابی کے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کر کے ان کی اماں نکاح کی خبر سن کر پہلے بہت سخت ری ایکشن دیں گی، ناراض ہوں گی، بیمار ہوں گی، پریشان ہوں گی، پریشان بھی کریں گی لیکن کیا گارنٹی ہے کہ خدانخواستہ اگر تو طلاق بھی دے دیتا ہے تو وہ راضی ہو جائیں گی، خوش ہو جائیں گی، ارے یہ تو اور زیادہ خطرناک ہوگا، ہماری ساس اور ان کی اماں کے لیے، جان سے ہی نہ گزر جائیں، خاکم بدہن۔"

"اوہو میں ٹینشن پہ بات کر رہا ہوں۔" مومن کے گھورنے پر عمر جھنجھلا کر بولا۔

"اب چوبیس میں سے نو سے دس گھنٹے ٹینشن اپنی گرلز کا کام ہے میرا تو بات بھی تو اسی نہج پر ہی کروں گا ناں میں، مان لے یہ بات اور بھابی کو بھی سمجھا کہ اب اسی نکاح کو قبول کرنے اور اپنے گھر والوں سے بھی قبول کرائے ورنہ جو نتیجہ وہ بتا رہی ہیں......"

"تیرے منہ میں خاک۔" وہ چل کر بولا۔

"لیکن سچ کہوں تو تیری بات میں دم ہے واقعی، نکاح کی خبر ان کے لیے بجلی گرنے کے مترادف ہوگی مگر نکاح کے بعد طلاق تو سیدھی سیدھی موت ہے۔" مومن نے سر ہلا کر پرسوچ لہجے میں کہا۔

"چل اب کسی کنارے پر تو لگی ناں تیری پریشانی، اب اٹھ کر ذرا کھانے کا مینیو چیک کر لے یا کم از کم آنٹی کو اطلاع ہی کر دے میرے آنے کی، کچھ اچھا ہی بنالیں گی وہ، تیرا موڈ تو میرا دماغ چاٹ کر بھی مجھے خالی پیٹ ٹرخانے کا لگ رہا ہے۔" عمر اچھی خاصی ناراضی سے بولا تھا۔



☆.....❁.....☆

"اچھا صفا..... ایک بات بہت دنوں سے میرے دماغ میں گردش کر رہی ہے آپ کی فیملی کے حوالے سے اگر اجازت ہو تو پوچھوں۔" ایک بے حد مصروف اور تھکا دینے والے دن کے بعد وہ لوگ ابھی کچھ دیر قبل ہی فارغ ہوئے تھے، اسٹاف کے کچھ لوگ جا چکے تھے، کچھ جانے کی تیاریوں میں تھے۔ صفا بھی کل کے کام کی فہرست پر نظر دوڑا کر اب اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی جب عمر نے آ کر کہا کہ وہ جیون کو کافی کا آرڈر دے کر آیا ہے سو کافی پی کر اٹھتے ہی لیکن صفا سے پہلا کر رہی تھی۔

"جی ضرور پوچھیں، میرا خیال ہے کہ میری فیملی کی کوئی بات اب آپ سے چھپی نہیں رہی۔" وہ اپنے مخصوص دھیمے انداز میں بولی۔

"آپ غلط نہ سمجھیے گا صفا مجھے لیکن جن لوگوں سے انسان کنیکٹڈ ہوتا ہے ان کے متعلق انسان سوچتا ہی ہے، میں شعوری طور پر نہ بھی سوچوں پھر بھی کچھ لاشعوری سوچیں میرے ذہن میں آ کر مجھے الجھا دیتی ہیں۔" تمہید باندھتے ہوئے وہ سنجیدہ لگ رہا تھا، صفا نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا جیسے اس کی بات کا مطلب اخذ کرنا چاہ رہی ہو مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

"آپ دیکھیں ناں ایک لڑکی کے لیے ایک مخصوص عمر میں آ کر الگ گھر، اپنے جیون ساتھی اور نئی زندگی کے بارے میں ضرور جذبات جنم لیتے ہیں، حالات اور واقعات کی وجہ سے ان کا اظہار نہ کیا جائے یا ان کو دبا دیا جائے وہ اور بات ہے لیکن ایسا سوچتی ہر لڑکی ہے اور اس سے آپ انکار نہیں کر سکتیں۔" وہ سوچ سوچ کر کہہ رہا تھا مبادا صفا کو کوئی بات بری نہ لگ جائے۔

"جی ایسا ہی ہے پھر اس کا ہماری فیملی سے کیا تعلق؟" وہ الجھ کر بولی۔

"صفا آپ کی فیملی سے ہی نہیں ہر فیملی کی لڑکی سے تعلق ہے اس بات کا، میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ پانچ بہنیں ہیں اور آپ سب نے زندگی کے کسی نہ کسی مقام پر اس نہج پر سوچا ضرور ہوگا، لازمی نہیں کہ ساری ہی آپ جیسی پختہ سوچ اور مضبوط اعصاب رکھتی ہوں۔"

"میں سمجھ نہیں پا رہی عمر سر کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں، جو کچھ بھی ہے وہ کھل کر کہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا بات ہے بلکہ کلیئر بات کریں، شاید اس وقت کوئی اور بندہ ہوتا تو میں برا مان کر اسے بری طرح جھڑک دیتی لیکن میں آپ کو جانتی ہوں تو مجھے علم ہے کہ آپ کی اس بات کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوگا، اس لیے آپ کو جو کہنا ہے بغیر کسی ٹینشن کے کہہ سکتے ہیں۔" صفا نے نرمی سے کہا۔

"بالکل اس ٹرسٹ کے لیے، اگر کوئی اچھا ہمسفر مل جائے اور عورت کی اپنا گھر بسانے کی فطری خواہش ماں کی محبت پر حاوی ہو کر اور آپ کی کسی بہن نے آپ کی اماں کے خلاف جا کر فیصلہ کر لیا اور شادی کر لی پھر؟" وہ بغور اس کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

# خوابوں کا محل

صبا اطہر

> ہم اپنے آپ میں یوں گم ہوئے ہیں عرصے سے
> ہمیں تو جیسے کسی کا بھی انتظار نہیں
> کسی کو ٹوٹ کے چاہیں کہ چاہ کر ٹوٹیں
> ہمارے پاس تو اتنا بھی اختیار نہیں

"تمہارے پاس دو راستے ہیں اورن عباسی، پہلا راستہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر میری بہن کو اپنا لو اور دوسرا راستہ اپنی بہن کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر بسالو۔" اسپتال کے آئی سی یو کے باہر لگائی انصاف کی عدالت میں قاہر ملک نے خاموش اور بے بس کھڑے اورن عباسی کو دو راستوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرنے کو کہا۔ ان دونوں راستوں پر چلنا اس کے لیے جان لیوا تھا۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں قاہر آپ۔ میں بیوی ہوں آپ کی اور میری گود میں پندرہ سال کی بچی آپ کی بیٹی ہے۔ جذبات میں بہک کر کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے کم از کم اپنی بیٹی کے بارے میں ہی سوچ لیں۔" اپنے شوہر کا فیصلہ سن کر نائمہ کرب سے تڑپ اٹھی۔

"آئی سی یو میں جو لڑکی تمہارے بھائی کی بے وفائی کی وجہ سے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے وہ مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح عزیز ہے۔ میں نے اسے بھائی نہیں باپ بن کر پالا ہے۔ مجھے اس کی خوشی سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہے۔" قاہر نے اس کی تڑپ کا جواب جھلاہٹ بھرے انداز میں دیا۔

"میں آپ کو کتنی بار مزید سمجھاؤں بھائی جان میں نے کبھی بھی ارملہ کو پیار اور محبت کے خواب نہیں دکھائے، میں نے تو کبھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا، مجھے نہیں معلوم وہ مجھ سے اتنی محبت کب سے کرنے لگی کہ میری شادی کی خبر سن کر اس نے موت کو گلے لگانے کی کوشش کی۔"

"تم نے کوئی خواب نہیں دکھائے مگر تمہاری بہن نے خوب رنگین خواب میری بہن کو دکھائے ہیں، جب سے یہ بیاہ کر ہمارے گھر آئی ہے تمہارے نام کے ساتھ صرف ارملہ کا نام جوڑتی رہی ہے۔ بہن بھائی کے نام کے ساتھ کسی دوسری لڑکی کا نام جوڑتی رہی اور بھائی صاحب نے اپنی زندگی ہی کسی تیسری لڑکی کے نام کر دی۔" قاہر کی بات سن کر نائمہ نے اپنی بھری آنکھیں سختی سے موند لیں۔ اورن تحیر زدہ نگاہوں سے بہن کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ بہن کے ارادوں سے بے خبر تھا۔

"میرا فیصلہ کان کھول کر سن لو اورن اگر میری بہن کو کچھ ہوا یا تم نے اس سے نکاح نہ کیا تو میں تمہاری بہن کو طلاق دینے میں ایک سیکنڈ نہیں لگاؤں گا۔" قاہر کی کڑک دار آواز میں دی دھمکی سن کر نائمہ کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اسے کندھوں سے سہارا دے کر اورن نے اسے سنبھالا۔

"چلیں آپی یہاں سے..."



... گر گئے۔" اورن کے ان الفاظوں کو سن کر نائمہ کا چہرہ [illegible] وہ شاید بھائی سے کسی اور فیصلے کی توقع کر رہی تھی۔

★

"مجھے آپ سے اس بے وقوفی کی توقع نہیں تھی آپی... میں تو نہ ارملہ سے شادی کر سکتا ہوں اور نہ ہی آپ کو بے گھر ہوتے دیکھ سکتا ہوں۔ اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں؟" اس نے نائمہ سے سوال کیا۔ کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہستی کی جانب دیکھتی نائمہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے اورن کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔" طلاق الفاظ سن کر دروازے کے پیچھے چھپی ہستی صدمے سے دوچار ہو کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

"وہ زندگی ہے میری، سات سمندر پار سے میں اسے پاکستان رسوا کرنے کے لیے نہیں لایا۔ نازش کے بنا میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا آپی۔" اورن عباسی کے ہر لفظ میں نازش کے لیے محبت جھلک رہی تھی۔ نائمہ کی آنکھیں بھر آئیں مگر اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روک لیا۔ اورن بے بسی سے بہن کے مقابل بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ تھام کر نرم انداز میں کہا۔

"اتنی زندگیوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے آپی ایک فیصلے سے بہت سی زندگیوں کا فیصلہ میں کیسے لوں؟ آپ بتائیں آپ کی شادی کو چار برس ہو گئے ہیں آپ نے مجھ سے اس متعلق کوئی بات نہیں کی مگر ارملہ کو میرے سب خواب دکھا دیے۔"

"میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے مگر میں نے سب تمہاری خاطر کیا۔ ارملہ قاہر کی اکلوتی بہن اور لاکھوں روپے کی جائیداد کی وارث ہے۔ مجھے لگا اس سے شادی کر کے تمہاری زندگی سنور جائے گی، پیسہ اور اپنا ذاتی گھر حاصل کرنے کے لیے تمہیں بیرون ملک نوکری نہیں کرنی پڑے گی۔" اس کی آنکھوں میں رکے آنسو اب کی بہہ نکلے

تھے۔ لالچ کی سزا اسے اس طرح ملے گی نائمہ نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ دونوں بہن بھائی اسی بارے میں خاموشی سے سوچ رہے تھے جب نائمہ کو رخشندہ بیگم کی کال آئی اور انہوں نے ارملہ کے ہوش میں آنے کی خبر سنائی۔

"شکر ہے اللہ کا ارملہ ہوش میں آگئی ہے۔ میں اسپتال جارہی ہوں۔" نائمہ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

"قاہر بھائی غصے میں ہیں آپی میری مانیں تو ابھی اسپتال مت جائیں۔ ارملہ کے گھر واپس آنے پر میں خود اس سے بات کروں گا، اسے سمجھاؤں گا، وہ مان جائے گی میری بات۔" اروان نے اسے جاتے دیکھ کر روکا۔

"نہیں...... مجھے جانا چاہیے، میں قاہر کو مزید خفا نہیں کرسکتی۔" نائمہ اپنا بیگ اور چھوٹی بیٹی کو گود میں اٹھا کر اسپتال چلی گئی، اروان وہیں اپنے کمرے میں چلا آیا۔

وہ ابھی تک دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اروان نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر اسے صوفے پر بٹھایا اور خود گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

"تمہاری خاموشی میں چھپا خوف میں سمجھ سکتا ہوں نازش۔ اس خوف کو اپنے وجود سے ہمیشہ کے لیے مٹادو کیونکہ میں تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں کروں گا۔ تم میرے دل کی ملکہ ہو۔ سلطنت کی بنیاد ہو، بادشاہ اپنی ملکہ کے بنا ادھورا رہتا ہے۔ سلطنت اپنی ملکہ کے بنا خالی خالی سی لگتی ہے۔ تمہیں خود سے جدا کر کے میں اپنا وجود کھوکھلا نہیں کرسکتا۔" اروان کی پیار بھری باتیں سن کر نازش کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ پل بھر میں اروان کے سینے سے لگ گئی۔

"میری پوری کائنات تم میں بستی ہے اروان، تم سے بچھڑنے کا میں تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اپنا ملک، اپنا مذہب، اپنے ماں باپ سب کچھ تمہاری محبت میں قربان کردیا اب واپس پلٹنے کا راستہ نہیں ہے میرے پاس۔" اس کے سینے سے لگ کر نازش نے اپنا خوف بیان کیا۔ اروان نے اسے خود سے الگ کیا اور گھٹنوں کے بل سے اٹھ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اللہ نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے ہی بنایا ہے نازش، تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ مرد اپنی محبت کی قربانی کسی صورت نہیں دیتا، اپنی محبت کی خاطر دنیا کی ہر طاقت سے لڑ جاتا ہے۔" اروان نے محبت بھرے انداز میں کہا۔ اس کے کندھے پر سر رکھ کر نازش نے اپنی آنکھیں موند لیں اور اس کی باتوں سے آنے والی محبت کی خوشبو اپنی سانسوں میں سمانے لگی تھی۔

.......●☆●.......

"یہ تم نے کیا پاگل پن کیا ہے ارملہ؟ اپنی جان خود کون دیتا ہے۔ خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو پھر......" اسپتال کے بستر پر گم صم بیٹھی ارملہ کا ہاتھ تھام کر نائمہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"بھابی آپ تو کہتی تھیں کہ اروان مجھ سے شادی کرے گا پھر وہ کسی دوسری لڑکی کو اپنی زندگی میں کیسے شامل کرسکتا ہے؟ میں اسے کسی دوسرے کے ساتھ نہیں بانٹ سکتی۔ آپ پلیز کسی طرح اسے میرا بنادیں۔ کچھ بھی کریں لیکن اروان کو ارملہ کا بنادیں۔" آنکھوں میں آنسو روک کر ارملہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ نائمہ تاسف سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی، وہ اسے سچ بتانے کی ہمت نہیں جتا پارہی تھی کہ اروان مرنے کو مرجائے گا مگر نازش کو خود سے جدا نہیں کرے گا۔

"اروان تمہارا ہی ہے ارملہ تم فکر مت کرو تمہارے بھائی خود اسے اٹھا کر تمہارے پاس لائیں گے۔" کمرے میں داخل ہوتے قاہر نے کہا۔ اس کی گود میں رمشا سو رہی تھی۔

"کیا ایسا ہے نہ نائمہ! میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔" قاہر نے نائمہ کی جانب دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ سمجھانا چاہا، نائمہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"بھائی مجھے گھر جانا ہے، پلیز گھر چلیں۔" ارملہ نے گھر جانے کی فرمائش کی۔

"ہم کچھ دیر تک چلتے ہیں۔" قاہر نے ارملہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔



"اب تمہیں بھی اپنے بھائی کے گھر چلے جانا چاہیے نائمہ، آخر نکاح کی تیاریاں بھی تو شروع کرنی ہے دونوں بچاؤں نے۔" قاہر زبردستی اسے نکاح کی ہامی بھرنے کو کہہ رہا تھا۔ نائمہ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ نکاح کا ذکر سن کر ارملہ شرما گئی۔

"آپ میرے ساتھ باہر آئیں، مجھے کچھ بات کرنی ہے۔" نائمہ قاہر کے ساتھ باہر آگئی۔

"میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں قاہر یہ زبردستی کی شادی مت کرائیں۔ اروان، نازش سے بے پناہ محبت کرتا ہے، وہ اسے چھوڑنے پر راضی نہیں ہے۔ ارملہ کو بہتر لڑکا مل جائے گا کم از کم ایسا لڑکا جو اس سے محبت کرتا ہو۔" نائمہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تمہارا بھائی اپنی محبت کو نہیں چھوڑ سکتا اور میں اپنی بہن کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر میں چاہوں تو تم دونوں بہن بھائیوں کا غرور ایک سیکنڈ میں خاک کرسکتا ہوں مگر اپنی بیٹی اور بہن کی وجہ سے چپ کر جاتا ہوں۔ جب تک تمہارا بھائی کوئی حتمی فیصلہ نہ کرلے مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" قاہر ملک نے دھمکی بھرے انداز میں کہا اور رمشا کو لے کر وہاں سے جانے لگا۔ بیٹی کو خود سے جدا ہوتا دیکھ کر نائمہ کی سانسیں حلق میں اٹکنے لگی تھیں۔

"میری رمشا مجھے واپس کریں قاہر وہ ماں کے بنا کیسے رہے گی؟" نائمہ نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

"رمشا تم سے زیادہ میرے قریب ہے اس لیے اس کی فکر مت کرو۔ باپ کے پاس زیادہ محفوظ رہے گی وہ۔" قاہر کا لہجہ بھی اس کے دل کی طرح پتھر کا ہوگیا تھا۔ نائمہ روتی رہی مگر قاہر رمشا کو اس سے چھین کر لے گیا تھا۔

.......●☆●.......

"کتنے خود غرض نکلے ہو تم قاہر۔ ارملہ کو سمجھانے کے بجائے تم الٹا اسی کا ساتھ دے کر دو گھر برباد کر رہے ہو۔ اگر اروان اس میں دلچسپی نہیں رکھتا تو اس بات کو یہیں ختم کردو۔" قاہر لاؤنج میں ٹہل کر روتی ہوئی رمشا کو چپ کرا رہا تھا جب رخشندہ بیگم اسے سمجھانے لگیں۔ وہ خاموشی سے ان کی بات سن کر رمشا کو چپ کرانے میں مصروف تھا مگر وہ روئے جارہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز سن کر ارملہ اپنے کمرے سے باہر آئی اور رمشا کو گود میں اٹھالیا۔ اس کے پاس جاتے ہی رمشا خاموش ہوگئی تھی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ قاہر ماں کے مقابل بیٹھ گیا اور افسردہ لہجے میں بولا۔

"ارملہ پانچ سال کی تھی جب ابا ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے تھے۔ اپنی پندرہ سال کی عمر میں، میں نے اس گھر کو سنبھالا، پڑھائی کے ساتھ ساتھ زمینیں بھی دیکھیں۔ ارملہ کو میں نے بھائی نہیں باپ بن کر پالا ہے۔ دنیا کی ہر خوشی اس کی جھولی میں ڈالی میں نے تاکہ اسے کوئی غم دیکھنا نہ پڑے مگر آج نائمہ اور اروان کی وجہ سے میری بہن خود کو حرام موت دینے جارہی تھی۔ ان دونوں بہن بھائی کو میں نے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھایا۔ اروان کو باہر ملک سیٹل کیا اور وہ میری ہی بہن کی زندگی خراب کرگیا مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔" قاہر کی بات سن کر رخشندہ بیگم بھی غم زدہ ہوگئیں۔ قاہر بھی حق پر تھا۔

.......●☆●.......

بیٹی کی جدائی میں نائمہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ اروان غصے سے لال پیلا ہورہا تھا۔

"آپ چلیں میرے ساتھ آپی میں بھی دیکھتا ہوں قاہر بھائی آپ سے رمشا کو کیسے جدا کرتے ہیں۔ اس قصے کو آج میں ختم کرکے رہوں گا۔" اروان نے پرجوش انداز میں کہا اور نائمہ کے منع کرنے کے باوجود اسے اپنے ساتھ قاہر ملک کے گھر آگیا۔ رخشندہ اور قاہر وہیں لاؤنج میں موجود تھے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اروان نے ہنگامہ برپا کردیا۔

"آپ اتنے پتھر دل کیسے ہوسکتے ہیں قاہر بھائی؟ اپنی بہن کی شادی مجھ سے کرانے کے لیے آپ رمشا کو اس کی ماں سے کیسے جدا کرسکتے ہیں۔ ابھی اور اسی وقت رمشا کو آپی کے حوالے کریں ورنہ معاملہ عدالت تک پہنچ جائے گا۔" جوش میں بہک کر اروان نے قاہر ملک کو دھمکاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے عدالت جانے کا بہت شوق ہے تمہیں اذان۔" قاہر نے عام لہجے میں جواب دیا۔ شور کی آواز سن کر ارملہ، رمشا کو گود میں لیے باہر آئی۔ نائمہ نے آگے بڑھ کر رمشا کو ارملہ سے لیا اور اذان کو خاموش رہنے کا کہا۔

"چلو اذان...... گھر چلو۔" قاہر ملک کی خاموشی سے خوف کھاتی نائمہ نے کہا۔ وہ جب واپس جانے کے لیے آگے بڑھے تو قاہر نے انہیں آواز دے کر روک لیا۔

"کہاں جا رہے ہو اذان عباسی میرا آخری فیصلہ تو سنتے جاؤ۔ تمہیں عدالت دیکھنے کا بہت شوق ہے تو ہماری اگلی ملاقات عدالت میں ہی ہو گی۔" قاہر ملک کے ادا کئے ان الفاظوں کو سن کر سب کے دل کی دھڑکنیں رکی خاص کر نائمہ کی۔

"میں قاہر ملک اپنے ہوش و حواس میں اپنی بیوی نائمہ ملک کو طلا......" اس سے پہلے قاہر اپنے لبوں سے اپنی دنیا اجاڑتا ارملہ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"پلیز بھائی...... یہ ظلم مت کریں میری خاطر اپنا گھر مت اجاڑیں۔" ارملہ نے تڑپ کر کہا۔ نائمہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"آج تو میں ارملہ کے کہنے پر رک گیا ہوں مگر ہر بار نہیں رکوں گا۔ صرف دو دن کا وقت ہے تمہارے پاس اذان یا میرا فیصلہ مان کر سب کچھ ٹھیک کر دو یا اپنی من مانی کر کے اپنی بہن کا بسا بسایا گھر اجاڑ دو۔ اگلی بار تینوں طلاقوں کا نوٹس تمہاری بہن کو عدالت سے مل جائے گا۔" قاہر نے کہا اور نائمہ کے ہاتھ سے رمشا کو چھین لیا۔

"مجھے نہیں کرنی اذان سے شادی بھائی آپ پلیز یہ لڑائی ختم کر دیں۔" بگڑی بات کو سنبھالنے کے لیے ارملہ نے اپنے پیار کو قربان کر دیا۔

"میری بہن کو جھوٹے خواب دکھانے کی قیمت تمہیں ادا کرنی پڑے گی نائمہ۔ میں اس معاملے کو یہیں ختم کر دیتا مگر تم نے میری معصوم بہن کو جھوٹی آس بندھائی ہوئی۔ کل نوٹس مل جائے گا تمہیں۔ اس سے پہلے میں تم دونوں بہن بھائی کو دھکے دے کر گھر سے نکالوں خود ہی نکل جاؤ میرے گھر سے۔" قاہر ملک اپنے فیصلوں کا پختہ انسان تھا۔ یہ بات سب ہی جانتے تھے۔ نائمہ اور اذان کو خالی ہاتھ ہی گھر لوٹنا پڑا۔ نازش ان کی واپسی کی منتظر تھی۔ کل تک اگر اذان شادی کا فیصلہ نہ لیتا تو نائمہ کو طلاق ہو جاتی، وہ کرے بھی تو کیا کرے۔ اس مسئلے نے اسے بری طرح الجھا دیا تھا۔ نازش شوہر کے بنا تو رہ سکتی تھی مگر اپنی بیٹی کے بنا ایک پل بھی گزارنا اس کے لیے مشکل تھا۔ ساری رات ان تینوں نے سولی پر لٹکتے ہوئے گزار دی تھی۔

"اذان پلیز کچھ کرو، قاہر مجھے چھوڑنے میں ایک منٹ نہیں لگائے گا۔ تمہاری بہن کی خوشیاں اب تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔" نائمہ اس کے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر بولی۔

"میرے سامنے جھولی پھیلا کر کیوں مجھے گناہ گار کر رہی ہیں آپی۔ میں کچھ کرتا ہوں۔" بہن کی جھولی پھیلی دیکھ کر اذان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے اذان آپ آپی کی نند سے شادی کر لیں، مجھے آپ کی دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔" نازش نے ہمت انداز میں کہہ کر اذان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال دی...... وہ خود ہی اپنے لیے سوتن لانے کا کہہ رہی تھی۔ اس کے اس فیصلے پر نائمہ خوش ہو گئی۔

"ہاں...... اچھا فیصلہ ہے تمہارا نازش، اب تو مان جاؤ اذان، نازش نے بھی اجازت دے دی ہے۔" نائمہ نے کہا۔

"میرے خیال سے آپی آپ یہ بات بھول رہی ہیں کہ قاہر بھائی کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں اپنی پہلی بیوی کو طلاق دوں اور یہ میں کسی صورت نہیں کروں گا چاہے دنیا تباہ ہی کیوں نہ ہو جائے مگر اذان عباسی اپنی نازش کو طلاق نہیں دے گا۔" اذان نے پراعتماد انداز میں کہا۔

"تو پھر دے دو نازش کو طلاق...... اسی میں سب کی بہتری ہے۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔" نائمہ کے فیصلے پر اذان اور نازش دونوں کی کیفیت [illegible] ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

......●☆●......

"اذان عباسی ولد ہارون عباسی کیا آپ کو ارملہ ملک ولد [illegible] ملک سے نکاح قبول ہے۔"

"جی قبول ہے۔" اذان نے کہا اور نکاح نامے پر دستخط کر کے ارملہ کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ نکاح کے بعد مبارک باد کا سلسلہ شروع ہوا۔ قاہر نے اذان کو خوش دلی سے گلے لگایا۔

"ماضی میں ہوئے ہمارے درمیان جھگڑے کو اپنے مستقبل میں شامل مت کرنا۔ ارملہ میری بیٹی ہے اس کے لیے میں جذباتی ہو گیا تھا۔" قاہر ملک اب بھی ارملہ کے لیے پریشان تھے۔

"میں آپ کو اپنا بڑا بھائی کہتا ہوں قاہر بھائی۔ آپ میری کھال بھی کھینچ لیں تو میں اف تک نہیں کروں گا مگر پلیز میری بہن کو دوبارہ کسی صدمے سے دوچار مت کیجئے گا، وہ مجھے بھی اس کی طرح پیاری ہیں۔" اذان نے استحقاق انداز میں کہا۔ قاہر نے اسے گلے سے لگا لیا۔ کچھ دیر بعد ارملہ رخصت ہو کر اپنے سسرال آ گئی۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس کمرے کو دھیان سے دیکھ رہی تھی یہ اذان کا کمرہ نہیں نائمہ کا کمرہ تھا، وہ رات کے دو بجے تک اذان کی راہ دیکھتی رہی۔

"اذان اب آپ کو ارملہ کے پاس جانا چاہیے وہ آپ کی منتظر ہوگی۔" اذان نازش کی گود میں سر رکھ کر لیٹا ہوا تھا جب اس نے اسے ارملہ کے پاس جانے کو کہا۔

"تمہارے اور آپی کے کہنے پر میں نے یہ قدم تو اٹھا لیا ہے مگر یقین کرو میرا دل راضی نہیں ہے۔ میں تمہیں خاندان کا حصہ بنانا چاہتا تھا مگر آپی کا گھر بسانے کے لیے مجھے سب کو بھی بتانا پڑا کہ میں نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے مگر حقیقت میں تم آج بھی میری بیوی ہو۔" اس کا ہاتھ تھام کر اذان نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

"میری دنیا آپ ہو اذان، جب ہمارا ساتھ جڑا ہوا ہے تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ آپ نے مجھے [illegible] کے لیے" نازش نے مسکرا کر کہا۔

"اب آپ ارملہ کے پاس جائیں مجھے بھی آرام کرنا ہے۔" نازش نے اسے بازو سے پکڑ کر زبردستی کمرے سے باہر بھیجا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے اذان سمجھ سکتا تھا، وہ سست قدموں سے ارملہ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

صبح ناشتے کی میز پر سب اذان کے منتظر تھے ارملہ کا چہرہ بجھا ہوا سا تھا اور اذان اپنے کمرے سے نازش کے ساتھ ناشتے کی میز پر آیا۔ نائمہ کے دل کی دھڑکنیں تھم سی گئی تھیں۔

"السلام علیکم" نازش نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" سب نے جواب دیا۔

"یہ محترمہ کون ہیں اذان؟ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا انہیں۔" قاہر نے پوچھا۔

"یہ میرے دوست کی زوجہ محترمہ ہیں وہ گھر کی تلاش میں نکلا ہے اس لیے نازش کو ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے، کچھ دن تک اسے گھر مل جائے گا۔" اذان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ سب خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے مگر ارملہ کی نظریں نازش پر تھیں وہ اس کی خوب صورتی تھی یا سوتن کی جلن جو ارملہ کو اس کی طرف متوجہ کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"اذان آپ کے دوست کی بیوی بھی کیا بیرون ملک سے آئی ہے؟" اذان سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہو کر بال میں برش کر رہا تھا جب اس کے پاس کھڑی ارملہ نے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔" اس نے مختصر سا لاپرواہ انداز میں جواب دیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

"کہاں جا رہے ہو اذان؟" نائمہ کی آواز سن کر اس کے قدم آگے بڑھنے سے رک گئے۔

"نازش کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہوں کل سے اسے چکر آ رہے ہیں۔" اذان نے کہا۔

"تم نے [illegible] کیا سوچا ہے اذان؟ [illegible] مطلب ہے [illegible]"

اسے دھوکہ دینے والوں میں وہ بھی شامل تھی۔ ارملہ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ نائمہ کی طرف بھاگا۔ وہ بھی مرے ہوئے قدموں سے ان کی جانب بڑھی۔

"جلدی سے "او" بلڈ گروپ کا انتظام کیجیے تاکہ ہم وقت پر آپریشن کر کے ماں اور بچے دونوں کی جان بچا سکیں۔" ڈاکٹر نے نائمہ سے کہا۔

"میرا بلڈ گروپ بھی "او" ہے ڈاکٹر۔ میں خون دینے کو تیار ہوں۔" ارملہ نے بھاری آواز میں کہا۔ اسے وہاں دیکھ کر نائمہ کی رنگت خوف سے زرد ہوئی، وہ بے یقینی کی کیفیت سے اسے دیکھنے لگی۔ ارملہ اسے نظر انداز کرتے ڈاکٹر کے ساتھ چلی گئی تھی۔

"میرے اللہ یہ کیا ہو گیا، ارملہ کو سچ معلوم ہو گیا ہے تو جلد ہی قاہر بھی سچ جان جائیں گے۔" وہ خود سے ہم کلام ہوئی اور دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

"آپی..... خون کا بندوبست ہوا یا نہیں؟" ارون اس کے پاس آ کر تیز لہجے میں بولا۔

"پاپا میں آ گیا۔" احمد نے مسکراتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ارون سکتے کے عالم میں اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"تم کس کے ساتھ آئے ہو کیا پھوپھو لائی ہیں تمہیں یہاں؟" ارون ایک نظر روتی ہوئی نائمہ کی جانب دیکھ کر بولا۔

"ارملہ آنٹی کے ساتھ آیا ہوں وہ ماما سے ملنے گئی ہیں۔" احمد کی بات سن کر ارون کے قدم لڑکھڑائے، وہ خود کو سنبھالتے ہوئے وارڈ کی جانب بھاگا۔ سامنے ارملہ کو بستر پر لیٹا دیکھ کر اس کا سر چکرا کر رہ گیا، وہ اس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ خون دے کر وہ اس کے پاس سے نظریں جھکا کر گزر گئی البتہ اس کی خاموش آنکھوں سے آنسو بہہ کر زمین کو تر کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے نازش کا آپریشن شروع کیا اور کچھ دیر بعد ارون کو بیٹی کا باپ بننے کی خوش خبری سنائی اور کہا کہ اگر وقت پر بلڈ کا انتظام نہ ہوتا تو اسے ماں یا بیٹی میں سے کسی کو کھونا پڑتا۔ ارون کی آنکھوں سے خوشی اور ندامت کے آنسو بہنے لگے تھے۔ نائمہ نے آگے بڑھ کر اسے تسلی دی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپی میری اور میرے بچوں کی ذات پر ایسے انسان کا احسان ہوگا جسے میں اس کا حق بھی نہ دے سکا۔" ارون نے بے بسی سے لہجے میں کہا۔

"خود کو سنبھالو ارون یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے، تم نازش کے پاس جاؤ اور میں اس کے لیے گھر سے کھانا پکا کر لاتی ہوں۔" نائمہ نے اسے تسلی دی۔

"آپ نازش کے پاس رکیں آپی، میں کچھ دیر تک واپس آتا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

......●☆●......

وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کیے ساکت حالت میں فرش پر بیٹھی اپنا آپ تلاش کر رہی تھی جسے ارون کی محبت میں کھو بیٹھی تھی۔ رونے کے لیے دل مچل رہا تھا مگر آنسو تھے جو بہنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ کسی نے ہلکے سے کمرے کا دروازہ کھولا اور لائٹ آن کر کے کمرے میں چھائے اندھیرے کو ختم کر دیا۔ ارون عجیب سست قدموں سے ارملہ کی جانب بڑھ کر اس کے مقابل میں بیٹھ گیا تھا۔

"ایم سوری ارملہ....." وہ شرمندہ لہجے میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ اسے جواب دینے کے بجائے وہ اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر کی جانب بڑھی۔ ارون نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"میں تم سے بات کرنے آیا ہوں ارملہ، اپنے اور تمہارے وجود میں ابھرتے غصے اور سوالات کو ختم کرنے آیا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم سے سچ چھپا کر تمہیں دھوکہ دیا ہے مگر تم ہی بتاؤ میں اس وقت کیا فیصلہ لیتا؟ نازش ماں بننے والی تھی، میں اسے طلاق کیسے دے سکتا تھا اور اگر تم سے شادی پر انکار کرتا تو قاہر بھائی آپی کو چھوڑ دیتے۔ سب کچھ ٹھیک کرنے کے لیے مجھے یہی راستہ لگا۔ تم سے ماں بننے کا اختیار چھین کر تمہیں جو اذیت دی ہے میں تمہارا مجرم ہوں، تم جو سزا دو گی مجھے قبول ہو گی۔" ارون نے اس سے اپنے ہر جرم کا اعتراف کیا۔ ارملہ [illegible]



برداشت نہ کر سکی اور بے اختیار آنسو آنکھوں سے جاری ہو گئے۔

"سچ کہا آپ مجھے پہلے بتا دیتے ارون تو میں خود خوشی سے نازش کو گھر واپس لے آتی۔ اتنی بری نہیں ہوں میں ارون جتنا آپ نے مجھے سمجھا۔" وہ نظریں جھکا کر آہستگی سے بولی۔

"تم بری نہیں ہو ارملہ، میں ہی کمزور تھا جو اپنی دونوں بیویوں کو برابر کے حقوق نہ دے سکا مگر اب میں سب ٹھیک کروں گا، تم قاہر بھائی کے سامنے میرا ساتھ دینا اگر میں نازش کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو سکا تو تمہیں بھی خود سے جدا نہیں ہونے دوں گا۔" ارون کی آنکھوں میں پہلی بار اپنے لیے محبت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کے سات سالوں سے بے چین دل کو قرار مل رہا تھا۔

کچھ دن بعد نازش گھر واپس آ گئی تھی، ارون اسے ارملہ کے گھر لایا تھا۔ سب دونوں بیٹی کی خوشیاں منا رہے تھے۔ ارملہ اور نازش نے بھی ایک دوسرے کو دل سے قبول کر لیا تھا کیونکہ ان دونوں کی منزل ارون ہی تھا۔ قاہر بزنس کے سلسلے میں ایک ماہ کے لیے دبئی گیا ہوا تھا، وہ بنا اطلاع دیے ہی پاکستان واپس آ گیا تھا۔ ارون اور نازش لان میں ایک ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چہل قدمی کر رہے تھے، گھر میں داخل ہوتے ہی قاہر کی نظر ان پر پڑی۔ وہ تیز قدموں سے ان کی جانب بڑھا۔ نازش کا ہاتھ چھوڑ کر ارون، قاہر کے سامنے کھڑا ہوا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی جذبات میں بہک کر قاہر نے اسے تھپڑ مار دیا۔ نازش گھبرا کر گھر کے اندرونی جانب بڑھی، ارملہ اور نائمہ کو سب بتایا وہ بھاگ کر باہر آ گئیں۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے ارملہ؟ کون ہے یہ لڑکی جو ارون کے اس قدر قریب ہے۔" قاہر نے ارملہ سے پوچھا۔

"یہ نازش ہے ارون کی پہلی بیوی۔ پلیز بھائی، اب آپ غصہ مت کرنا۔" ارملہ نے ہمت جتا کر قاہر کو سب سچ بتایا۔

[illegible] سے بے وقوف بناتے رہے ہو، چھوڑوں گا نہیں میں تم دونوں کو۔" قاہر وحشت زدہ لہجے میں ارون پر گرج کر بولا۔

"چلو ارملہ اس دھوکے باز انسان کے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ارملہ کی مرضی جانے بنا ہی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب بڑھا۔ ارون اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دیں قاہر بھائی آپ سے جھوٹ بولنا میری مجبوری تھی، آپ نے میرے لیے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا تھا، ارملہ سے شادی کرنے کا مقصد اپنی بہن کا گھر بسانا تھا مگر اب ارملہ میری بیوی ہے۔ میں اسے چھوڑ کر دوبارہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ آپ بھی جذبات میں بہک کر ایسا قدم مت اٹھائیں۔" ارون کی بات سن کر قاہر نے ارملہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ کر اس کی رضامندی پوچھنے لگے۔

"میں آپ کی فکر سمجھتی ہوں بھائی مگر ارون سے جدا ہونا میرے لیے مشکل ہے۔" وہ اپنی آنکھوں میں آنسو روک کر آہستگی سے بولی۔ قاہر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے ارملہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو مجھے ارون کی پہلی شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔" قاہر کے فیصلے نے سب کو مطمئن کر دیا۔

کچھ دن بعد ارون اپنی مکمل فیملی کے ساتھ اپنے اصلی گھر، اپنے خوابوں کے محل لوٹ آیا تھا، نازش نے اپنی گڑیا ارملہ کے حوالے کر دی تھی، ان کے نزدیک اسے نئی زندگی ملنے کا وسیلہ بننے والی ارملہ ہی تھی۔

کس طرح گزری جدائی اور سفر کیسا لگا
اتنی مدت بعد آئے ہو تو گھر کیسا لگا
خواہشوں کا اور جذبوں کا اثر کیسا تھا
سچ بتاؤ خود کو تنہا جان کر کیسا لگا

طلوعِ سحر: بیسویں صدی کی آخری دہائی کی سحر کے ملگجے راستوں اور شاہراہوں کے قصبے کی سحر خوب صورت سحر کا آغاز ہوا۔ سورج کی پو پھوٹنے سے پہلے بانگِ فجر کے بعد کچے مکانوں کی لالٹینیں روشن ہوئیں۔ کسان اپنی زمینوں کی جانب روانہ ہوئے اور گھریلو خواتین مٹی کی چاٹیوں میں دودھ ڈال کر اور چھوٹی کی مدد سے لسی اور مکھن تیار کرنے لگیں۔ کم سن بالی لڑکیوں نے منہ کے آگے چادروں کے پلو سرکائے اور کمر پر مٹکے اٹکا کر گاؤں کے بڑے کنویں کی راہ لی۔

کچی پگڈنڈی الہڑ دوشیزاؤں کی قطاروں سے لہک اٹھی۔ جلترنگ آوازوں سے کھیت چہک اٹھے۔ ہر شے معمول کے مطابق تھی، صدیوں سے جو ریت چلی رہی تھی زمانے کا وہی فسوں قائم تھا۔ بس ایک وہ ہی نہ تھی۔ دور کہیں کے کھیت کے سرے پر کھڑے اس نے بادلوں کو چیرتے سورج کو دیکھا۔ سب حکایتیں، روایتیں، وقت کی کڑیاں اور ساعتیں رواں دواں تھیں۔ بس ایک اس کی ہی زندگی ایک ڈگر پر رک گئی تھی اور آگے بڑھتی بھی کیوں بھلا، وہ جس کے ساتھ زمانوں کا سفر طے کرنا تھا وہ تو بیچ منجدھار دغا دے گئی۔

اس نے دیکھا ایک کم سن بچی کسی عورت کے ہمراہ بھی کا سا چاپائی سیک چال چلتے ہوئے کنویں سے پانی بھرنے جا رہی تھی۔ اسے یاد آیا وہ بھی تو ایسی ہی تھی من موجی، گھر بھر کی لاڈلی، زمان و مکاں کی فکر سے بے نیاز۔

♥ ♥

وہ مٹکتی، چہکتی بے پروائی سے بڑی بہن کے ساتھ کنویں تک پہنچی اور اس کی آمد پر کنویں سمیت بالی لڑکیوں کا پورا مجمع جھوم اٹھا، محفل اٹھا اور کیوں نہ جھومتا۔ وہ گاؤں کی سب سے لاڈلی اور حسین لڑکی تھی۔ گھٹنوں تک آتے ریشمی سیاہ بال جو ہمیشہ چوٹی میں گندھے رہتے، دودھیا سپید چمکیلی رنگت، کھلی کھلی بھوری آنکھیں جو ہمہ وقت سرمے کے ڈوروں سے سجی رہتیں، چھوٹی سی ناک جس میں ننھے برابر سونے کی لونگ قید تھی، بھرے بھرے کٹاؤ والے گلابی ہونٹ کہ حرکت کرنے پر دنیا تہہ و بالا کر دیں۔

بالی بالی سب لڑکیاں اپنے اپنے مٹکے بھر رہی تھیں جبکہ وہ اونچے ٹیلے پر بیٹھی چنے چبا، پھانک رہی تھی اور لڑکی بے پروا انداز سے ہر ایک کی بات کا جواب دے رہی تھی۔

"چل گڈی نکلیں، دن چڑھ گیا تو اباجی ناراض ہوں گے۔" کمر پر مٹکا اٹکاتے اس سے چند سال بڑی عمر کی لڑکی نے اسے پکارا جس پر وہ اٹھی۔ ایک ادا سے چٹیا پیچھے جھٹکی اور چل دی۔

"تو بھی گھڑا بھرنا سیکھ لے گڈی، سنا ہے تو پورے اٹھارہ کی ہو گئی ہے اور تیرے لیے رشتے دیکھے جا رہے ہیں۔" اس جملے پر وہ رکی اور ایسے پلٹی کہ دوپٹا سر سے ڈھلک کر کندھوں پہ آ گرا۔ کینہ توز نظروں سے چھیمو کو دیکھا۔

"گھڑا بھرنا سیکھتی ہے گڈی کی جوتی۔ اللہ ایسا گھر دے گا جہاں نوکروں کی ریل پیل ہو گی اور دس دس نوکریں گھڑا بھرنے کو کھڑی ہوں گی۔ تم اپنی فکر کرو اس سال بھی گھر والے کو خوش خبری نہیں دی، کہیں اس کنویں میں تجھے نہ بھر دے۔" بدلحاظی سے کہتی وہ اپنی ہم جولی کے ساتھ چلنے لگی۔ اچانک گھر کو جاتی سرخ اینٹوں والی گلی کو مڑنے کے بجائے وہ رک گئی۔ چھیمو پاس سے گزری تو ہاتھ مار کر اس کا مٹکا گرا دیا۔ ایک چھناکے سے مٹکا ٹوٹ گیا تھا۔ پانی پیروں میں بہنے لگا اور وہ غصیلی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"اللہ غارت کرے تجھے گڈی۔" اس کی آواز میں طیش ہی طیش تھا۔

"گڈی اللہ کو بڑی پیاری ہے تو اب جا اور اپنی خیر منا اور دیکھ کون غارت ہوتا ہے۔ آ کھڑ عمر کی میری تو کیا کیا کرتی ہوں میں۔" باقی کی لڑکیوں نے دکھ سے چھیمو کو دیکھا جس نے اپنے ہاتھوں شامت بلوائی تھی۔ جب وہ جانتی تھی گڈی کیسے مزاج کی مالک ہے آخر ضرورت ہی کیا تھی اسے چھیڑنے کی آج کل تو ویسے بھی وہ بہت چڑچڑی ہو رہی تھی۔ اس گاؤں کا دستور تھا لڑکی پیچھے ہی سولہ سے اٹھارہ سال کی ہوتی اسے بیاہ دیتے۔ وہ بھی اٹھارہ کی ہو چکی تھی اور تب سے مسلسل بیاہ نامہ سن سن اس کے کان پک گئے تھے اور یہ غصہ اس قسمت ماری چھیمو پر نکل گیا۔

……♥……♥……

چولہے میں سوکھی لکڑیاں ڈالتے ہی آگ تیز ہوگئی۔ نازو چاچی نے توے کا پانی چڑھایا اور چھبی میں روٹیاں ڈال ڈال کر سیما کو دیں جو وہ چار پائیوں پر بیٹھے مرد حضرات کے سامنے رکھ رہی تھی۔ تب ہی تک سک سے تیار ہو کر روشن گھبرو جوان کمرے سے نکلے اور نازو چاچی کے پاس ہی چوکیوں پر بیٹھ گئے۔ سرخ اینٹوں والا کچا صحن مگر کشادہ گھر صبح صبح کی ٹھنڈی ہوا کی لپیٹ میں تھا۔ ماحول کی خوشگواریت چہروں پر بھی تھی مگر روٹیاں دیتی سیما کا چہرہ تناؤ کا شکار تھا۔

"میں بتائے دے رہی ہوں کل سے میں گڈی کو ساتھ کنویں پر نہیں لے کر جاؤں گی۔" ابا جی کے سامنے چھبی رکھتے ہوئے وہ بلند آواز سے بولی اور اس کے جملے پر جو جہاں تھا وہاں ساکن ہو گیا۔ ہاتھوں کی حرکت تھم گئی تھی۔

"کیوں...... اب کیا کر دیا اس نے۔" سوال نازو چاچی کے پاس بیٹھے دو لڑکوں میں سے ایک نے کیا اور دہی کا پیالہ منہ سے لگایا۔

"ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے، عمر کا بھی شرم لحاظ نہیں رکھتی، آج چھیمو کو بانجھ پن کا طعنہ مار آئی اور اس پر بھی دل نہیں بھرا تو صبیا ماری کا مٹکا توڑ ڈالا۔ وہ نمانی اب اپنے بندے سے پٹ رہی ہوگی۔" اور اس گوہر افشانی پر گردنیں تاسف میں ہلیں اور افسوس سے ہتھیلیاں ماتھے پر ماری گئیں۔

"ابا جی کی لاڈلی ہے، انہیں چاہیے کہ کچھ سمجھائیں، سختی کریں ورنہ کل کو پورا گاؤں شکایات کا پرچہ لیے دروازے پر کھڑا ہوگا۔" سیاہ پتلون سفید شرٹ پر سیاہ کوٹ میں ملبوس نوجوان نے ناشتہ مکمل کرتے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو آپ کس روز کام آئیں گے وکیل صاحب۔ پیشی لیجیے گا۔ فیصلہ میرے حق میں سنا کر بات ختم۔" کھلکھلاتی زندگی سے بھرپور آواز کے ساتھ چوبارے کی سیڑھیوں سے پائل کی ابھرتی چھنک پر رک گیا۔ خوب دلجمعی سے تیار ہوئے وہ زینہ اتر رہی تھی۔ ابا، چاچا، چاچی اور اماں جی نے بلائیں لیں۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے تو، اتنی ہمت کسی کی کہ میری دھی کو سزا دے۔" اس نے سب سے پہلے چاچا سے سر پہ پیار لیا اور پھر دھڑام سے ابا جی کے پاس بیٹھ گئی۔

بتول عرف گڈی اس گھر کی لاڈلی اور سب سے چھوٹی اولاد تھی اور وہ اس چھوٹے اور لاڈلے پن کا خوب فائدہ اٹھاتی تھی۔ وہ ملک احمد یار کے بڑے بھائی ملک دلدار اور بانو ماں کی اولاد تھی۔ سب سے بڑی بسم اللہ جو پھوپھو کے گھر بیاہی تھی اور تین بچوں کی ماں تھی۔ اس کے بعد گلزار حسین جو چاچا احمد یار کی بیٹی سیما کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھا تھا اور اگر اس گھر میں کوئی کنوارہ تھا تو وہ دلدار حسین کا لاڈلا بھتیجا وکیل صاحب امان احمد اور چھیتی جان کا ٹوٹا بتول عرف گڈی تھی۔ وکیل صاحب کو تو نکیل ڈالنے میں سب ناکام رہے تھے مگر بتول پر وہ تجربہ ہارنا نہیں چاہتے تھے۔ اس نے جب سے سولہ کا ہندسہ پار کیا اس روز سے ابا اور چاچا اس کے لیے اچھا گھر ڈھونڈ رہے تھے مگر کوئی تسلی بخش رشتہ نظر میں نہیں آ رہا تھا اور اس کی آئے دن بڑھتی شرارتوں اور کارناموں سے اماں سخت پریشان تھیں۔ پریشانی کا ایک ہی حل تھا اس کو بیاہ دینا کہ شاید شادی کے بعد کوئی عقل مہارت سیکھ لے مگر ملک دلدار حسین اس کا معاملہ الگ رہے تھے۔ اچھے سے اچھے رشتے میں کوئی نا کوئی نقص نکال کر انکار کر دیتے۔

ہر ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے ان کی بیٹی اچھے گھر جائے، اچھے لوگوں میں جائے، اچھا ساتھ ملے کہ نازوں سے پلی بیٹیاں کانچ کی طرح نازک ہوتی ہیں۔ تتلیوں کی سی ہوتی ہیں، رنگ جچتی ہیں اور گڈی تو پھر آنکھوں کا نور تھی، کلیجوں کی ٹھنڈک، ہر فرد اس کے لیے ذرا سی بھی کوتاہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

……♥……♥……

صحن میں لگے سایہ دار درختوں تلے بیٹھے وہ دو ہم [illegible]

ہاتھ لگا کھا رہے تھے جب اچانک ابا جی نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ جو سیما کی پلیٹ سے آنکھ بچا کے آم کی قاش ہتھیا رہی تھی ابا جی کی آواز پر ڈر گئی۔ ہاتھ آئی پلیٹ کے کنارے پر لگا اور پلیٹ سمیت زمین بوس۔ اس نے بے چارگی سے ابا جی کو دیکھا۔ سیما اور گلزار اس کی شکل دیکھ کر ہنس ہنس کر دہرے ہو گئے تھے۔

"اسی لیے کہتے ہیں جتنا ملے اس پر صبر شکر کرنا چاہیے ورنہ اپنا بھی چھن جاتا ہے۔" چاچی نے اٹھ کر پلیٹ اٹھائی اور اپنی پلیٹ اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ وہ اس عنایت پر خوش ہوئی اور پلیٹ لیے ابا جی کے پاس آ گئی۔

"تجھے پتا ہے ناں ہم تیرے رشتے کے لیے کتنے پریشان ہیں، کوئی ڈھنگ کا تیری دھی کے لائق رشتہ نہیں نظر میں آ رہا۔" ابا جی نے بنا کوئی تمہید باندھے بات شروع کی، اس نے لاپروائی سے بات سنی اور پھرتی سے آم کھاتی رہی۔

"ہو جائے گا میرا بیاہ بھی ابا جی، کیا میں آپ لوگوں پر بھاری پڑ گئی ہوں۔" ڈنگروں کی طرح کھاتے اس نے ہاتھ منہ گندے کر لیے تھے۔ اماں نے ماتھے پر ہتھیلی ماری تھی۔ اس میں اور بسم اللہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ بڑی سلیقہ مند اور سگھڑ لڑکی تھی جبکہ بتول عرف گڈی نے اماں کی ہمیشہ ناک ہی کٹوائی تھی اور نا جانے کب تک کٹوانی تھی۔

"نہ میری دھی بیٹیاں بھلا ماں باپ پر کب بھاری ہوئی ہیں لیکن پتر......"

"تو پھر چھوڑیں لیکن ویکن...... اپنا وکیل صاحب بھی تو چھڑا چھانٹ پھر رہا ہے میری بھی خیر ہے۔"

"پتر وہ مرد ہے، مردوں کی عمر کوئی نہیں دیکھتا، وہ پچاس کے بھی جوان ہی رہتے ہیں۔ بیٹیوں کی عمر نکل جائے تو ماں باپ کے لیے بڑی پریشانی بنتی ہے میری دھی۔" گلزار نے اشاروں کناروں سے ابا جی کو منع بھی کیا کہ ابا جی گڈی سے ایسی باتیں نہ کریں مگر وہ تو نا جانے کیا سوچ کر [illegible] کر رہے تھے۔

"میں کون سا بڈھی ہو گئی ہوں۔ مر کے ابھی اٹھارہ کی ہوئی ہوں اور آپ لوگ تو یوں سوگ میں پڑ گئے جیسے گنتی کے دن رہ گئے ہوں میرے۔" شاید اسے برا لگا تھا۔ وہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ منہ صاف کرتی۔ بے دھیانی میں اٹھی تھی۔ گود میں رکھی چھلکوں کی پلیٹ ابا جی کے حقے سے ٹکرائی اور حقہ سرخ اینٹوں کے پیروں کے تلے کو نکل کر دور دور تک پھیل گئے تھے۔

"دھیان سے گڈی۔" سیما اور چاچی ایک ساتھ بھاگ کر اس تک آئی تھیں۔

"منع کرتے ہیں تجھے الول فول جو منہ میں آتا ہے نہ بولا کر۔ جل جاتی تو کیا ہوتا۔" چاچی نے فوراً ہاتھ پکڑ کر اسے کوئلوں سے دور کیا اور غل تک نہ لیتے کہ گھر کے داخلی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ لکڑی کا بند کواڑ کھلا اور وکیل صاحب داخل ہوئے۔

"کیا ہوتا اگر جل جاتی...... پھر مر جاتی۔" اس نے منہ بسورتے کہا اور جھک کر پانی منہ پر مارا۔ وہ جس نے ابھی گھر کی دہلیز میں قدم رکھے تھے اس کی بات سن کر وہیں ٹھہر گیا جبکہ چاچی نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"مریں تمہارے دشمن، خبردار ایسی بات پھر کی۔"

"دشمن کیوں مریں، جان عذاب میں میری آئی ہوئی ہے۔ شادی، شادی، شادی اور کوئی بات ہی نہیں رہ گئی۔ اچھا ہے ناں مر جاؤں جان چھوٹے۔" الگنی سے تولیہ اتارا اور منہ صاف کرتے جل بھن کر بولی کہ بجائے بڑوں کے پاس جانے کے وہ اس کے قریب آیا۔

"مزاج اتنے برہم کیوں ہیں جناب؟" اس کے ہاتھ سے تولیہ لے کر سلیقے سے الگنی پر پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔ وہ اس سے دس سال بڑا تھا اور اس کا قد اتنا بڑا تھا کہ گڈی اس کے کندھوں تک آتی تھی۔ وہ جانتا تھا اب تولیہ لٹکانے کے لیے مشقت کرے گی سو اس کو سہولت بخش دی۔

"آپ رہ گئے تھے آپ بھی ہو جائیں شروع، جانتی ہوں کتنی جلدی ہے آپ کو میری شادی کی پھولے [illegible]

"یہ تو ایک انسان کا حق کہہ رہی ہے ناں۔" گلزار نے اسے کہنی سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔

"ہاں..... ایک ہی سے شادی کرنی ہوتی ہے۔"

"پھر اتنی خوبیوں والا ایک انسان کہیں سے نہیں ملنے والا۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے۔" چاچی کی بات سن کر اس نے منہ بسورا۔

"تو نے جو معیار بتایا بہن یہ تو کوئی آرڈر پر تیار ہو جبکہ انسان آرڈر پر تیار نہیں ہوتے۔ اللہ کی مرضی سے تخلیق ہوتے ہیں۔" گلزار نے اس کے گال کھینچ کر مسکراتے ہوئے کہا جس پر وہ ہونہہ کہتی منہ پھیر گئی۔

"کیوں نہیں ہوتے..... ہوتے ہیں..... اپنے وکیل صاحب کو ہی دیکھ لیں، ایسا کمال کا آدمی ہے۔ وہ ایک بار شادی کی ہامی تو بھرے کوئی لڑکی اس کے لیے انکار نہ کرے۔" اس کے منہ میں جو آیا وہ بول گئی۔ بنا سوچے سمجھے۔ ان تینوں کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس نے زیادہ عقل مندی دکھاتے خود کو ہی پھنسا لیا تھا۔

"ادھر میرے پاس آ۔" اباجی نے اسے اپنے پاس بلایا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"تو نے خود کہا ہے امان کمال آدمی ہے اس کے لیے کوئی انکار نہیں کرے گا۔"

"ہاں ابا۔"

"مگر تجھ سے کہیں امان کی دلہن بن جا تو بھی انکار نہیں کرے گی۔" اباجی کی بات سنتے وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور حیرت سے انہیں دیکھا۔ کتنے لمحے کتنی ہی دیر تک دیکھتی رہی۔

"ملک دلدار حسین..... دلداری نبھاؤ۔ یاری کی آڑ میں دشمنی نہیں۔" جب بھی کبھی اس کی مرضی کے خلاف بات کی جاتی وہ اباجی سے یہی مخصوص جملہ بولا کرتی تھی۔

"دلدار حسین نے دشمنوں سے بھی دلداری کی ہے پھر دل کے یار سے دشمنی کیوں کر نبھائے گا۔"

"ابا میں نے تو بس ایک بات ہی کی تھی مثال دی تھی۔"

"مسئلہ کیا ہے، امان اچھا ہے، تیرے نخرے مجھ سے زیادہ اٹھاتا ہے، تو اس کی لاڈلی بھی ہے۔ وہ تیری شرارتیں ہنس کر سہہ جاتا ہے پھر کیوں نہیں۔" گلزار نے اسے کندھوں سے تھام کر دوبارہ اباجی کے ساتھ جگہ بناتے اپنے پاس بٹھایا اور پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں نے ہمیشہ آپ ہی کی جگہ دی ہے اسے، ویرجی اور وہ تو اتنے بڑے ہیں مجھ سے دل سے بہن مانتے ہیں مجھے، نہ کریں، دیکھنا وہ بھی نہیں مانیں گے۔"

"وہ نہیں کرے گا۔" کیا انداز تھا چاچے کا، پر یقین کہ ان کا سپوت ان کی بات پر سر جھکائے چپ چاپ لبیک کہہ دے گا۔

"لیکن چاچا....." وہ منمنائی۔ اس کا دل بھر آیا اور اسے رونا آیا۔

"ہم تجھے دور نہیں کرنا چاہتے گڈی تو تو ہمارے آنگن کی رونق ہے، پھول ہے، خوشبو ہے۔ تیری دوری ہمیں مار ڈالے گی۔ امان کے لیے مان جا میری شہزادی، اپنا وکیل شہزادہ ہے شہزادی۔ تجھے پھولوں کی طرح رکھے گا تو آنکھوں کے سامنے رہے گی تو ان جانوں کو سکون ملے گا۔" مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہاتھوں کے پیالے میں منہ چھپا کے رو دی۔ ابا نے اس کا سر سینے سے لگا کر ہولے سے تھپکا۔

"تجھے پتا ہے ناں تیرے رونے سے دلدار حسین کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ نہ کر گڈی، کوئی زور زبردستی نہیں ہے تو تسلی سے سوچ لے اور سوچ سمجھ کے جواب دے میری شہزادی۔" اس نے ابا کے بازوؤں سے سر نکالا اور بھاگ نکلی۔ وہ برآمدہ پار کر رہی تھی جب سامنے سے وکیل صاحب آئے اور اس کا راستہ روک لیا۔

"ارے ارے..... کیا ہوا، رو کیوں رہی ہے، کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" [illegible]



جس پر وہ اور شدت سے رو دی۔

"جا کر اپنے اور میرے اباجی سے پوچھیں۔" کہتے ہوئے وہ ایک طرف سے نکل کر چوبارہ چڑھ گئی جبکہ وہ ہونقوں کی طرح اس کو جاتا دیکھتا رہا پھر جلدی سے اباجی کے کمرے میں آیا۔

"گڈی کو کیا ہوا؟ کس نے رلایا ہے اتنا زیادہ..... اباجی وہ بہت رو رہی تھی۔" اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ اس نے ایک ہی سانس میں سوال کر ڈالے تھے۔ تینوں نے اسے دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی ہی پریشانی تھی۔

زندگی میں ہمارے ساتھ بہت کچھ غیر متوقع ہو جاتا ہے۔ کوئی خوشی، کوئی غم بالکل اچانک ملتے ہیں۔ اتنے اچانک کہ سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ ملک امان احمد یار کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونے والا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو نشست گڈی کے ساتھ بیٹھی تھی وہی امان کے سر ہو گئی تھی۔

..... ♥ ..... ♥ .....

اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا، ہاتھوں میں لرزش تھی، چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ بہت آہستگی سے دروازہ بند کیا اور کوٹ اتار کر سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے شیشے میں ابھرتا اپنا عکس دیکھا۔ اونچا لمبا، بھرا وجود، جوان، گورا چٹا سوہنا مکھڑا مگر اس ہوشربا کے حسن سے ذرا کم۔ پڑھا لکھا، اچھی نوکری، سلیقہ شعار، تیز طرار، لاڈ اور نازنخرے اٹھانے والا۔ اس کی گنوائی ساری خوبیاں اسے اپنے اندر نظر آئی تھیں۔ وہ ہولے سے ہنس دیا اور ایک گہرا سانس خارج کرتا پلنگ پر دراز ہو گیا۔ آخر اس کی کئی سالوں کی دلی مراد پوری ہو گئی تھی۔

جب دلدار ابا اور احمد ابا نے اس سے گڈی کو اپنانے کی بات کی اس کو تو کئی لمحے سماعت پر یقین نہ آیا۔ اس کے ابا غلط نہیں تھے۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے ہاں میں جواب دے گیا اور اب اسے اپنا سوچنا ہی کتنا خوش کن خیال تھا وہ بیان کرنے سے قاصر تھا۔ اس کا دل جھوم رہا تھا۔ آنکھیں بند کیں تو جھٹ سے سامنے آ گئی۔ موہنی صورت خیالوں میں ابھر آئی۔ وہ ہنس دیا۔ مراد بر آئی۔ ہنسنا واجب ہوا چاہتا تھا۔

..... ♥ ..... ♥ .....

سب ہی لوگ رات کے کھانے پر موجود تھے۔ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ باہر سے لوٹا تھا۔ بیسن پہ ہاتھ دھوئے اور تازو چاچی کے پاس آن کر چوکی پر بیٹھ گیا۔ گردن گھما کر ارد گرد دیکھا۔ کچھ ادھورا تھا۔ خالی سا۔ اس نے سر اٹھا کر چوبارے کی طرف دیکھا جہاں سیما اترتی دکھائی دی۔ اس نے پھر سر بلند کیے چوبارے کو دیکھا۔

"گڈی کہاں ہے، اس نے کھانا نہیں کھانا؟" اس کی غیر موجودگی دریافت کرنا اس کی عادت تھی۔ سب ہولے سے ہنس دیے۔

"دوپہر سے خود کو کمرے میں بند کیے بیٹھی ہے۔ دس بار بلا چکی ہوں نہیں کھولتی دروازہ۔" گلزار کے ساتھ تھال میں روٹی لیے کھڑی سیما نے جواب دیا جس پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"حد کرتے ہیں سب، حبس میں دم گھٹ گیا ہو تو۔" وہ تیزی سے وہاں سے نکلتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ ایک دم سے سب کے چہرے ہشاش بشاش ہو گئے تھے۔

"ہم نے یہ پہلے فیصلہ کیوں نہ لیا۔ ایسے ہی باہر تاکتے جھانکتے رہے۔" تازو نے توے پر روٹی ڈالتے کہا۔ وہ گڈی کے لیے اس فیصلے پر دل سے خوش تھیں۔ بھلا امان سے اچھا لڑکا انہیں کہاں ملنا تھا اور دوسرا اپنی لاڈلی نظر کے سامنے رہتی تھی۔

"میرے دل میں تو بڑے وقتوں سے خواہش تھی مگر میں چپ تھی کہیں امان انکار نہ کر دے۔" تازو چاچی تو سب سے بھی زیادہ خوش تھیں۔ اپنی بھتیجی لاڈلے بیٹے کو مل گئی اس سے بڑی خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

..... ♥ ..... ♥ .....

وہ کتنی دیر تک دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ پیار سے دروازہ کھولنے کی گزارش کرتا رہا مگر وہ بھی بلا کی ضدی اور اڑیل

تھی۔ ایک گزارش پر بھی کان نہ دھرا آخر ہار مانتے وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے مت کھولو، نہ کھاؤ کھانا، میں بھی نہیں کھاؤں گا اور ساری رات، صبح سارا دن نہیں یہاں سے ہٹوں گا جب تک تم دروازہ نہیں کھول لیتیں۔" دھمکی کارآمد ثابت ہوئی اور اس نے جاہلانہ انداز میں پٹ کھول دیے۔

"کیا مصیبت ہے، جاتے کیوں نہیں آپ۔ دماغ کیوں چاٹ رہے ہیں۔"

"درست..... تم جان نکال لو اور میں دماغ بھی نہ چاٹوں۔" وہ دروازے میں پھیل کر کھڑی تھی۔ وہ آہستہ سے چلتا قریب ہوا اور ایک جھٹکے سے پٹ ہاتھ کی گرفت سے آزاد کیا اور اندر داخل ہو گیا۔

"مجھے تمیز کے سبق پڑھاتے ہیں، یہ کیا طریقہ ہے؟"

"کمرہ بند کیوں تھیں؟" وہ پھیل کر اس کے پلنگ پہ بیٹھ گیا ایسے جیسے وہ اس کی ہی تو ملکیت تھا جبکہ وہ بہت کم اس کے کمرے میں آتا تھا۔ وہ ارد گرد کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا جب وہ اس کے پیچھے پلنگ پر بیٹھ گئی اور بازوؤں کے ہالے میں گھٹنوں کو قید کیا۔

"جواب نہیں دیا تم نے گڈی، کھانے سے کیسی ناراضی۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھا اور رخ اس کی جانب موڑا۔ پلنگ کی ایک طرف وہ تھا جبکہ دوسری طرف گڈی۔

"مجھے بھوک نہیں۔"

"بھوک کیوں نہیں۔"

"مجھے نہیں پتا۔" اور جواب دے کر اس نے سر گھٹنوں میں دے دیا۔

"تو پھر کسے پتا ہے؟" اور بس وہ اتنا ہی برداشت کر سکتی تھی۔ وہ دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی سسکیوں کی آواز پر وہ حیرت سے اٹھا اور گھوم کر اس کی طرف پہنچا۔

"رو کیوں رہی ہو..... ہوا کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" مگر اسے رونا تھا اور وہ روتی رہی، وہ کیوں اتنا رو رہی تھی وجہ اسے خود کو معلوم نہیں تھی۔

کبھی کبھی ہم انسان ایسی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہمیں خود کو وجہ سمجھ نہیں آتی۔ دماغ کوئی جواب، کوئی حل جان نہیں پاتا۔ عجیب بے کلی اور بوجھ سا دل پر پڑا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سچ ہے ہر کیفیت کے پیچھے کوئی وجہ ہوتی ہے۔ ٹھوس وجہ، ذرا پردے میں تھوڑی سمجھ سے باہر کیفیات کی جڑ دل میں کتنا وقت پہلے پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ ہم اس امر کو، لمحے کو کیفیت کو اپنی مرضی کے مطابق نام دیتے ہیں۔ وہ بھی نام دینے سے قاصر تھی، پہچان سے انجان تھی۔

"دیکھو گڈی میرا دل بیٹھا جا رہا، بس کرو اور بتاؤ کیا ہوا ہے؟" اور اس نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔ پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا آنکھیں رو رو کے گلابی ہو چکی تھیں۔ امان کو لگا اس کا دل کسی بھاری سل کے نیچے دب گیا ہو۔

"ابا جی سے نہیں پوچھا۔" ہچکیاں لیتے ٹوٹ کر الفاظ ادا ہوئے تھے۔

"نہیں تم جاؤ۔" کاش اس کے پاس اختیار ہوتا اور وہ اس کے سارے اشک چن لیتا۔

"ابا جی اور چاچا سب چاہتے ہیں......"

"کیا چاہتے ہیں؟"

"میں..... میں آپ سے بیاہ کے لیے مان جاؤں۔"

وہ کہہ کر دوبارہ منہ چھپا کے رو دی۔ وہ بے بس تھا مگر اتنا بھی نہیں، ہاتھ بڑھا کر اس کا سر اوپر اٹھایا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" اور تھوڑی سے پکڑ کر چہرہ بلند کیا۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسو اس کے ہاتھ پر گرے تھے۔

"میں کیسے کر سکتی ہوں آپ سے شادی، آپ تو امان ہیں..... مالی ویر۔"

"بس..... یہی وجہ ہے۔"

"تو اور کیا ہونا چاہیے۔" وہ چپ ہو گئی تھی۔ بھلا وہ کام کیا تھا۔

"تو کوئی وجہ نہیں، میں کون سا تمہارا سگا ویر ہوں! کیا تمہیں اچھا نہیں لگتا میں کوئی پرایا بن کے آؤں اور تمہیں مجھ میں....." اس نے آنکھوں میں جھانکتے سوال کیا۔ وہ کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"میں نے ایسا کب کہا۔" نگاہ چراتے جواب دیا۔

"تو پھر..... یہ ستانے کا مقصد؟"

"آپ کو کوئی اعتراض نہیں، آپ مان گئے ہیں؟"

"ہاں..... اور مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا۔"

"آپ سے کئی برس چھوٹی ہوں، تعلیم بھی نہیں ہے، کوئی کام نہیں آتا۔ پھوہڑ ہوں، تنگ کرتی رہتی ہوں۔ پھر بڑی بھی نہیں آتی اور آپ کے جتنا پیاری بھی نہیں ہوں پھر بھی۔"

"ہاں پھر بھی اور کیا پہلے کبھی میں نے ان سب باتوں پر اعتراض کیا ہے..... نہیں ناں تو پھر کیوں سوچتی ہو ایسا۔"

"میں..... کچھ نہیں، مجھے نہیں پتا کیوں۔" وہ گڑبڑاتے ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی اور پھر سے سسکیاں بھرنے لگی۔

"گڈی۔" اس نے بڑھ کر حصار میں لیا اور سر تھپکا۔

"اچھا ٹھیک ہے، رونا بند کرو جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔ بس بہت ہو گیا رونا دھونا، شاباش نیچے آؤ سب پریشان ہیں۔" بڑی مشکل سے وہ اسے بہلا کر نیچے لایا۔ سب نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ چند گھنٹے اس کی شکل نہ دیکھ کر سب ہی گھبرا گئے تھے۔

♥ ♥

کئی سورج چڑھے، کئی چاند ڈھلتے گئے۔ چند دنوں کے لیے شادی نامہ بند کر دیا گیا تھا اور یہ امان کا حکم تھا۔ وہ اسے وقت دینا چاہتے تھے۔ اتنے لاڈ اور نازوں سے پالی پروا کوئی زور زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ چپکے سے اباجی کے پاس آئی اور انہیں اپنی مرضی سے آگاہ کر دیا۔ جیسے ہی اس کا جواب سب کو معلوم ہوا وہ ہر رنگ شوں والا مکان چہک سے مہک اٹھا تھا۔

گھر کی بات تھی سو دیر کرنا معیوب سمجھا اور ایک ماہ کے اندر نیک کام نبٹانے کا فیصلہ ہوا۔ وکیل صاحب کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا، لبوں پر چھائی مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہ ہوتی اور مسکراہٹ کی وجہ کو اس کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا کہ ایسے لڑکیوں کو روپ نہیں آتا مگر وہ چوبارے کی کھڑکی سے چھپکے چھپکے اسے آتے جاتے دیکھ لیتی تھی۔ کئی بار دل چاہا اسے پکارے اور فرمائش کرے جا کر اسے قید سے نکالے، اسے کنویں پر جانا ہے، پگڈنڈی کی دھول اڑانی ہے، کھیتوں کا سبزہ چھونا ہے اور وہ جو پہلے اسے لے جاتا تھا اب بھی لے جائے مگر ہائے رے ظالم سماج۔ اماں جی تو چوبیس گھنٹے اس پر پہرہ دیتی تھیں۔

♥ ♥

پورا مکان روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ خوشیوں سے چھپا رہا تھا۔ اسے نکاح کے بعد وکیل صاحب کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا کمرہ تھا یا کسی محل کا خوب صورت خواب گاہ اور وہ شاندار خواب گاہ صرف اسی کے لیے تیار کی گئی تھی۔ کمرے میں جا بجا گلاب کے پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ سیما ڈھیروں ہدایات دیتی اسے پلنگ پر بٹھا کر چلی گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی گڈی بیگم نے گھونگھٹ اٹھایا اور دھڑام سے پلنگ پر گر گئی۔ ایک تو جوڑا اتنا بھاری، اوپر سے زیور اور پھر کئی گھنٹوں سے وہ کٹھ پتلی بنی بیٹھی تھی، اب اسے غشی کے دورے پڑنے والے تھے۔ اچانک لیٹے لیٹے اس کے شیطانی دماغ کو کچھ سوجھا وہ جھٹ سے اٹھی اور پرس سے مطلوبہ شے نکالی اور پھر اپنے مشن پر کام شروع کر دیا۔

وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا شہزادوں کی سی آن بان لیے جس نے پوری خلقت فتح کر لی ہو۔ خوشی سے لبریز دل کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا، آہستگی سے چٹخنی چڑھائی اور فاتح کی چال چلتا پلنگ کے قریب پہنچا۔ کمرے میں ایک دلکش سا سکون قائم تھا۔ اس کا گھونگھٹ والا سراپا والہانہ نظروں سے دیکھتے ہر طرف پھیلی مہک اندر اتاری اور پلنگ کنارے بیٹھ گیا، جیسے ہی بیٹھا کچھ چبھنے سے فوراً کھڑا ہوا۔ دوبارہ کچھ فاصلہ کر کے بیٹھ گیا کہ پھر ایک دم اچھل پڑا۔

گھونگھٹ کے اندر چھپا اس کا چہرہ ہنسی کو ضبط کرتا لال ہو گیا تھا مگر دل میں زور و شور سے کھٹ پٹ جاری تھی۔ وہ کچھ سوچتے پلنگ کی دوسری طرف گیا اور اس سے مخصوص فاصلہ رکھ کے بیٹھ گیا کہ پھر سے اچھلتا ہوا کھڑا ہوا اور بس وہ اتنا ہی ضبط کر سکتی تھی۔ ایک جھٹکے سے گھونگھٹ اٹھایا اور اس کی شکل دیکھتے ہنستی چلی گئی اور امان کو لگا وہ مصر کے عجائب گھر میں رکھے کسی ایک بت کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جامد ہو گیا ہو۔ اس پہ ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ پہلے بلا کی حسین تھی، ذرا سے مزید نکھار پر وہ ہوش اڑانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی پھر اس کی جلترنگ ہنسی کی آواز، کتنی ہی دیر تک وہ مبہوت سا تکتا رہ گیا اور پھر جب ہوش کی دنیا میں لوٹا تو اس کی کارستانی سمجھ میں آئی۔

"تو یہ کارنامہ آپ محترمہ کا ہے۔"

"بالکل..... خاصا ہمارا ہے۔" وہ پھر سے ہنس دی۔

"آج کے خاص دن کو تو بخش دیتیں، آج بھی باز نہیں آ گئیں۔"

"ہم تو ایسے ہی ہیں۔ بڑا بڑھ چڑھ کے قبول کیا تھا تو بھگتیں اب۔"

"تو یہ میرا امتحان تھا۔" وہ مسکرانا چاہ رہا تھا لیکن غصے کا جتانا بھی ضروری تھا۔

"کہہ سکتے ہیں، اچھا باتیں نہیں کریں اور جلدی سے منہ دکھائی دیں۔" بے شرمی اور ڈھٹائی کی آخری حد پھلانگتے وہ بنا گھونگھٹ اوڑھے ہاتھ پھیلائے اس سے منہ دکھائی مانگ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ روکی۔

"ابھی دیتا ہوں تحفہ۔" دروازے کی طرف گیا اور چٹخنی کھول دی۔

"ارے دولہا ہے۔" وہ نا جانے کیا سمجھے جھٹ سے لہنگا سنبھالتے چھلانگ لگاتے اتر آئی۔

"ابھی کے ابھی نکلو باہر۔" اور اگلی بات سن کر ساری خوشی غبارے سے ہوا کی طرح نکل گئی۔ برآمدے میں چند مہمان اور گھر والے بیٹھے تھے۔ امان کو دروازے سے باہر نکلتا دیکھ کر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر بتول کو نکلتے دیکھ کر مزید حیران ہوئے۔ اماں، چاچی اور سیما بھاگ کر ان کے پاس آ گئیں۔ امان کو دیکھتے اس نے آنکھیں مٹکا کر معصوم بن گئی۔ اندر ہی اندر اسے اپنی سبکی عزتی پر رونا بھی آ رہا تھا۔

"کیا ہوا پتر۔" ابا جی بھی وہاں آ گئے۔

"یہ اپنی لاڈلی سے پوچھیں کیا ہوا ہے۔" سب کی گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ یوں سب کے سامنے اسے پیش کرنے پر وہ وکیل صاحب کا چہرہ تکتی رہ گئی۔

"کیا ہوا ہے گڈی۔" گلزار نے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تو وہ سر جھکا گئی۔ اس کی آنکھ سے آنسو ٹپک کر ٹھوڑی تلے آیا۔ اسے چپ پا کر وہ خود ہی بولا۔

"محترمہ نے پورے پلنگ کے گدے میں سوئیاں ڈالی ہوئی ہیں۔" اور اس کی بات سن کر پہلے سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر فلک شگاف قہقہے ایک ساتھ بلند ہوئے۔ گلزار، امان کے تپے چہرے کو دیکھ کر پیٹ پہ ہاتھ رکھتا جھک کر قہقہے لگاتا رہا جبکہ بسم اللہ نے ہنستے ہوئے گڈی کے کندھے پر ایک چپت رسید کی۔

"منع بھی کیا تھا کوئی الٹی حرکت نہ کرنا۔ آخر یہ خرافات تیرے دماغ میں آتے کہاں سے ہیں۔" ابا اسے ساتھ لگائے پیار کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ پیار سے ڈانٹ بھی رہے تھے لیکن اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

"ایک چھوٹا سا مذاق کیا تھا بس۔" اسے امان سے ایسے رویے کی ہرگز توقع نہ تھی۔ سب کے سامنے شرمندہ کر دیا تھا۔

"ہاں اب ساری رات ہمیں گزارو پھر پتا چلے گا مذاق کیا ہوتا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے امان...... پہلے روز ہی کچہری لگا لی ہے۔ دیکھ میری لاڈو کیسے گھبرا رہی ہے۔" تاژو چاچی نے اسے گھورا اور گڈی کو لیے کمرے میں آ گئی۔ بسم اللہ اور سیما نے ٹٹول کر ساری سوئیاں گدے سے نکالیں۔ دونوں کو کئی ہدایات کیے وہ چلے گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا۔ وہ اٹھی اور الماری سے سوٹ نکال کر ساتھ ملحقہ غسل خانے میں بند ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد امان کو احساس ہوا اس نے کیا غلطی کر دی۔

......♥......♥......

ان کی شادی کے چند ماہ بعد ہی سیما اور گلزار کے ہاں پرویز کی آمد ہوئی تھی۔ سیما کا آرام کرنے سے کئی ذمہ داریاں امان نے اس کے سر ڈال دیں۔ آتے گھونٹ بھرنے کو دیا جاتا بدلے میں لیتی تھی۔ ہانڈی چڑھ جانے پر مسالے دار شربت پیش ہوتا۔ اسے تو ڈھنگ سے جھاڑو پونچھا کرنا بھی نہیں آتا تھا، کھانا پکانا تو بہت دور کی بات تھی۔ تاژو چاچی نے بڑا روکا اس سے کام نہ کرایا جائے مگر اماں بھی اس کی ماں تھی۔ ایسے حل نکال رہی تھیں کہ سب گھر والوں کو اس پر ترس آ جاتا۔ سیما تو کئی بار اٹھ کر اس سے کام لے لیتی اور کر دیتی۔ بھلا وہ کام کرنے کے لیے تھوڑی تھی۔

اس نے سارا دن لگا کر بالٹی بھر بھر کر صحن دھویا کہ کمر اکڑ گئی۔ اماں سے سخت خفا ہوتے الماری سے جوڑا نکالا اور نہا کر تازہ دم ہوئی اور سنگھار میز کے سامنے بیٹھی کنگھی کر رہی تھی جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے جلدی سے بال سمیٹنے چاہے۔

"رہنے دو ایسے ہی، اچھے لگ رہے ہیں۔" اس کے ہاتھ سے کلپ لے کر سارے بال کھل کر کمر پر پھیلا دیئے۔

"کیسے سنبھال لیتی ہو ان کو؟" وہ اس کے بالوں کی لمبائی دیکھ کر حیران ہوا۔ جب بھی دیکھا چوٹی میں دیکھا تھا۔ پہلی بار کھلے بال دیکھ رہا تھا۔

"جیسے گھرداری سنبھال رہی ہوں ویسے ہی۔" اس کا مزاج شدید برہم تھا اور وہ بھانپ گیا۔

"مزاج یار اتنا کڑوا کیوں ہے؟" اس نے چپ چاپ کلپ اٹھایا اور بالوں کو باندھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہو گیا ہے گڈی؟" وہ باہر جانے لگی کہ تو اس نے راستہ روک لیا۔ اسے اتنا قریب پا کر وہ ذرا پیچھے ہوئی۔ غلطی سے بھی نگاہ نہ اٹھائی۔

"ایسے نہ دیکھا کریں مجھے ڈر جائیں گے۔"

"خوب صورتی سے کون ڈرتا ہے، جناب تو ہر روپ میں دل کو بھاتی ہیں۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔ گالوں پر خون سمٹ آیا تھا۔

"کیسی باتیں نہ کیا کریں مجھے..... مجھے شرم آتی ہے۔" وہ آنکھیں کھولے اسے دیکھتا رہا اور پھر ذرا جھکتے ہوئے دریافت کیا۔

"یہ انقلاب کب آیا۔"

"معلوم نہیں، حالانکہ بھلا مجھے کیوں شرمانا چاہیے لیکن پھر بھی آپ کے دیکھنے سے، باتوں سے شرم آنے لگی ہے۔" وہ سن کر ہنس دیا۔ کتنے ہی رنگ اس کے چہرے پر آ گئے تھے۔

"واللہ آپ کی یہ ادا بھی قاتلانہ ہے، دبنگ، تھانیداری روپ میں بھاتی ہی ہیں، یہ روپ اس سے بھی زیادہ پیارا لگا۔" وہ مزید بھی کچھ کہتا اماں کی آواز پر پلٹی اور کمرے سے بھاگ گئی۔ پیچھے وہ اس کے انداز پر فدا ہوتا رہ گیا۔

......♥......♥......

وقت کا کام ہے چلنا، چلتے رہنا سو وہ چلتا رہا تھا۔ بھلا وقت کب رکا ہے۔ کب ایک سا رہا ہے۔ جیسے سوئی ہندسے بدلتی ہے زندگی بھی گھڑی کی سوئیوں کی طرح رخ بدلتی ہے۔ پوری کائنات تبدیلی کے اصول پر قائم ہے۔ کچھ بھی دائمی نہیں، ہر شے کی لے بدلتی ہے۔ اس میں بھی تبدیلی آ رہی تھی۔ اس کی شرارتوں اور حرکات میں تو رتی برابر فرق نہ آیا مگر مزاج میں ٹھہراؤ آ رہا تھا۔ پتا نہیں یہ وکیل صاحب کی شائستہ سیرت اور اعلیٰ صحبت کا اثر تھا یا اسے کچھ سمجھ بوجھ، عقل شعور آ گیا تھا۔ اس کی لڑائیاں اب صرف ابا جی اور امان کے ساتھ ہوتیں اور وہ جانتی تھی وہ دونوں افراد بے شک غلطی ان کی نہ ہو اس سے معافی

ناچتے، مناتے کہ ان سے گڈی کی ناراضی برداشت نہ ہوتی۔
وکیل صاحب کی محبت ہر روز نئے سرے سے اسے اپنا پابند کرتی اٹھتی اور تناور درخت کی سی بڑھتی گئی اور وسعت پکڑتی اس پاک محبت کے آگے جتول حسین عرف گڈی کے رسم و رواج نے سر جھکا دیا۔ تابعداری، شکر گزاری میں بدلی اور پرخلوص محبت کا رنگ گہرا آیا۔ پورے دو سال بعد ماں اور باپ دونوں سے نقوش چرائی پیاری سی پری کی پرورش عرف پری نے کومل، متول باپ جیسی ذہانت سے بھرپور گھوسیا آنکھیں کھول کر ان کی زندگی میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔
گڈی کے بعد پری اس گھر کی آنکھ کا جھولا بن گئی تھی۔ سارا دن وہ کبھی کسی کی گود میں پائی جاتی تو کبھی کسی کے۔ رات سلانے کے لیے وہ گڈی کو دی جاتی تھی۔ دن سارا وہ کھیلتی تھی، ہنستی تھی، بولتی تھی مگر رات ساری گڈی کو تکنی کا ناچ نچواتی۔ ہر چھلے منٹ اٹھ جاتی اور پورے زور و شور سے گلا پھاڑ کے اپنا باجا بجاتی۔ ارمان اس کی حالت دیکھ کر ہنستا رہ جاتا۔ پری نے بالکل ویسا ہی نچایا گڈی کی زندگی میں پیدا کر دیا تھا جیسا وہ ان سب کے شب و روز میں ہر وقت لایا کرتی تھی۔ اس کی نیندیں اور سکون غارت ہو گیا تھا۔
"ساری رات اس کی ٹیں ٹیں سننے سے اچھا ہے بندہ سانپ ڈسوائے۔ ایک چیخ مارے اور مر جائے۔" اس کے منہ میں فیڈر ٹھونستے وہ سخت عاجز آکر کہہ گئی۔
کہتے ہیں کچھ گھڑیاں قبولیت کی ہوتی ہیں جو زبان کہے وہی ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ہماری کچھ دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ عرش والے نے سنی نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان کی سنوائی کا وقت نہیں آیا ہوتا۔ زمان و مکاں کی وسعتیں اور حرکات و سکنات اس کے حکم کی تابع ہیں۔ ایک کن کی محتاج اور یہ کن ایسے نہیں ٹل جاتا اسے کہلایا جاتا ہے مگر وہ دعا جو خاص کسی نیت سے نہیں مانگی جاتی جو بات ارادتاً منہ سے نکل پڑی ہو اور جائے تو جان لیں کسی قبولیت کی گھڑی منہ کھول دیا تھا۔ اسی لیے تو سیانے کہہ گئے جب بھی بولو ناپ تول کر بولو، جب بھی کہو تو سوچ سمجھ کے کہو مگر اس کی ساری سوچیں، عقلیں پرورش ارمان نے مفلوج کر دی تھیں۔ اسے رو رو کر پچھتاوا ہوا تھا آخر اس نے اس آفت کو جنم ہی کیوں دیا۔
"تاکہ تجھے پتا چلے تو نے ہم سب کو کتنا ستایا ہے۔"
اور اس جواب پر وہ جل بھن جایا کرتی اور پھر اسے پال ماں پر پیار آنے لگتا تھا۔
اسے ترس آیا وہ بھی تو ان کو کتنا ستاتی تھی۔ کیسے جھیلتی رہی تھیں۔ ان کی ہمت اور صبر پر اسے رشک آنے لگا تھا۔ اماں کے لیے یہ بات ہی بڑی خوش کن تھی اسے احساس ہو گیا تھا۔ اکثر بڑوں سے سنتے چلے آئے ہیں جب تجھ پر وقت آئے گا پوچھیں گے۔ اس پر بھی وقت آگیا تھا اور پوچھنے پر اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ ایک ٹانگ پہ کھڑی ہو کر پچھلی ساری زندگی کی شرارتوں اور بدتمیزیوں سے معافی مانگ لے۔ اس کا لاابالی پن سے سمجھداری کی طرف کا سفر شروع ہو گیا تھا۔ جیسے جیسے پری بڑی ہو رہی تھی۔ ذرا سکھ کا سانس آ رہا تھا اور کون جانتا ہے ہماری ان سانسوں کی مہلت کتنی ہے۔ وہ بھی نہیں جانتی تھی اور یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

---

پورے گاؤں میں گندم کی کٹائی کا دور چل رہا تھا۔ ہر طرف سنہری کھیت نظر آتے اور سونے کی ڈالیوں کی سی گندم کے گٹے کی بندھی ڈھیریاں۔
وہ سورج کے ڈھلنے سے ذرا پہلے کچہری سے واپس لوٹا تھا۔ پورے گھر میں جابجا گندم پھیلی ہوئی تھی۔ نازو ماں، باتوں ماں اور سیما آل کے چھانٹ رہی تھیں۔ انہیں سلام کرتا وہ کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں سوئی ہوئی پری کو کھیلا پا کر وہ انہی قدموں پر باہر نکلا۔
"ماں..... گڈی کہاں ہے؟" اس کے سوال پر ان تینوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جبکہ گڈی گھر سے کئی دور آم کے باغ میں کھڑی تھی۔ اس کا دل کچی کیری کھانے کا چاہا تو بس کیریاں توڑنے چلی آئی۔ اللہ اور نبی کا نام لیتے وہ آم کے درخت پر چڑھ گئی تھی۔
"کہاں وے وہ مورچوں والی پرانی کھوئی تک گئی ہے۔" مورچوں کی سیما کے منہ سے مورچوں والی پرانی کھوئی کا سن کر اماں نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔
"یا اللہ..... بخت وہاں کیا کرنے گئی ہے؟" ایک دم سے ان کا چہرہ پیلا ہوا اور دل بیٹھنے لگا تھا۔
"کہہ رہی تھی کیریاں کھانے کا من کر رہا ہے، میں نے منع بھی کیا مگر کہاں سنتی ہے وہ۔" اور اگلی بات سن کر اماں کے ہاتھوں سے گندم کے گٹے چھوٹے جبکہ اماں کا سانس حلق میں اٹکا اور چاچی بے ہوش ہوتے والی ہوئیں۔
"یا اللہ..... وے دوڑ جا، وائی پتر وہ سانپوں کے منہ میں چلی گئی۔" چترائے چہرے کے ساتھ اماں نے بلند آواز کیا۔ جس پر وہ الٹے قدموں کوٹ اتار کے پھینکتا اندھا دھند بھاگا۔ سنتوں کا وہ باغ کئی سالوں سے لاتعداد سانپوں کے قبضے میں تھا۔ گاؤں کا کوئی فرد اس طرف کیا اس کے آس پاس سے بھی نہیں گزرتا تھا۔
وہ ہتے چہرے کے ساتھ اللہ سے اس کی حفاظت کی دعائیں مانگتا دوڑ رہا تھا جبکہ گڈی آرام سکون سے درخت پر چڑھی کیریاں اتار اتار کر جھولی بھر رہی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا اس کی کمر کے پیچھے سرسراہٹ ہوئی ہے۔ ایک دم سے اس کا دل زور سے دھڑکا، بھولی بات یاد آئی تو آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ کیریاں جھولی سے گر گئیں۔ اس نے چاہا وہ نیچے چھلانگ لگا دے مگر وہ رک گئی۔ غلط کیا چھلانگ لگا دیتی چاہیے تھی مگر کیا کریں جو اللہ کو منظور..... بنا اسے مڑ کے دیکھنے کی مہلت دیے لشکارے مارتے موٹے تازے کالے سانپ نے اس کے کمر پر ڈنک مار دیا۔ وہ پرانے شہتیر کی طرح درخت سے نیچے آن گری اس کی دلخراش چیخ باغ کے اندر سے گزرتی نہر کے اس پار اماں احمد یار کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس کے قدم رک گئے، دل کی دھڑکن بند ہونے والی ہوئی۔
پیچھے گھر میں اماں اور چاچی دونوں نیم مردہ حالت میں دروازے پر نظر لگائے بیٹھی تھیں۔ سیما کی خود کی حالت غیر ہو رہی تھی مگر وہ کسی حد تک خود کو سنبھالے ہوئی تھی۔ دلدار حسین اور احمد یار حسین گلزار کے ساتھ اماں کے پیچھے گاؤں کے کئی لوگوں کو لیے دوڑے تھے۔ دل کو تسلی دیتے وہ دوبارہ نہر کو پار کر دوڑا اور باغ میں آیا..... اس کے نام کی صدا لگاتا وہ کوئی پاگل دیوانہ لگ رہا تھا۔ جس کی سب سے محبوب شے کھو گئی ہو۔ اسے نظر آیا فیروزی رنگ کا کپڑا اور وہ اس تک پہنچا اور پھر درخت کی دوسری طرف نگاہ گئی تو پلٹنا بھول گئی۔ وہیں اٹک گئی اس کی دنیا ختم گئی تھی، کائنات جیسے ختم ہو گئی ہو، وہ بیٹا درخت کی شاخ پر لٹک رہا تھا جبکہ اس کا بے جان ہوتا ترچھا وجود زمین پر۔ بہت مشکل سے اس نے حلق سے سانس نکالا اور ایک قدم بڑھایا تب ہی تڑپتی گڈی سے چند گز دور موٹا سانپ اپنا کام تمام کیے جاتا دکھائی دیا۔ سانپ نے کمر پر ڈسنے کے بعد نیچے پہنچ کر اس کی دائیں ٹانگ پر بھی ڈنک مار دیا تھا۔ زہر اس کی پورے جسم میں سرایت کر گیا تھا۔ اس کی رنگت نیلی سیاہ ہو رہی تھی۔ وہ وہیں ڈھے گیا تھا۔ اس کے آخری ہچکی بھرے وجود کے پاس پہنچنے کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ ابا جی اور احمد یار چاچا اور گلزار کے ہمراہ گاؤں کے لوگ لاٹھیاں اٹھائے وہاں پہنچ گئے تھے۔ انسانوں کی خوشبو پا کر وہاں بلوں میں چھپے سانپوں نے حرکت کی۔ اس سے پہلے کہ وہ نکلتے گاؤں کے لوگ مردہ گڈی کو پا کر دہائیاں دینے لگے۔ احمد یار چاچا نے اس کا بے جان وجود بازوؤں میں اٹھا لیا تھا۔ گاؤں کے جوان لڑکے اسے گھسیٹ کر لا رہے تھے۔ وہ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ نا سانس لے رہا تھا نہ جسم حرکت کر رہا تھا۔ بس یک ٹک ابا کے بازوؤں میں جھولتی اس کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ گھر پہنچتے ہی وہاں کہرام مچ گیا تھا۔ ہر فرد دھاڑیں مار کر رو رہا تھا جبکہ وہ اس کی پائتی کے سرہانے چپک کر بیٹھ گیا تھا۔
کتنا منع کرتا تھا وہ اسے کہ اول فول نہ بولا کرو، بتا

چپائے اور اکیلی کہیں نہ جا پا کر مگر وہ اس کی قسمت ہی کہاں
تھی۔ کاش کہ بن لیتی، مان لیتی تو کم از کم اتنی دردناک موت
تو نہ مرتی ہوتی۔ کتنی اذیت جھیل کے مری ہوگی۔ اس کو تو
کبھی کسی نے کانٹا تک نہ چبھنے دیا تھا وہ کیسے تکلیف میں
تڑپتی رہی ہوگی اور انجانے میں منہ سے نکلے لفظ بھی
کبھار پورے ہو جایا کرتے ہیں۔ چاہے وہ اچھے ہوں یا
برے۔ گھر کے لاڈلوں کو ہمیشہ من مانی کی عادت ہوتی
ہے۔ بے جا لاڈ پیار نے ہمیشہ بگاڑ پیدا کیا ہے۔ زیادہ سر
چڑھانے کا نتیجہ بھی اچھا ثابت نہیں ہوتا۔ کیا ملا سلطان
لال اینٹوں کے مکان والوں کو، وہ خود تو مرگئی مگر ساتھ ان
سب کو بھی مار گئی تھی۔ وہ تو جیتے جی اس کی چوکھٹ پر تھے، وہ
گھر کی بیٹا تھی، جان تھی، دل تھی۔ جب وہ مرگئی تو کہاں
کی جائیں کیسے زندہ دل۔

اسے لحد میں اتارنے کے لیے لے جایا جانے لگا تو
گھنٹوں ایک ہی جگہ ساکت بیٹھے امان احمد یار کے وجود
میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے پالکی کا پایا زور سے تھام لیا
تھا۔

"نہیں...... نہیں...... گڈی میرے ساتھ ایسا نہیں
کر سکتی۔" وہ حواس کھو بیٹھا تھا۔ اس کا سکتہ ٹوٹا تو آنکھوں
سے ندیاں بہہ نکلیں، کتنوں نے اسے پکڑنا چاہا، سنبھالنا
چاہا مگر وہ تو آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

"گڈی...... گڈی...... اٹھ۔ جا...... آنکھیں
کھول...... دیکھ پری تجھے بلا رہی ہے۔" وہ ہذیانی
کیفیت میں چیخ رہا تھا۔ پورے گاؤں کے کلیجے منہ میں
آگئے۔

ایسی جوان اور دردناک موت قیامت تھی قیامت۔
قصبے اور گاؤں والوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔
وہاں اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے تھے مگر وہ گڈی مر
گئی تھی ملک دلدار حسین کی یار۔ بھلا اس ہاتھوں سے پلی
کی لے کب کسی نے ایسی موت توقع کی تھی مگر موت تو
برحق ہے، جیسے بھی آئے جب بھی آئے۔ وہ مرگئی تھی کہ
جس کے دم سے زندگی کی کہانی میں دوام تھا۔ مرنے والا
چلا جاتا ہے کہ اس نے جانا ہوتا ہے مگر پیچھے چھوڑ کے
جانے والے پیاروں کو بے موت مار جاتا ہے۔ مگر بھولتے
نہیں ہیں اور ان کے لیے تو وہ صدمہ تھا بہت بڑا صدمہ
اور صدموں سے کم ہی لوگ خود کو نکال پاتے ہیں۔ انہیں
بھی سنبھلنے میں وقت لگا تھا۔ دن یا مہینے نہیں بلکہ سال۔

دن نکل آیا، لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول
ہوگئے کہ انہیں ہونا ہی تھا۔ غم تو اس کا تھا۔ لوگ فقط وقتی
دلاسا دیتے ہیں، ساتھ دیتے ہیں اور پھر چلے جاتے
ہیں۔ اکیلے رہ جانے والے کو خود ہی اپنا وجود سنبھالنا ہوتا
ہے، نئے سرے سے جینے کے لیے قدم بڑھانا ہوتا ہے۔
اسے کچہری جانا تھا۔ آنکھوں کی نمی پونچھتا وہ سیاہ پتلون
کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا گھر کی طرف ہو لیا۔ وہ پہلے ہی
بہت سنجیدہ تھا مگر پچھلے پانچ سالوں نے اسے بالکل چپ
لگا دی تھی۔ تبھی دوپہر کے وقت کھیت کھلیانوں میں
چھائے جانے والے ہولناک سناٹے کی سی۔

کالی راتیں ہتارے توڑے
گلیاں...... کتنے رستے موڑے
نہ جانے...... ہوتے ہیں غم
جانے کیوں......
آنکھوں میں آنسو......
آنسو میں خالی پن ہے......
صحرا میں بھیگا یہ من ہے
یہ دامن...... رہتا ہے نم
جانے کیوں......

وہ مغرب کی نماز ادا کیے ابا جی کے ساتھ لوٹا تو
دروازے پہ پانچ سالہ ہو بہو جتول کی ہم شکل پری کو اپنا
منتظر پایا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر کمرے میں
آگیا۔ پری سمیت سب نے بے بسی سے اس کی پشت
دیکھی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے گہرے گہرے
سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا مگر دل میں ہوک اٹھی۔

درد کی باریک سی ٹیس اٹھی۔ اس نے خالی خالی نظروں
سے پورا کمرہ دیکھا، ہر شے گئی۔ اس کے لمس سے امر
ہوئی چیزیں لیکن گئی تھی تو فقط اس کی۔ اس نے سنگھار میز
پر پڑی اس کی چوڑیوں کی چھوٹی سی صندوقچی کو دیکھا تو
دل مٹھی میں آگیا۔ وہیں پلنگ پر بیٹھتے وہ بلک کر رو دیا تھا
کہ ضبط کئی بار بے اختیار ٹوٹ جاتا ہے۔ دل میں بسنے
والے ہمیشہ خوشی اور غمی کے لمحوں میں شدت سے یاد آتے
ہیں۔ یادوں پر بھلا کب کسی کا اختیار ہوتا ہے۔ یہ تو جب
جی چاہے چلی آتی ہیں۔ نہ محفل کا لحاظ کرتی ہیں نہ تنہائی
کا۔ نہ وقت کا نہ تہوار کا...... اس کا غم، اس کا درد، اس کی
تکلیف ویسی ہی باقی تھی۔ پانچ سال گزرنے کے بعد بھی پہلے
دن کی سی تازہ تھی...... اس کا دل وہ کاٹ کے اپنے
ساتھ لے گئی تھی۔

ہاتھوں سے لمحے
گر جاتے ہیں کل میں
موسم جاتے ہیں دو پل میں
یہ گھڑیاں...... ہوتی ہیں کم
جانے کیوں...... جانے کیوں......

صبح سویرے ہی وہ گڈی کی طرح سب کے سر ہوگئی
تھی۔ بسم اللہ ماسی کی اچانک آمد پر ماحول خوشگوار ہوگیا
تھا۔ ماسی کے بچوں کے ساتھ کھیلتے وہ بھول گئی تھی کہ وکیل
صاحب نے شام کو شہر لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ تو
اسے بے جی نے کان میں سرگوشی کرکے یاد دلایا تھا۔ وہ
جھٹ سے چھن چھن پائل چھنکاتی چوبارے سے اتری
اور وکیل صاحب کے سر ہوگئی۔

"میں تو چلو کم عقل ہی...... جناب آپ کب سے
بھلکڑ ہوگئے۔" اپنی پوری فوج کے ساتھ وہ سپاہی بنے
اسے گرفتار کرنے والی تھی۔

"کیا ہوا ہے پری پتر؟" حقے کا کش لیتے ابا جی نے
پوچھا تو اس نے امان کو سخت نظروں سے گھورا۔ اس کے
گھورنے پر بلا آخر امان کو یاد آگیا تو وہ ہنستا ہوا اٹھ کھڑا
ہوا۔

"معاف کر دو جی...... چلیے ابھی چلتے ہیں۔" وہ فوراً
خوش ہوئی اور اس کی انگلی تھام لی۔

"ارے کہاں چل دیے؟" پری پلٹون کو جاتا دیکھ کر
بسم اللہ ماسی نے باورچی خانے سے جھانکا کر پوچھا۔

"شہر۔" بے یک زبان فوجی دستے نے جواب دیا۔

"پری پتر تو ہی شہر جا۔ ہم بھی جائیں گے پاس......
ہم اکیلے کیا کریں گے۔" ابا جی نے اسے جان بوجھ کر
چھیڑا۔ وہ جاتے ہوئے رک گئی اور مڑ کر ابا جی کو دیکھا۔

"ملک دلدار حسین...... دلداری نبھاؤ، یاری کی آڑ
میں دشمنی نہیں۔" اور اس نے ثابت کر دیا کہ اس نے گڈی
کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ گھر کے تمام افراد کا یک دم قہقہہ
بلند ہوا۔ امان تو کتنی ہی دیر تک ہنستا رہا۔ اسے اٹھا کر سینے
سے لگایا اور گال پر پیار کیا۔

"تجھے جنم دے کر جاتے ہوئے گڈی مجھ پر بڑا
احسان کر گئی ہے۔" وہ ساری پلٹون کو تانگے پر لیے شہر چلا
آیا تھا۔

اولاد بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ کتنے ہی دکھوں کا
مداوا کر دیتی ہے اور گڈی جو اسے نشانی سونپ گئی تھی وہ
باقی کی زندگی اس کے سہارے کاٹ سکتا تھا۔ گڈی کے
بعد وہ مسکرانا بھول گیا تھا مگر پری اس کی کھوئی شخصیت
واپس لائی تھی۔ اسے دوبارہ جینے پر اکسا دیا تھا۔ اپنے
ہونے کی اہمیت سمجھائی، اپنے ہونے کا احساس جتایا اور
پری کے وجود کا احساس پا کر وہ گڈی کے غم کو بھلاتے جینے
پر آمادہ ہوگیا تھا۔ جینا مشکل تو تھا مگر ناممکن نہیں کیونکہ
مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنے کے علاوہ دنیا
میں ایسا کوئی کام نہیں جو ناممکن ہو۔

# نقصان

عالیہ توصیف

دھوپ میں ہو جو چھاؤں کی طرح
ایسا اک مہرباں تلاش کریں
پیار کے پھول جس میں کھلتے رہیں
چاہتوں کا جہاں تلاش کریں

"آج پھر مایوسی...... پھر ذلت، جوتیاں گھسے کتنے مہینے ہو چکے ہیں مگر کہیں بات بن ہی نہیں رہی۔" وہ بے خیالی میں چلتا ہوا گہری سوچ میں گم تھا، وہ سوچ جس سے اس کا ایمان خطرے میں پڑ رہا تھا۔ اس کے والد صاحب جب تک زندہ تھے اسے سمجھاتے رہتے تھے مگر جب سے ان کا سایہ اس کے سر سے اٹھا تھا، وہ شکوہ کرنے لگا تھا۔ بہت سے شکوؤں میں ایک شکوہ یہ بھی تھا کہ اللہ نے ہم سے ہمارا باپ اتنا جلدی کیوں چھین لیا۔ دیکھا جائے تو اس کی زندگی شکوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کا قریبی دوست اسد اسے سمجھاتا رہتا، نماز کی تلقین کرتا اس پر کچھ عرصہ اثر ہوتا اور پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا تھا۔

وہ آج صبح سے بہت خوش تھا، اس نے اور اس کے دوست اسد نے اس شہر کی سب سے بہترین اور مشہور کمپنی میں ملازمت کی درخواست دی تھی۔ وہ صبح وقت سے پہلے اٹھا اور انٹرویو کے لیے بہت اچھا سا تیار ہوا۔ اپنا سب سے بہترین سوٹ نکالا، جوتوں کو پالش کیا اور تیار ہوا۔ اسے یقین تھا کہ نوکری اسے اور اس کے دوست اسد دونوں کو ضرور مل جائے گی کیونکہ اسد بھی اس جیسے حالات سے گزر رہا تھا اور دونوں ہی بہت قابل تھے۔ اس نے موبائل پر اسد کا بھیجا ہوا میسج دیکھا۔

"بیسٹ آف لک فرینڈ، آئی ایم لیونگ، ڈونٹ لوز ہمت ان کمپنی ہاتھ اے ایم۔" اس نے مسرت سے میسج پڑھ کر موبائل جیب میں رکھا اور روانہ ہو گیا۔ وہ بس اسٹاپ کے قریب تھا جب اس کے روٹ کی بس زناٹے سے گزری وہ اسے ہاتھ دیتا رہ گیا مگر بس نہیں رکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسی روٹ کی دوسری بس بھی زناٹے سے گزر گئی تھی مطلب کی بار وہ بس کے پیچھے بھاگا بھی تھا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ بس میں سوار ہونے کے چکر میں اس نے سڑک کے عین درمیان میں آ کر چلتی بس پر چڑھنے کی کوشش کرنا چاہی مگر بس بھی بہت تیز رفتاری سے بغیر رکے گزر گئی تھی۔ اس کو اندازہ تھا کہ اگلی بس کے لیے بہت انتظار کرنا ہوگا۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا مگر بس نہیں آئی۔

اس نے کلائی گھڑی میں وقت دیکھا جو بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اسے ٹھیک نو بجے وہاں پہنچنا تھا مگر بس کے انتظار میں آٹھ بج چکے تھے اور یہاں سے تقریباً ایک گھنٹے کا راستہ تھا۔ اس کا انٹرویو کا وقت ٹھیک ساڑھے نو بجے کا تھا۔ اس نے بس کے انتظار میں وقت ضائع کرنے کے بجائے رکشہ یا ٹیکسی لے کر جانے کا سوچا مگر ٹیکسی کے کرائے کا سوچ کر اسے چکر آ گئے لیکن اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اسے دور گلی کا موڑ کاٹتی ٹیکسی نظر آئی۔ اس نے شکر کیا کہ ٹیکسی والا راضی ہو گیا تھا مگر کرایہ اس نے بھی جان بوجھ کے مانگا تھا۔ اس نے ٹیکسی والے کو تیز رفتاری کی ہدایت دی تھی۔

"لعنت ہو...... آج تو سارے سگنل مجھے بند ملے تھے۔" اس نے چوتھے سگنل پر ٹیکسی رکنے پر بڑبڑاتے ہوئے غصے سے کہا۔

"صاحب جی...... اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں آپ جتنا پڑھا لکھا تو نہیں مگر اللہ کو وقت، شکوہ اور بے صبری کو پسند نہیں کرتا۔ برا نہ مانا میری بات کا صاحب۔" ٹیکسی والے نے کہا۔

"یہ صبر اور یہ نصیحتیں خالی پیٹ ہضم نہیں ہوتی۔ اللہ بھی انہی کے ساتھ ہوتا ہے جن کی جیب میں کچھ ہوتا ہے اور......"

"صاحب آپ ایسے نہ بولو...... اللہ کو کوئی بھی بات ناپسند ہو سکتی ہے، ایسی باتیں کرنے سے ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔" ٹیکسی والے نے اس کے اس سخت جملے پر اسے ٹوکنا مناسب سمجھا۔

"بھائی تمہیں جب خالی ہاتھ اور پیٹ بھاگنا پڑے اور بس نہ ملے، انٹرویو کا وقت نکلا جا رہا ہو، تمہاری ٹیکسی کا میٹر آسمان پر چڑھ رہا ہو، گھر کے مسائل منہ پھاڑے کھڑے ہوں پھر کہاں کی نصیحت کر......"

"صاحب اللہ کے ہر کام میں ہمارے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ہم اس کی مصلحت کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ جیسے مسائل ہر انسان کو درپیش ہیں، مجھے بھی ہیں۔ اب میں شکوہ کروں کہ میں پڑھ نہیں سکا، آپ تو پھر تعلیم یافتہ ہو۔" ٹیکسی والا ڈرتے ہوئے بولا۔

"بھائی کیا فائدہ ایسی تعلیم کا، نہ نوکری نہ پیسہ، جتنا جیب میں تھا وہ بھی تیری نظر...... لعنت...... لعنت یہ سڑک بھی آج ہی بند ہونی تھی۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ وہ کم بخت بس والا رک جاتا تو یوں خوار نا ہونا پڑتا۔"

"صاحب دوسرا راستہ لے لیتے ہیں آپ ان شاء اللہ وقت پر پہنچ جاؤ گے۔ آپ کی بس نہیں رکی کیا پتا اس میں اللہ کی کتنی خیر ہو آپ کے لیے۔"

"یار تم تیز چلاؤ۔" اس نے اس کی باتوں سے اکتاتے ہوئے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے ایک بار پھر خفگی سے کہا۔

"آج کا دن ہی برا تھا...... اب پھر متبادل راستے کی

طرف دوڑ لگائیں۔" لوگوں کا جم غفیر جائے حادثہ کو گھیرے کھڑا تھا۔ دو بسوں کے تصادم سے حادثہ پیش آیا تھا۔ سڑک پر مسافروں کے سامان سمیت خون بکھرا پڑا تھا۔ بسوں سے قیمے نکل رہے تھے۔ پولیس اور ایمبولینس جائے حادثہ پر اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ آس پاس کے رستے ٹریفک کے شدید بہاؤ کے سبب بند تھے۔ اسے بھی اپنی ٹیکسی گلیوں سے ہوتے ہوئے بیرونی سڑک پر لانی پڑی تھی۔

اس نے وقت دیکھا نو بج کر پانچ منٹ ہو گئے تھے۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے انٹرویو کا وقت تھا۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود وقت پر نہ پہنچ سکا۔ ٹیکسی والے نے اس سے بہت ہی کم معاوضہ لیا تھا۔ اس کا شکوہ اور غصہ اپنے عروج پر تھا۔ وہ بھاگتا ہوا عمارت میں داخل ہوا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا جو نو بج کر پچپن منٹ بتا رہا تھا۔ وہ ہانپتا کانپتا مطلوبہ جگہ پہنچا، اس نے نظر دوڑائی اسے دو امیدوار بیٹھے نظر آئے جو اپنی باری کے انتظار میں تھے۔ ریسپشن پر پہنچتے ہی دو میں سے ایک امیدوار کا نام پکارا گیا اور وہ اندر چلا گیا۔

"سوری سر..... آپ کی کمپنی کے انٹرویو تو ختم ہو چکے ہیں، بس کسی اور کمپنی کے انٹرویو ہو رہے ہیں۔" لڑکی نے معذرت کرتے ہوئے اسے بتایا۔ وہ لڑنے پر آمادہ تھا۔ اس نے کوئی دس منٹ تک اس سے بحث کی کہ شاید کوئی صورت نکل آئے مگر سب بے سود رہا۔ وہ دیوار پر مکے برساتا لاؤنج کی طرف بڑھا۔

"یار کہاں رہ گیا تھا؟ کب سے انتظار کر رہا ہوں تیرا۔ خیر تو ہے سب؟" اسد نے اسے پیچھے سے آواز دی پھر کیا تھا اس کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ایک لمبی فہرست شکووں، شکایتوں کی اور اسد کے پاس ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کے پاس نصیحتیں۔ صبر کی تلقین، اللہ پر توکل رکھنے کی ہدایت۔ وہ اسی عمارت کے بیرونی کورٹ میں کافی پی رہے تھے۔ جب وہاں لگے بڑی سی ایل ای ڈی پر دو بسوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کی خبر نشر ہوئی۔

"سوچ یار اگر تو اسی کسی بس میں ہوتا پھر؟ ہم پر اللہ کا خاص کرم ہے۔ اللہ کے کرم اور احسانات پر نظر رکھا کر شکووں پر نہیں۔" اسد نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ اس نے اسد کی طرف بیزاری سے دیکھا۔ اس کا ایک جگہ کل انٹرویو تھا مگر اس کا دل بالکل اچاٹ ہو چکا تھا۔ بڑی مشکل سے اسد نے اس کو راضی کیا تھا۔ وہ چار و ناچار اگلے دن پھر ایک دوسری مگر معمولی سی کمپنی میں انٹرویو کے لیے پہنچ گیا۔ چار دن بعد اسد کو اس مشہور کمپنی سے نوکری کی آفر آ گئی۔ ایک بار پھر اسے اسد سے حسد محسوس ہوا۔ اسے ایک بار پھر خود پر غصہ اور اللہ سے شکوہ ہوا مگر اسد اس کا دوست تھا اس نے بہت بے دلی سے اسے مبارک باد دی تھی۔

اگلے تین دن بعد اسے بھی اس نئی کمپنی سے نوکری کی پیش کش آ گئی تھی مگر سب رعایات، تنخواہ اسد سے بہت کم تھی۔ اسے رہ رہ کر اس دن پر غصہ آنے لگا۔ اس کا دل اس بس ڈرائیور کو برا بھلا کہنے کو مچلتا تھا جس نے بس تاخیر کی۔ اس نے اسد کے انتظار میں وقت گزاری کے لیے ڈھابے کی میز پر رکھا اخبار اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک خبر اور تصویر دیکھ کر چونک گیا تھا۔ ہفتہ پرانا اخبار جس پر جابجا چائے کے کپ کے نشان جابجا تھے مگر اس پر بھی اسے اس بس ڈرائیور اور بس کا نمبر دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی۔

وہ اس کے روٹ کی ہی بس تھی جس میں وہ اکثر ہی سفر کرتا تھا اور اس بس کے ڈرائیور کو بھی جانتا تھا۔ اس کے روٹ کی بس نمبر اور ڈرائیور کی تصویر کے ساتھ تفصیلی خبر جس میں تیز رفتاری کے باعث حادثہ پیش آیا، ڈرائیور سمیت بہت سے مسافر موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔ یہ وہی بس تھی جس کو اس نے ہاتھ سے روکنا چاہا تھا مگر وہ فراٹے بھرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ غور و فکر کے گھوڑے دوڑاتا اسد آ گیا تھا۔ انہوں نے چائے پی، گپ شپ لگائی اور گھر کی راہ لی۔

وقت گزرنے لگا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے شکوے بھی کم، تنخواہ خرچے گزارا اور بہت کچھ۔ چھ مہینے کے عرصے میں وہ جیسے زمین سے آسمان پر پہنچ گیا۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی، گھر کا کرایہ اور دیگر مراعات۔ اسد کی کمپنی اچانک خسارے میں چلی گئی اور اس کا دیوالیہ ہو گیا۔ بہت سے ملازمین کو نوکری سے نکل دیا گیا۔ بہت سے ملازمین جو کمپنی کے لیے بہت ضروری تھے ان کو رکھ لیا گیا مگر ان سے تمام مراعات لے لی گئی اور تنخواہ بہت معمولی کر دی گئی تھی جس سے صرف گزارا ہی ہو سکتا تھا۔ اس کی کمپنی نئی تھی۔ دن بدن ترقی کر رہی تھی۔



بیرونی ممالک سے بھی معاہدے ہونے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ اس شہر کی ایک مشہور اور بہت اچھی کمپنی بن گئی تھی۔ اس کی تنخواہ اب اس کی پہلے والی تنخواہ سے چوگنا زیادہ تھی اور دیگر مراعات بھی۔ اسد جس پر وہ رشک اور کبھی کبھی حسد کرتا تھا اس سے اکثر ادھار لینے لگا تھا۔ اسے اپنی کمپنی میں کوئی جگہ خالی ہونے پر اس کی نوکری کا کچھ اسباب بنانے کا کہنے لگا تھا۔

وہ آج بہت خوش تھا ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بج رہے تھے۔ وہ خوشی اور مسرت سے ہسپتال کی راہداری سے گزر رہا تھا جب اس کی نظر فاخرہ پر پڑی جو اپنی خالہ کے ساتھ اس کی سمت ہی آ رہی تھی۔ رسمی سلام دعا کے بعد اس کی خالہ کی زبانی پتا چلا کہ وہ اب تک بے اولاد ہے۔ اس کی بے اولادی کا کوئی علاج نہیں۔ یہ وہی فاخرہ تھی جس کی محبت میں وہ پاگل تھا۔ جس کے نہ ملنے پر وہ خودکشی کی بھی کوشش کر چکا تھا مگر وقت پر اسد نے اس کو بچایا اور سمجھایا تھا۔

"یار دیکھو اللہ اپنے بندوں کو اچھا دینا چاہتا ہے اور اچھا دینے کے لیے انہیں کچھ آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ وہ اللہ کو یاد کریں اور ایسے حالات پیدا کرتا ہے جو وقتی طور پر انسان کو مصیبت، سزا یا اس کے ساتھ ناانصافی لگ رہے ہوتے ہیں مگر اسی میں انسان کی بہتری پوشیدہ ہوتی ہے جو ہم انسانوں کو نہیں پتا ہوتی۔" اپنے نومولود بیٹے کو اپنی بانہوں میں بھرے اس کے ماتھے کو چومتے اس کے کانوں میں اسد کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اگر وہ فاخرہ سے شادی کرتا تو کیا اولاد کی نعمت سے محروم ہو سکتا تھا؟

"نہیں....." اس کے دل سے بے ساختہ آواز نکلی۔ اس نے بیٹے کے معصوم مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"کیا پتا سر آپ کو وہ بس نہیں ملی تو اس میں اللہ کی کیا خیر پوشیدہ ہو آپ کے لیے۔" نا جانے کیوں اسے آج وہ ٹیکسی والا یاد آ گیا۔

"صاحب جلدی میں ہو غصہ بھی ہو مگر پھر بھی ایک بات کروں گا، نوکری نا ملی تو اس میں بھی اللہ کی کوئی خیر ہو گی آپ کے لیے، مایوس نا ہونا۔ اللہ جو کرتا ہے ہمارے اچھے کے لیے کرتا ہے۔ بس اللہ کا نام لینا نا چھوڑنا۔" ٹیکسی سے اترتے وقت کرایہ ادا کرتے ہوئے ٹیکسی والے نے ایک آخری جملہ کہا تھا جو آج اتنا وقت گزر جانے کے بعد اسے نا جانے کیوں شدت سے یاد آیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں میں نمی محسوس کی۔ گزرے پل کا ہر لمحہ اس کی آنکھوں میں کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔

وہ کتنا غصہ ہوا تھا اپنی بس نکل جانے پر کتنے شکوے زبان پر آئے تھے مگر وہ اس وقت اگر اس بس میں سوار ہو جاتا جو اللہ کی مصلحت کے سبب اس کے روکنے پر بھی نا رکی تھی تو آج وہ اس دنیا میں، اپنے بانہوں میں اس مسرت کو تھامے شرسار نا ہو رہا ہوتا بلکہ منوں مٹی تلے ابدی نیند سو رہا ہوتا۔

"صد شکر۔" زیر لب بے ساختہ نکلا۔ بس چھوٹ جانے اور راستے کی مشکلات کے سبب وہ جس انٹرویو پر پہنچ سکا اور نا ہی نوکری حاصل کر سکا۔ اس وقت اسے اپنا آپ دنیا کا بدقسمت ترین لگ رہا تھا جو صرف ناکامی کا منہ دیکھتا ہے مگر اللہ رازق اور قادر ہے۔ اس کی مصلحت تھی۔ اس وقت اس نے خود کو کتنا بدقسمت اور اللہ سے کتنے گلے شکوے تھے اگر اس وقت اسے وقت پر پہنچنے پر اور انٹرویو پاس ہو جانے پر نوکری مل جاتی تو آج وہ اسد کی جگہ ہوتا یا پھر اس کمپنی میں کام کرنے والے اور بہت سے لوگوں کی طرح نوکری سے فارغ ہو کر ادھار پر چل رہا ہوتا یا دوبارہ جگہ جگہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوتا۔ دو آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے ننھے معصوم کے گالوں پر گرے تھے۔

ہم جسے اپنی ناکامی سمجھتے ہیں وہ دراصل ہمارے نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم جسے مشکل اور مصیبت جانتے ہیں وہ دراصل ہمارے رب کی طرف سے ہمارے لیے آنے والے کل کی آسانی ہوتی ہے مگر ہم جلد باز اور ناشکرے لوگ اللہ کی مصلحت کو سمجھتے نہیں اور زبان پر شکوہ لا کر خود کو گناہ گار کرتے ہیں۔

"اللہ اکبر..... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تیرے ہر کام میں مصلحت ہے۔" اس نے زیر لب کہتے ہوئے ننھے عبدالقادر کی پیشانی چوم لی تھی۔

# عمر فاروقؓ

## عمرؓ کے خصائل

عبداللہ بن ہشام سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے عمرؓ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، عمرؓ نے آپ ﷺ سے کہا۔

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے میری جان کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں (پھر تم مومن نہیں ہو سکتے) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اب ایسے ہی ہے، اللہ کی قسم آپ میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا اب تمہارا ایمان مکمل ہوا اے عمرؓ۔"

## عمرؓ علم اور دین داری

نبی کریم ﷺ نے آپؓ کے علم کے بارے میں فرمایا۔

"میں سو رہا تھا، میں نے (خواب میں) دودھ پیا، یہاں تک کہ اس کی تراوٹ میرے ناخنوں سے جاری ہو گئی پھر میں نے وہ دودھ عمر کو دے دیا۔" جب صحابہ نے تعبیر پوچھی تو آپ ﷺ نے دودھ کی تعبیر علم بتائی۔

نبی کریم ﷺ نے آپؓ کے علم کے متعلق فرمایا۔

"میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے، ان کے جسم پر چھوٹی لمبی قمیصیں تھیں بعض کی چھاتی تک اور بعض کی اس سے بھی کم۔ جب عمرؓ میرے سامنے سے گزرے تو ان کی قمیص اتنی لمبی تھی کہ وہ گھسیٹ کر چل رہے تھے پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "قمیص سے مراد دین ہے۔"

سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی...... اس وقت قریش کی چند عورتیں آپ سے بات کر رہی تھیں ان کی آواز آپ کی آواز سے اونچی تھی اور نان نفقہ کا مطالبہ کر رہی تھیں جب عمرؓ نے اجازت مانگی تو کھڑی ہو کر پردہ کرنے لگیں۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ جب عمرؓ اندر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ ہنس رہے تھے حضرت عمرؓ نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو (ہمیشہ) ہنسائے (ماجرا کیا ہے؟)

نبی ﷺ نے فرمایا۔ "مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا وہ سب میرے پاس مطالبہ کر رہی تھیں تمہاری آواز سنتے ہی پردے میں چلی گئیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ آپ زیادہ حق دار ہیں کہ وہ آپ سے ڈریں۔ اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں۔" عورتیں گویا ہوئیں۔ "ہاں ایسا ہی ہے کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت اور غصے والے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔

"کیا خوب ابن خطاب قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جس راستے پر چلتے ہوئے شیطان کی تم سے ملاقات ہو جائے تو وہ راستہ بدل کر دوسرے راستہ پر چل پڑتا ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ حدیث میں حضرت عمرؓ کی فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کا کوئی داؤ آپ پر کارگر نہ ہوتا تھا۔ آپ بھی غلطیوں اور خوبیوں کے مرکب ایک انسان تھے حدیث میں اتنا ہی ذکر ہے۔

حضرت حفصہؓ سے مروی حدیث ہے۔

"عمرؓ جب مسلمان ہو گئے (اس وقت سے وہ یعنی شیطان) جب سے آپ سے ملا تو چہرہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا۔"

امام نووی رحمۃ اللہ کا قول ہے، "حقیقت میں شیطان جب آپ کو دیکھتا تھا تو بھاگ جاتا تھا۔"

قاضی عیاضؒ کا قول ہے۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث بطور ضرب المثل ہو اور عمرؓ نے شیطان کا رستہ چھوڑ کر درستگی کا رستہ اپنا لیا ہے یعنی جو چیزیں شیطان کو پسند ہیں آپ نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"تم سے پہلے کی امتوں میں الہام یافتہ افراد ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہے۔"

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔ "تم یہ گمان نہ کرو کہ عمرؓ کی یہ خصوصیت ابوبکرؓ پر فضیلت کی دلیل ہے بلکہ یہ تو ابوبکرؓ کے اہم مناقب و فضائل میں سے ہے کہ خوش قوت سے آپ کی مکمل سیرابی اور چشمہ رسالت سے براہ راست فیض یابی کی وجہ ہے۔ لہٰذا اس مقام پر غور و خوض کرو اور سوچو، اس میں اللہ کے حکیم و خبیر ہونے پر شہادت دینے والی عظیم حکمتوں پر خوب غور کرو۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

"میں نے خواب دیکھا کہ ایک کنوئیں پر ایک ڈول سے میں پانی کھینچ رہا ہوں پھر ابوبکرؓ آئے انہوں نے ایک یا دو ڈول ناتوانی کے ساتھ کھینچے پھر عمر بن خطاب آئے انہوں نے پانی کھینچنا شروع کیا وہ چھوٹا ڈول (بڑے ڈول) میں بدل گیا، میں نے آپ جیسا شہ زور پہلوان نہیں دیکھا جو آپ جیسا غیر معمولی اوصاف کا حامل ہو یہاں تک کہ لوگ اس پانی سے سیراب ہو گئے اور پھر اپنے اونٹوں کو بھی پانی پلایا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب میں ان تمام واقعات کی مثال موجود ہے جو خلافت صدیقی و خلافت فاروقی میں رونما ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے دور مرتدین کے خاتمے کا کامیاب دور رہا حالانکہ آپ کی خلافت مدت صرف دو سال اور چار مہینے رہی اور عمرؓ کے دور خلافت میں اسلامی حدود کا دائرہ وسیع ہوا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو بشارت دی اور فرمایا۔

"میں نے دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا اچانک میرے سامنے رمیصاء اور ابو طلحہ کی بیوی نظر آئی، میں نے ایک آواز سنی تو میں نے پوچھا یہ کون ہے؟"

اس (فرشتے) نے کہا۔ یہ بلال ہیں، وہاں میں نے ایک محل دیکھا جس کے آنگن میں ایک عورت موجود تھی۔ میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟" اس (فرشتے) نے کہا۔ "یہ عمرؓ کا ہے، میں یہ ارادہ کر رہا تھا کہ اس محل کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ اسے دیکھ لوں لیکن اے عمر مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا میں آپ پر غیرت کھاؤں گا۔" دوسری روایت میں ہے کہ یہ کہتے ہوئے آپ رو دیے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ میں تھا کہ ایک آدمی نے دروازہ کھولنے کی اجازت مانگی...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دے دو۔"

میں نے دروازہ کھول دیا، دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہیں، میں نے انہیں رسول کی بشارت سنا دی پھر ایک آدمی آیا اور دروازہ کھولنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا۔

"دروازہ کھول دو اور انہیں بھی جنت کی بشارت دے دو۔"

میں نے دروازہ کھولا، دیکھا تو حضرت عمرؓ کھڑے تھے، میں نے انہیں بھی فرمان رسول کی بشارت دی۔

پھر ایک آدمی نے دروازہ کھولنے کی اجازت طلب کی، آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے، میں نے دروازہ کھول دیا، اس نے عثمانؓ کھڑے تھے، میں نے انہیں بھی بشارت دی اور اللہ کی تعریف کی یعنی اللہ کی مدد گار ہے۔

عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو مجھے لوگوں میں عمرؓ نظر آئے اور ابوبکرؓ غائب تھے میں نے کہا اے عمرؓ اٹھیے اور لوگوں کو نماز پڑھائیے، وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے جونہی اللہ اکبر کہا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی آواز سن لی۔

آپ نے فرمایا۔

"ابوبکرؓ کہاں ہیں، اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے ابوبکرؓ کو بلایا، آپ جب پہنچے تو عمرؓ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تھے پھر ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

عبداللہ بن زمعہ کا بیان ہے کہ پھر عمرؓ نے مجھ سے کہا تمہارا برا ہو..... اے ابن زمعہ تم نے میرے ساتھ یہ کیا کیا ہے؟ اللہ کی قسم جب تم نے مجھے امامت کا حکم دیا تھا تو میں نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے اگر مجھے علم ہوتا تو میں لوگوں کو نماز نہ پڑھاتا۔"

میں نے کہا "اللہ کی قسم ﷺ مجھے رسول اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، میں نے دیکھا کہ ابوبکرؓ ابھی تک نہیں پہنچے تو میں نے حاضری میں سے آپ کو ہی امامت کا زیادہ حق دار سمجھا۔"

ابن عباسؓ سے روایت ہے جب مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا۔

"مجھے سامان کتابت دو..... میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں، جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو سکو گے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا "اس وقت اللہ کے رسول ﷺ سخت تکلیف میں ہیں، ہمارے پاس اللہ ہے جو کافی ہی۔"

یہ سن کر سب نے اختلاف کیا، جب شور شرابا ہوا تو آپ نے کہا۔

"میرے پاس سے سب چلے جاؤ میرے پاس جھگڑا ٹھیک نہیں ہے۔"

پھر ابن عباسؓ یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہوئی جو آپ ﷺ کے ارادے اور لکھنے کے درمیان حائل ہوئی۔ اس کے بارے میں بہت سے علماء کے مختلف نظریات ہیں۔

بعض کا خیال ہے آپ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ خلافت کے لیے کسی کو نامزد کریں تاکہ ان کے بعد کوئی فتنہ کوئی جھگڑا سر نہ اٹھا سکے۔

بعض لوگوں نے کہا..... آپ نے شروع میں یہ مصلحت سمجھی یا شاید وحی کا نزول ہوا ہو کہ اسلام کے اہم احکامات کو اختصار کے ساتھ ایک کتاب میں لکھ دوں تاکہ بعد میں اس پر اعتراض نہ ہو پھر آپ نے چھوڑ دینے میں مصلحت سمجھی۔

درمیان میں عمرؓ کا بولنا اس سے سب متفق ہیں کیونکہ آپ کی بصیرت، عظیم فضیلت اور بالغ نظری اور دوراندیشی تھی کہ آپ نے خوف محسوس کیا کہ مبادا آپ ایسی باتیں لکھ دیں جنہیں وہ نہ کر سکیں اور پھر اس پر سزا کے مستحق ہوں۔ بہت بہتر ہوا کہ آپ نے کہا۔

"ہمارے لیے کتاب الٰہی کافی ہے۔" آپ نے یہ بات فرمان الٰہی کے پیش نظر کہی تھی۔

"ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔"

(الانعام)

"آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا ہے۔"

(المائدہ)

حضرت عمرؓ کا اصل مقصد مرض الموت میں آپ کو آرام پہنچانا تھا نہ کہ آپ کو قلم پکڑا کر وصیتیں لکھوانا مقصود ہرگز نہ تھا۔

دوسری وجہ علی طنطاویؒ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت کی وجہ سے اس بات کی عادی ہو چکے تھے کہ آپ کے سامنے اپنی رائے ظاہر کر دیتے اور آپ ﷺ کی طرف سے انہیں اجازت تھی بلکہ آپ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا کرتے تھے یا تجاویز پیش کرتے اور بعض امور کا مطالبہ کرتے اور بعض معاملات کے بارے میں آپ سے پوچھتے اگر وہ درست ہوتیں تو آپ کو کرنے کی اجازت دے دیا کرتے تھے آپ نے اپنی اسی پرانی عادت کے



مطابق آپ کتاب الٰہی پر اکتفا کر گئے اور رسول اللہ ﷺ اس پر خاموش رہے۔ اگر آپ ﷺ اپنی وصیتوں کی کتاب لکھوانا چاہتے تو عمرؓ کو خاموش رہنے کی ہدایت کرتے اور آپ جو چاہتے تھے آپ کے دل میں تھا وہ کر گزرتے۔"

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن۔

ابوہریرہؓ تفصیل بتاتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو عمر بن خطابؓ کھڑے ہوئے اور کہا، کچھ منافق لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے۔ حالانکہ آپ مرے نہیں، وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں، جیسے موسیٰ بن عمران گئے تھے۔ وہ اپنی قوم کی نگاہوں میں چالیس رات تک غائب رہے اور پھر واپس لوٹے جبکہ سب کہہ رہے تھے کہ وہ مر گئے ہیں، اللہ کی قسم اللہ کے رسول ﷺ بھی اس طرح واپس آ جائیں گے اور ضرور ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ مر گئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کو جب موت کی خبر پہنچی تو آپ مسجد نبوی کے دروازے پر آئے حضرت عمرؓ لوگوں سے بات کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور حضرت عائشہؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، گھر کے ایک طرف آپ کے جسم مبارک پر چادر ڈالی ہوئی تھی، آپ آگے بڑھے اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک کھولا اور پھر آپ نے بوسہ دیا، اور بولے آپ پر میرے ماں باپ قربان، اللہ نے جس موت کو آپ کے لیے لکھ دیا تھا آپ اس سے گزر گئے اب اس کے بعد آپ کو کبھی موت لاحق نہیں ہوگی۔

راوی کہتے ہیں، آپ نے چادر کو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر لوٹا دیا پھر باہر نکلے اور عمرؓ بول رہے تھے تو ابوبکرؓ نے کہا عمر ذرا ٹھہرو اور خاموش ہو جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے خاموش ہونے سے انکار کر دیا۔ جب ابوبکرؓ نے دیکھا وہ خاموش نہیں ہو رہے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جب لوگوں نے آپ کی آواز سنی تو عمرؓ کو چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا "اے لوگو جو محمد کی عبادت کرتا ہے (وہ جان لے کہ) محمد فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا" پھر آپ نے آیت کریمہ پڑھی۔

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں کے بل تو ہرگز وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔ (آل عمران)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، اللہ کی قسم کہ لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ آیت نازل ہو چکی ہے، جس کی تلاوت حضرت ابوبکرؓ نے اس دن کی تھی پھر لوگوں نے اس آیت کو ابوبکرؓ سے سیکھا اور یہ ان کی زبان پر تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، اللہ کی قسم کہ عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم جب میں نے ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سنی تو میں زمین پر گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔

ابوبکرؓ کی بیعت

نبی کریم ﷺ کی تدفین کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد بن عبادہؓ کے پاس جمع ہوئے اور کہا ایک امیر انصار میں سے ہوگا اور ایک امیر مہاجرین میں سے ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے جب بولنا شروع کیا تو ابوبکرؓ نے آپ کو خاموش کر دیا پھر ابوبکرؓ نے جامع اور فصیح و بلیغ تقریر کی۔

اس کا ذکر حضرت ابوبکرؓ کی کتاب میں تفصیلاً کیا گیا ہے۔

آخر بحث مباحثے اور قیل و قال کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

ہم بیعت آپ سے کریں گے، آپ ہم سے بہتر، ہمارے بڑے اور رسول اللہ کے نزدیک ہم سب سے زیادہ محبوب رہے ہیں پھر عمرؓ نے ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور انصار سے

کہا۔
"اے انصار! کیا تم جانتے نہیں ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دیا تھا پھر تم میں سے کس کو گوارہ ہے کہ کوئی اور ابوبکرؓ سے آگے بڑھے۔"
انصار نے کہا۔ ہم ابوبکرؓ سے آگے بڑھنے پر اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔
منگل کا دن تھا، ابوبکرؓ منبر پر تشریف لائے اور تقریر سے پہلے عمرؓ نے وعظ کیا اور اس کے بعد ابوبکرؓ نے خطاب دیا اور عام بیعت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

## خلافت کا منصب

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیماری طول پکڑ گئی تو آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ اپنے لوگوں سے کھل کر بات کریں تاکہ خلیفہ کے لیے ان کی پسند کے مطابق نامزد کر دیا جائے تاکہ میرے بعد کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔ آپ نے لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا، میری حالت آپ سب کے سامنے ہے میں قریب الموت ہوں، اب تم جسے پسند کرو اسے اپنا امیر منتخب کر لو، بہت بہتر ہے کہ یہ کام تم لوگوں کے ہاتھوں میری زندگی میں ہی پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔
اے خلیفہ رسول ﷺ جو آپ کی رائے ہے وہی ہماری رائے ہوگی، سب نے ان کی بات سن کر کہا۔
آپ نے فرمایا! آپ لوگ مجھے سوچنے دو تاکہ میں اللہ اس کے دین اور اس کے بندوں کے بارے میں غور کروں پھر آپ نے عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور ان سے مشورہ لیا کہ عمر بن خطاب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ بہتر جانتے ہیں پھر آپ نے عثمان بن عفانؓ کو بلا کر مشورہ کیا تو وہ بولے۔ ان کا باطن ظاہر سے بہت اچھا ہے پھر آپ نے اسید بن حضیرؓ کو بلا کر مشورہ کیا تو اسیدؓ نے کہا وہ خوشی کے موقع پر خوش اور ناراضگی کے موقع پر ناراض ہوتے ہیں۔ بے حد سچے اور کھرے ہیں۔
طلحہ بن عبداللہ، سعید بن زید اور کئی انصار و مہاجرین سے مشورہ کیا تو سب نے ان کی سخت مزاجی اور غصے کے باوجود انہیں ہی نامزد کرنے کا مشورہ دیا۔ خلافت کے لیے عمرؓ کی نامزدگی امت کے لیے ابوبکرؓ کی آخری خیر خواہی تھی۔
سیدنا ابوبکرؓ نے امت کی بیماری کو سمجھ لیا تھا، اس لیے آپ نے ان کی بیماری کا کامیاب انتظام کر دیا۔
حضرت عمرؓ ایک بلند پہاڑ تھے کہ جب دنیا آپ کو دیکھتی تو مایوس ہو جاتی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جایا کرتی تھی۔ یہ آپ کی شخصیت تھی، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بہت خوب اے ابن خطاب، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر شیطان تمہیں رستے میں مل جائے تو وہ راہ بدل کر دوسرے رستے پر چل پڑتا ہے۔"
عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ تین آدمیوں میں کافی فراست پائی جاتی ہے۔
(۱)۔ موسیٰ علیہ السلام کی صاحب زادی، جس نے کہا کہ اسے نوکر رکھ لیجیے، بے شک آپ کا بہترین مزدور وہ ہو جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔
(۲)۔ عزیز مصر، جب اس نے اپنی بیوی سے یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا، اس کو عزت و احترام سے رکھو، امید ہے کہ وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔
(۳)۔ ابوبکرؓ جب عمرؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔
ابوبکرؓ نے ان کے منصب کے لیے ایک عہد نامہ لکھا اور جب یہ خبر عمرؓ تک پہنچی تو ابوبکرؓ کے پاس گئے اور انکار کر دیا آپ نے عمرؓ کو بہت سمجھایا پھر دھمکی دی، تو عمرؓ قبول کرنے پر مجبور ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ سے ابوبکرؓ نے بہت دعائیں کیں۔
"اے اللہ تیرے نبی کے حکم کے بغیر میں نے عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا ہے اس سے میرا اصل مقصد لوگوں کی اصلاح کرنا ہے میں ان کے فتنے میں مبتلا ہو جانے سے خائف ہوں اور پوری محنت سے سب سے مشورے لے کر پھر ان سب میں سے بہتر اور سب سے زیادہ خیر خواہی کے



خواہش مند شخص کو ان پر مقرر کیا ہے۔ اے مالک تیرا حکم مجھ پر آ پہنچا ہے، لہٰذا تو اس امت کو میرا بہتر جانشین عطا کر دے کیونکہ وہ سب تیرے بندے ہیں۔"
حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ عہد نامہ خلافت پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں اور لوگوں سے سیدنا عمرؓ کی بیعت لے لیں۔
سیدنا عثمانؓ نے ابوبکرؓ کے اس چناؤ کی تصدیق کی، اس سے پہلے کہ کوئی نیا فتنہ سر اٹھاتا اس حکم کی تعمیل کر دی گئی اور سب نے اس کا اقرار کیا اور عمرؓ کے خلافت منصب پر راضی اور خوش ہو گئے۔
سیدنا حذیفہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا۔
"میں نہیں جانتا کہ کب تک تم میں میں باقی ہوں، تو تم میرے بعد دو آدمیوں کی پیروی کرنا آپ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف اشارہ کیا اور عمار کے طریقے کو اختیار کرنا اور ابن مسعودؓ تم کو جو حدیث بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔"
پس یہ حدیث حضرت عمرؓ کے استحقاق خلافت کی صریح دلیل ہے۔

## نامزدگی کے بعد پہلا خطبہ

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ آپ منبر پر تشریف لائے خطبہ شروع کیا۔
"اے اللہ میں سخت ہوں، مجھے نرم کر دے، میں کمزور ہوں مجھے قوت عطا کر دے، میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے۔"
بعض روایتوں کے مطابق آپ کا پہلا خطبہ یہ تھا۔
"اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمہیں آزمایا ہے اور میرے دونوں رفقاء کے بعد تمہارے ذریعے مجھے آزمایا ہے۔ اللہ کی قسم تمہارا جو معاملہ بھی میرے سامنے پیش ہوگا، میں خود اس کو حل کروں گا اور جو معاملات مجھ سے دور ہوں گے ان کے لیے قوی امین حضرات کو مقرر کروں گا۔ اللہ کی قسم اگر لوگوں نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو میں ان سے اچھا برتاؤ کروں گا اور اگر غلط طریقے سے پیش آئے تو میں انہیں سزا دوں گا۔"
یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ نے خلافت سنبھالی تو منبر پر تشریف لائے اور ابوبکرؓ جس زینہ پر بیٹھا کرتے تھے اس پر آپ نے بیٹھنا چاہا پھر کہا، اللہ کو پسند نہیں کہ میں خود کو ابوبکرؓ کی مجلس کا اہل سمجھوں، وہ یہ کہہ کر نیچے ایک زینہ پر اتر گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی رسول اللہ پر سلام و درود بھیجا اور فرمایا۔
"تم قرآن پڑھو اس سے پہچانے جاؤ گے، اس پر عمل کرو قرآن والے ہو جاؤ گے۔"
"خود کا محاسبہ کیا جائے اور خود کو بڑی پیشی (قیامت) کے لیے تیار کرو، جس دن تم اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی، کسی حق دار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی معصیت میں اس کی اطاعت کی جائے، میں نے اللہ کے مال کے بارے میں خود کو یتیموں کے ولی کے قائم مقام کر لیا ہے اگر مجھے مال ملا تو میں اسے اپنانے سے بچوں گا اور اگر تنگدستی لاحق ہوئی تو معروف طریقے سے کھاؤں گا۔"
دوسری روایت ہے کہ آپ نے خلیفہ بنائے جانے کے دو دن بعد لوگوں سے اپنی تند مزاجی اور سخت گیری کے بارے میں پوچھا اور اپنے بارے میں لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنا ضروری سمجھا پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کیا۔ "نبی اکرم ﷺ اور ابوبکرؓ کے ساتھ ان کی صحبت اور معاملات کا ذکر کیا اور بتایا کہ کس طرح ان سے راضی ہونے کی حالت میں یہ دونوں معتبر ہستیاں رخصت ہوئیں۔ فرمایا۔
"اے لوگو! میں تمہارے معاملات کا عامل بنایا گیا ہوں، جان لو کہ میری سختی دوگنی ہو گئی ہے لیکن وہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کے لیے ہے جان لو کہ میں کسی کو کسی پر ظلم کرتے ہوئے یا سرکشی کرتے ہوئے نہیں چھوڑوں گا، میں ظالم کے رخسار کو ایک زمین پر اور دوسرے رخسار پر پاؤں رکھوں گا، یہاں تک کہ وہ حق کے تابع ہو جائے اور ان کی سختی کے بالمقابل شرفاء اور نیکوکاروں کے لیے اپنا رخسار

زمین پر رکھنے کو تیار ہوں۔
اے لوگو! مجھ پر کچھ تمہارے حقوق ہیں جنہیں میں تمہیں بتا رہا ہوں، انہیں تم مجھ سے لے لو۔ تمہارا مجھ پر حق ہے کہ جب کوئی مال میرے ہاتھ آئے تو وہ جائز مقام پر ہی خرچ ہو۔ اگر اللہ چاہے تو تمہارے وظائف اور عطیات کو بڑھا دوں، سرحدوں کو بند کر دوں، تمہیں خطرات میں نہ ڈالوں اور کبھی موت تک اہل و عیال سے تم کو دور کر کے جنگی مورچہ پر نہیں ٹھہراؤں گا اور جب تم جنگ پر چلے جاؤ تو میں اہل و عیال کا محافظ رہوں گا، یہاں تک کہ تم ان کے پاس لوٹ آؤ۔ پس اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اور اپنے نفوس کے بارے میں اسے مجھ سے روک کر میری مدد کرو اور بھلائی کا حکم دے کر برائی سے روک کر اور میرے متعلق میری ذمہ داری سے مجھے آگاہ کر کے میری مدد کرو۔ انہی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں اور اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے مغفرت کا طالب ہوں۔"

ایک اور روایت ہے آپ نے فرمایا۔
"عرب والوں کی مثال نکیل زدہ اونٹ کی طرح ہے جو اپنے قائد کے تابع ہوتے ہیں لہٰذا اپنے قائد کو دیکھنا چاہیے جہاں وہ جاتا ہے اس کے پیچھے جائیں اور میں تو اللہ کی قسم لوگوں کو سیدھے راستے پر ہی لے جاؤں گا۔"

محبت کے بارے میں

اللہ کی ہمیشہ یہ سنت رہی ہے کہ تند مزاج اور سخت دل انسان سے لوگ دور بھاگتے رہتے ہیں۔ چاہے ایسے لوگ دوسروں کے لیے ناصح، خیر خواہ اور فائدہ مند ہی کیوں نہ ہوں۔ اس حقیقت پر قرآن بھی شاہد ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے (آل عمران)
"پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا ہے اور اگر بد خلق، سخت دل ہوتا تو یقیناً وہ تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر۔"

دور خلافت میں پہلی قرارداد

حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں سب سے پہلے جو قرارداد پاس کی وہ مرتدین قیدیوں کو ان کے خاندانوں میں واپس بھیجنے کے لیے تھی آپؓ نے فرمایا۔
"میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ قیدی بنانا عربوں میں رواج بن جائے۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ عمل کر دکھایا تو عربوں میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ وہ سب اللہ کی شریعت میں برابر ہیں۔ یعنی کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت نہیں۔ سب نے آپ کی جرأت مندانہ فیصلے کو بہت سراہا اس کے پیچھے ہی آپ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ مرتدین میں سے جس نے توبہ کر لی اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف محاذ آرائی میں شریک ہو گیا آپ اسے معاف کر دیں گے۔ اس کے نتیجے میں مرتدین جب اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے جنگ میں بہادری، دلیری اور وفاداری کے ایسے جوہر دکھائے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی دور اندیشی کی زندہ مثال ہے۔

خلافت اور بادشاہت میں فرق

حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ، اگر میں بادشاہ ہوں تو بڑی چیز ہے۔ ایک نے کہا خلیفہ اور بادشاہ میں بہت فرق ہے۔ خلیفہ اسے کہتے ہیں جو حق لیتا ہے اور حق کی جگہ پر خرچ کرتا ہے یعنی ایک سے زکوٰۃ کی صورت میں وصول کرتا ہے اور حاجت مندوں اور حق داروں پر خرچ کر دیتا ہے۔
حضرت عمرؓ اس کی بات سن کر خاموش رہے۔
دوسری روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے پوچھا۔
"کیا میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔" حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا اگر آپ نے حکومت کے خزانے سے ایک درہم یا اس سے زیادہ یا اس سے کم لیا اور ناجائز جگہ پر خرچ کر دیا تو پھر آپ بادشاہ ہیں۔ دوسری صورت میں خلیفہ ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے۔

محکمہ شورائیت

اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم



کی اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (شوریٰ) عمرؓ اپنی حکومت کی اساس شورائیت پر ہی رکھی تھی اپنے ساتھیوں اور بقیہ مسلمانوں کو نظر انداز کر کے اپنے فیصلے کو کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے۔ نہ ہی کسی معاملے میں ان پر اپنا حکم زبردستی مسلط کرتے تھے ہمیشہ ہر معاملے کے بارے میں غور و خوض کرتے اور مشورہ کرنے سے پہلے کوئی ٹھوس فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ جب مسلمانوں سے مشورہ لیتے تو اپنا بھی خیال اور سوچ ان سے شیئر کرتے۔

آپ کے اقوال زریں

"جس کام کو بغیر مشورہ کے عمل میں لایا گیا اس میں بھلائی نہیں۔
تمہاری ایک رائے دھاگے کی طرح ہے اور دو رائے وہ جیسے دو دھاگوں کے مثل ہیں جبکہ تین آدمیوں کا مشورہ بٹی ہوئی رسی کے مثل ہے۔ جو ٹوٹتی نہیں۔ اپنے معاملات میں اس آدمی سے مشورہ لو جو اللہ سے ڈرتا ہو۔
انسان تین طرح کے ہیں۔
وہ آدمی جس کے پاس معاملہ آتا ہے تو وہ صرف اپنی رائے سے حل کرتا ہے۔ وہ آدمی جو اپنے مشکل معاملات میں دوسروں سے مشورہ لیتا ہے اور وہ لوگ جو اسے مشورہ دیتے ہیں وہ وہاں جاتے ہیں۔ وہ آدمی جو نہ کسی کی بات مانتا ہے نہ کسی چیز کی طرف توجہ دیتا ہے۔
ایک مقام پر آپ نے فرمایا۔
مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کا معاملہ ان کے اور اہل حل و عقد کے درمیان شورائیت سے طے پائے۔ جو شخص فریضہ کو ادا کرے لوگ اس کے تابع ہوں اور جس بات پر سب متفق ہو جائیں اور باہم راضی ہو جائیں وہ سب پر لازم ہے کہ اس کے تابع ہوں گے اور جو شخص اس شورائیت کو بروئے کار لائے وہ اہل حل و عقد کے مشوروں کے تابع ہوگا۔ فوجی کارروائی وغیرہ کے متعلق اس کو ان کی رائے پر عمل کرنا ہوگا۔
سیدنا عمرؓ اپنے فوجی کمانڈروں کو مشورہ لینے کی برابر تاکید کرتے تھے جب آپ نے ابو عبید ثقفی کو عراق کے محاذ پر اہل فارس سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تو ان کو نصیحت کی کہ اصحاب رسول ﷺ اور خاص طور پر بدری صحابہ کی باتوں کو سننا اور اطاعت کرنا۔ عراق کے محاذ پر ڈٹے ہوئے اپنے فوجی کمانڈروں کو فرمان جاری کرتے تھے کہ اپنے فوجی معاملات میں عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ اسدی سے مشورہ لیا کرو آپ کا فرمان تھا ان دونوں کو کسی چیز کا ذمہ دار نہ بناؤ کیونکہ ہر کاریگر اپنی کاریگری کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کے نام

"جو شخص تمہارا اسلامی مشیر ہو وہ عرب نژاد ہو اور تم اس کی خیر خواہی و سچائی سے مطمئن ہو کیونکہ جھوٹے کی خبر تمہارے لیے کچھ بھی مفید نہیں اگر چہ اپنی بعض خبروں میں سچا ہی کیوں نہ ہو اور دھوکہ باز تمہارے خلاف ایک جاسوس ہے وہ تمہارے خلاف جاسوسی ہی کرے گا۔ (کیونکہ جاسوسی اس کی فطرت کا حصہ ہے) عتبہ بن غزوانؓ کو بصرہ کی طرف روانہ کرتے ہوئے پہلے فرمایا۔
"میں نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمی کے ذریعے سے تمہیں طاقت پہنچائیں وہ دشمن کو شکست دینے والے اور اسے زیر کرنے والے شخص ہیں لہٰذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے مشورہ لو اور اپنے پاس رکھو۔"

عمدہ طرز عمل اور نتائج

شورائیت کے متعلق حضرت عمرؓ کا طرز عمل نہایت عمدہ و اعلیٰ تھا۔ سب سے پہلے کسی بھی معاملے میں عام مسلمانوں سے مشورہ لیتے ان کی باتوں پر غور کرتے۔ اس کے بعد بزرگ حضرات حل کے اہل حضرات اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کو ایک جگہ اکٹھا کرتے اور مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیتے اور ان سے کہتے میری رہنمائی کریں پھر سب جس بات پر متفق ہو جاتے آپ اسے نافذ کر دیتے۔ آپ کا یہ عمل ان دستوری نظاموں سے مشابہت تھا جو آج کل جمہوری ملکوں میں رائج ہونا چاہیے تھا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جب آپ اپنی کسی رائے سے لوگوں کو آگاہ کرتے تو اگر کمزور ترین عام شخص کی رائے قوی محسوس کرتے تو فوراً اسے قبول کر لیتے۔ اس اعلیٰ طرز عمل سے دور خلافت کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اور آپ نے بزرگوں کی عمر اور صحت کا خیال رکھتے ہوئے نوجوانوں کو آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کیے۔

زہریؒ نے نوعمر لوگوں کے بارے میں لکھا۔

اپنی نوعمری کی وجہ سے خود کو حقیر نہ سمجھو۔

جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا تو آپ نوجوانوں کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے آپ کا مقصد ہوتا تھا کہ ان کے ذہن تیز ہوں۔

محمد بن سیرین کا بیان ہے۔

حضرت عمرؓ بیشتر معاملات میں ہر طرح کے ذہین لوگوں سے مشورہ لیا کرتے تھے حتیٰ کہ عورتوں سے بھی مشورہ لیتے اگر کسی عورت کی بات میں وزن اور بھلائی محسوس کرتے تو اسی پر عمل کرتے آپ نے ام المومنین حفصہؓ سے بھی مشورہ لیا۔ ان سب مشورہ کتاب و سنت کو مدنظر رکھ کر لیا جاتا تھا اور دوسرا مقصد یہ ہوتا کہ درپیش مسئلے میں اگر کسی صحابی کو کوئی حدیث معلوم ہے تو وہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے کیونکہ بعض صحابہ کو احادیث یاد ہوتی تھیں۔

شام میں طاعون کی وبا

آپ شام جاتے ہوئے رستے میں تھے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں طاعون کی وبا پھیل گئی ہے۔ آپ نے انصار و مہاجرین کو اکٹھا کیا کہ کیا شام کا سفر جاری رکھوں یا واپس لوٹ جاؤں۔ کسی نے کہا آپ خالص اللہ کی رضا کے لیے شام کی طرف نکلے ہیں ایسا نہ ہو یہ وبا آپ کو نیک ارادے سے نہ پھیر دے۔

کسی نے کہا یہ ایک ناگہانی مصیبت ہے اس میں زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ ہماری رائے میں آپ آگے مت جائیں پھر آپ نے رائے کے لیے فتح مکہ کے قریشی مہاجرین کو بلا کر مشورہ کیا انہوں نے آپ کو فوراً واپس جانے کا مشورہ دیا۔

حضرت عمرؓ نے فوراً ان کے مشورے کو اہمیت دی اور واپسی کا اعلان کر دیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کیا آپ اللہ کی رضا سے فرار حاصل کرنا چاہ رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جا رہے ہیں تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارا اونٹ کسی ایسی وادی میں اتر جائے جس کے دو کنارے ہوں ایک کنارہ سرسبز ہو اور دوسرا کنارہ خشک ہو اگر تم اسے سرسبز حصہ میں چراتے ہو تو کیا اسے اللہ کی تقدیر سے نہیں چرایا؟ اور اگر خشک جگہ میں چراتے ہو تو کیا اللہ کی تقدیر سے نہیں چرایا۔

عبدالرحمان عوفؓ نے ان کی آواز سن لی تو ان کے پاس آئے اور کہا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

"جب تم سنو کہ یہ (وبا) کسی علاقے میں پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی علاقے میں یہ پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگو۔"

عدل و انصاف

حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف کا دور خلافت میں بہت اہم مسئلہ ہے کیونکہ قرآنی آیت اور سنت نبوی بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

سیدنا عمرؓ عدل و انصاف کا ایک نمونہ تھے اسی عمل نے دشمنوں کے دلوں کو فتح کر لیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے آپ جانتے تھے کہ لوگوں کے تنگ دلوں کو وسیع کرنے کے لیے اور ان میں ایمان روشن کرنے کے لیے عدل و انصاف ایک عملی ذریعہ دعوت ہے۔ آپ نے اپنے دور میں رسول ﷺ کے طرز عمل کو اپنائے رکھا آپ کی



سیاست بھی اسی عمل پر قائم تھی۔

آپ حق پر قائم رہنے والے انسان تھے بلکہ آپ اپنے اہل و عیال پر دوسروں سے زیادہ سخت تھے۔

آپ کے عدل کی چند مثالیں۔

امام مالکؒ نے سعید بن مسیب کی سند سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطابؓ کے پاس ایک مسلمان اور یہودی جھگڑا لے کر پہنچے عمرؓ نے دیکھا کہ یہودی حق پر ہے آپ نے اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا تو یہودی نے کہا۔

"اللہ کی قسم آپ نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔"

آپ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا تھا کہ حج کے موسم میں وہ آپ سے ملاقات کیا کریں جب وہ اکٹھے ہو جاتے تو آپ فرماتے۔

"اے لوگو! میں نے اپنے گورنروں کو تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ تمہاری چمڑی ادھیڑ لیں اور تمام مال ہڑپ کر جائیں ان کو میں نے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ تمہارے درمیان جو مظالم حائل ہوں انہیں حل کریں اور مال غنیمت کو تمہارے درمیان تقسیم کریں اگر کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا گیا تو وہ کھڑا ہو کر شکایت کرنے کا حق دار ہے۔ ایک آدمی یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ امیر المومنین آپ کے گورنر نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے گورنر سے کوڑے مارنے کی وجہ دریافت کی اور آدمی سے کہا اٹھو تم ان سے بدلہ لے سکتے ہو کیونکہ تم بے گناہ ہو۔ اسی لمحے عمرو بن عاصؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے

اے امیر المومنین اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو یہ سلسلہ بہت طوالت پکڑ لے گا اور آپ کے بعد جو بھی خلیفہ آئے گا اس کے لیے یہ چیز سنت بن جائے گی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا میں بدلہ نہ دلاؤں میں نے رسول ﷺ کو بذات خود بدلہ دلاتے ہوئے دیکھا ہے۔

عمرو بن عاصؓ نے کہا۔

آپ ہمیں اجازت دیں ہم اسے راضی کر لیں گے۔

آپ نے کہا۔

ٹھیک ہے لے جاؤ اسے راضی کر لو۔

عمرو بن عاصؓ نے ہر کوڑے پر دو دینار مقرر کر دیے اور یوں دو سو دینار دے کر اسے رخصت کر دیا۔

اگر عمرو بن عاصؓ اسے اس پر رضامند نہ کر پاتے تو آپ اسے بدلہ دلا کر ہی چھوڑتے۔

مصر کا ایک باشندہ آپ کے پاس عمرو بن عاصؓ کے بیٹے کی شکایت لے کر آیا اس وقت عمرو بن عاص مصر کے گورنر تھے۔ وہ آدمی بولا میں نے عمرو بن عاصؓ کے بیٹے سے دوڑ کا مقابلہ کیا اور میں اس سے آگے نکل گیا تو وہ اس پر مجھے کوڑے مار کر اپنا غصہ اور شرمندگی مٹانے لگا اور اس نے کہا تم جانتے ہو کہ میں ایک گورنر کا بیٹا ہوں۔

یہ سن کر عمرؓ نے عمرو بن عاص کو خط لکھا اور انہیں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا وہ حاضر ہوئے۔

انسؓ کا بیان ہے کہ آپ بولے معزز گورنر کے بیٹے کو کوڑا پکڑ کر مارو اور بدلہ لو۔ وہ اسے مارنے لگا اور عمر کہتے گئے معزز فرد کے بیٹے کو مارو۔

انسؓ کا بیان ہے کہ اس نے اسے مارا اور خوب مارا ہماری تمنا تھی کہ اسے مارا جائے پھر عمرؓ نے فرمایا عمرو بن عاص کے سر پر اب مارو۔

مصری نے کہا اے امیر المومنین مجھے اس کے لڑکے نے مارا تھا میں نے اس سے بدلہ لے لیا تو عمرؓ نے عمرو بن عاص سے کہا۔

"تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔ عمرو بن عاصؓ نے فرمایا۔

اے امیر المومنین نہ میں نے اس واقعہ کو جانا اور نہ ہی یہ مصری میرے پاس آیا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل پسند حکومت کی مدد کرتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو اور ظالم حکومت کی مدد نہیں کرتا اگرچہ وہ مسلم ہو۔ عدل سے ہی افراد کی اصلاح ہوتی ہے اور اموال میں برکت ہوتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: "اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک تم میں سے سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے پوری خبر رکھنے والا ہے۔" (الحجرات)

قحط سالی

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مدینہ اور گرد و پیش کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو گئے مدینہ میں پانی کی کمی کی وجہ سے زمین اس قدر خشک ہو گئی تھی کہ ریت اور مٹی ہوا میں اڑ رہی تھی اس لیے اس سال کو عام الرمادہ یعنی ریت والا سال کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت یہ قسم کھائی کہ وہ پنیر، گوشت، دودھ، گھی وغیرہ اس وقت تک نہیں کھائیں گے جب تک کہ لوگ پہلے جیسی زندگی نہ پالیں۔ اتفاق سے بازار میں گھی کا ایک ڈبہ اور دودھ کی ایک مشک آئی حضرت عمرؓ کے غلام نے چالیس درہم میں ان کو خرید لیا اور حضرت عمرؓ کے پاس لے آیا اور کہا۔

اے امیر المومنین اللہ نے آپ کی قسم کو پورا کر دیا اور ثواب کو بڑھا دیا بازار میں دودھ کی مشک اور ایک گھی کا ڈبہ آیا تھا ہم نے چالیس درہم میں خرید لیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے دونوں چیزیں خرید کر حد سے تجاوز کیا ہے۔ ان دونوں کو صدقہ میں دے دو مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ کسی چیز کے کھانے میں اسراف کروں اور فرمایا۔ مجھ رعایا کی حالت کیسے معلوم ہو سکتی ہے جب تک میں اس مصیبت سے نہ گزروں۔ جس سے وہ گزر رہے ہیں۔

لوگ ایک سال تک شدید مہنگائی کے وقت سے مقابلہ کرتے رہے جب گھی مہنگا ہو گیا تو حضرت عمرؓ تیل کھانے لگے تو پیٹ گڑگڑانے لگا آپ نے پیٹ کو مخاطب کیا۔

"تم جتنا چاہو گڑگڑاؤ تم اس وقت تک گھی نہیں کھاؤ گے جب تک سب لوگ گھی نہ کھانے لگیں۔"

برابری

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ حج کے لیے مکہ گئے صفوان بن امیہ نے ان کے لیے کھانا پکایا وہ ایک بڑے برتن میں تھا اور اسے چار آدمی اٹھا کر لائے اور کھانا سب کے سامنے رکھا گیا اور سب کھانا کھانے لگے اور خادم ایک طرف کھڑے رہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"کیا تم ان خدمت گاروں سے خود سے دور رکھتے ہو۔" سفیان بن عبداللہ نے کہا۔ "نہیں، اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے اے امیر المومنین البتہ خود کو ان پر ترجیح دیتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ اپنے خادموں پر خود کو ترجیح دیتے ہیں، پہلے خود کھاتے ہیں پھر ان کو کھلاتے ہیں، اللہ ان کے ساتھ ایسا ہی کرے۔" پھر خادموں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

"تم لوگ بھی بیٹھو اور کھانا کھاؤ۔" یہ سن کر خادم بھی کھانے کے لیے بیٹھ گئے اور کھانا تناول کرنے لگے لیکن امیر المومنین نے کھانا نہیں کھایا۔

جب بھی مسلمانوں کو کھانے کی قلت ہوتی آپ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں بھی کھانے کی قلت ہوئی آپ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھا کرتے تھے۔ خشک سالی میں بھی آپ نے ایسا عمل جاری رکھا۔

ایک دن صحابہ نے چند اونٹوں کو ذبح کیا اور لوگوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت عمرؓ کے لیے بھی ایک ہاؤ کے قریب اچھا گوشت لے کر آئے اس میں کوہان اور کلیجی کی چند بوٹیاں تھیں تو آپؓ نے پوچھا یہ گوشت کہاں سے آیا ہے؟ صحابہ نے کہا امیر المومنین ان اونٹوں کا گوشت ہے جنہیں ہم نے آج ذبح کیا تھا آپ ان کی بات سن کر بولے تھو تھو کیا میں اتنا برا حاکم ہوں کہ بہترین گوشت میں کھا جاؤں اور دوسرے لوگ ہڈیاں کھائیں پھر روٹی اور تیل لایا گیا آپ نے روٹی توڑ کر تیل میں مکس کر کے چوری بنائی اور کھانے لگے۔

سیدنا عمرؓ نے عدل اور مساوات کے اصولوں کو مدینہ کے علاوہ اپنی تمام ریاستوں میں اپنے گورنروں کے ذریعے پھیلانے کے خواہش مند تھے۔

عقبہ بن فرقد جب آذر بائیجان گئے تو ان کی خوب خاطر و مدارت کی گئی اور ضیافت میں ایک مٹھائی کو آپ نے کھایا تو اس کا میٹھا ذائقہ آپ کو بہت اچھا لگا اور کہا کہ یہ ضیافت امیر المومنین کے لیے بنائی جائی تو کیا ہی خوب ہوتا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کے لیے دو بڑی ٹوکریاں مٹھائی کے لیے تیار کر دیں اور اسے دو آدمیوں کے ساتھ اونٹ پر لاد کر حضرت عمرؓ کو بھیج دیا گیا۔ جب آپ نے ٹوکریاں کھولیں تو آپ نے پوچھا کہ کیا چیز ہے۔ انہوں نے بتایا تمام باتیں ان کے گوش گزار کیں اور کہا یہ مٹھائی ہے آپ نے اسے چکھا اور اسے بے حد لذیذ پایا تو تمام مسلمان اپنے گھروں میں اس مٹھائی سے پیٹ بھرتے ہیں انہوں نے کہا نہیں امیر المومنین۔

آپ نے فرمایا جب ایسی بات ہے تو ان دونوں ٹوکریوں کو یہاں سے لے جاؤ آپ نے عتبہ کو خط لکھا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ مٹھائی نہ تو تیرے باپ کی کوشش سے تجھ تک پہنچی اور نہ تیری ماں کی کوشش اس میں شامل ہے تم اپنے گھر میں جو بھی کھاتے ہو اسی سے تمام مسلمانوں کو کھلاؤ۔

ایک بار آپ کے پاس مال آیا اور آپ لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے کہ یہ بھیڑ اور دھکم پیل دیکھ کر سعد بن ابی وقاص لوگوں کو چیرتے ہوئے حضرت عمرؓ تک جا پہنچے۔

آپ نے انہیں ایک درہ کس دیا اور کہا تم زمین میں اللہ کے سلطان سے نہیں ڈرتے اور اس بھیڑ کو چیرتے ہوئے آگے نکل آئے تو میں نے سوچا کہ تمہیں بتادوں کہ اللہ کا سلطان بھی تم سے نہیں ڈرتا۔

ابن الجوزی سے روایت ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے جب آپ مصر کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبدالرحمان پر شراب نوشی کی حد مقرر کر دی اس وقت جب کوئی شرعی حد مقرر کی جاتی تھی تو وہ شہر کے میدان میں نافذ ہوتی تا سزا باعث عبرت ہو لیکن عمرو بن عاصؓ کے خلیفہ کے بیٹے عبدالرحمان کو گھر کے اندر تنہائی میں حد نافذ کی جب حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ملی تو آپؓ نے عمرو بن عاصؓ کو ایک خط لکھا۔

"اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے مجرم ابن العاص کے نام۔

اے عاص کے بیٹے مجھے تمہاری اس جرأت اور ہمت پر شدید حیرت ہے۔ میں نے تمہیں منتخب کرتے وقت بدری صحابہ کے مشورے کو نہ سنا کیونکہ مجھے امید تھی کہ تم میری طرف سے وفا کرو گے اور میرے عہد کو گورنر ہونے کے ناطے پورا کرو گے اگر میں تمہیں عہدہ سے برطرف کرتا ہوں تو یہ بات اچھی نہیں تم نے میرے بیٹے کو گھر کے اندر مارا میرے مزاج اور عہدے کے سراسر خلاف تم نے یہ کام کیا ہے عبدالرحمان تمہاری رعایا کا ایک فرد ہے تم جو کچھ دوسرے مسلمانوں سے کرتے ہو وہی سلوک اس سے کرو تم نے میرا صاحب زادہ سمجھ کر اسے رعایت کیوں دی اگر میرے نزدیک کسی پر اللہ کا حق واجب ہے تو اس میں ہرگز مروت و رعایت اور ترس و رحم نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا جب یہ خط تمہیں ملے تو اس کو پالان پر رکھے ہوئے کپڑے کا چوغا پہنا کر شہر میں روانہ کرنا کہ لوگ اس کی سزا جان جائیں۔"

biazdill@naeyufaq.com

# بیاضِ دل

## میمونہ رومان

**اقرا اکبر شاہ ..... مقام نامعلوم**

دوست دوست نہیں فرشتہ ہوتا ہے
احساس تب ہوتا ہے جب وہ جدا ہوتا ہے
بن دوست کے جینا اک سزا ہے لیکن
دوست آپ جیسا ہو تو جینے کا اپنا مزہ ہوتا ہے

**زہرہ فاطمہ ..... گوجر خان**

ہمیں اس سرد موسم میں تیری یادیں ستاتی ہیں
تمہیں احساس ہونے تک دسمبر بیت جائے گا

**خالدہ ملک ..... ٹمکہ**

اسے یہ کیسے کہوں ہچکیاں بھی لیں میں نے
ابھی تو رونے کا اس کو یقین ملا ہے

**جویریہ سعدیہ چوہان ..... وہاڑی**

میرے گوشوارے میں کون بھرتا گیا ہوا
اے میری طلب مجھے ہر گھڑی کا حساب دے

**فائزہ شاہ ..... پتوکی**

کچھ تو وہ بھیگتی ہے بارش میں
کچھ ہوا بھی اسے سنوارتی ہے

**کوثر خالد سوہا ..... جڑانوالہ**

جنہیں ہم بے وفا کہتے ہیں وہ مجبور ہوتے ہیں
کبھی تقدیر کے ہاتھوں وہ ہم سے دور ہوتے ہیں

**ام ہانی شاہد ..... ڈگری**

میرے جینے کا طریقہ زمانے سے الگ ہے
میں اشاروں پہ نہیں ضد پہ جیتا ہوں

**ایمن گلزار ..... کوٹلی گجرات**

بنا کر دوست میرے چارہ گر کو
میرے زخموں کو گہرا کر دیا ہے
محبت کی گواہی دے کے تم نے
مجھے سب میں اکیلا کر دیا ہے

**ثمرہ گلزار ..... کوٹلی گجرات**

وہ میرا کم نہیں ہوا نیا سال آنے سے بھی
خوشیوں نے دستک بھی نہیں دی میرے دروازے
نیا سال آنے سے بھی
کس خوش فہمی میں تو جیتا رہتی ہے ثمرہ
تنہائی تیرا پیچھا بھی نہیں چھوڑے گی
نیا سال آنے سے بھی

**فریحہ شبیر ..... شاہ نکڑ**

یہ تیرے خط، تیری خوشبو، یہ تیرے خواب و خیال
متاعِ جاں ہیں تیرے قول و قسم کی طرح
گزشتہ سال میں نے انہیں گن کر رکھا تھا
کسی غریب کی جوڑی ہوئی رقم کی طرح

**لبنیٰ شکیلہ لولکو جٹک ..... سیالکوٹ**

کہا میں نے محبت کی تعریف کرو
کہا اس نے یہ مشغلہ ہے دیوانوں کا
کہا میں نے تم بھی تو کر کے دیکھو
کہا اس نے یہ کام نہیں انسانوں کا

**ثانیہ نیشان بٹ ..... نارووال**

وہ چل پڑا تھا محبت کی راہوں پہ
اور پھر سفر تھا کہ طویل ہوتا رہا

**فہمیدہ فرخندہ جاوید ..... ملتان**

ہم تو سمجھے تھے اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اتر جائے گا

**نعیم انصر ہاشمی ..... جھنگ صدر**

مدت گزری انصر کسی کے مہماں نہیں ہوئے
مہماں اک گھر آیا تو یاد آیا ہمیں

**کنزیٰ رحمان ..... فتح جنگ**

وہی شخص میرے لشکر سے بغاوت کر گیا
جیت کے سلطنت جس کے نام کرنی تھی

**وقاص عمر ..... ہنگڑنو حافظ آباد**

تیرے دیدار کے لمحے بہت قیمتی تھے
ہم اگر آنکھ جھپکتے تو خسارہ کرتے
اب میسر کہاں ہیں خود کو بھی
ہاں تیرے بے حساب تھے جب تھے

**شہزادی فرخندہ ..... خانیوال**

ہماری بے خودی کا حال وہ پوچھے اگر
تو کہنا ہوش بس اتنا ہے کہ تم کو یاد کرتے ہیں

**یاسمین کنول ..... پسرور**

اجلے اجلے چہرے ہم سے بچھڑ گئے تو سوچتے ہیں
کتنے اچھے افسانے تھے کتنے برے انجام ہوئے

**رشک چاند ..... دینہ**

ہٹا کر زلف چہرے سے اداکیں نہ دکھاؤ چاند
کوئی عید نہ کر لے ابھی رمضان باقی ہے

**پروین افضل شاہین ..... بہاولنگر**

تعلق بعد میں تبدیل ہو کر جو بھی رہ جائے
محبت سے وہ پہلا مسکرانا یاد رہتا ہے
کسی کی لاکھ باتیں ایک پل میں بھول جاتی ہیں
کسی کا ایک جملہ بھی پرانا یاد رہتا ہے

**ایمن غفور ..... خانیوال**

میں زندہ تھی جس کی آس پہ وہ بھی رلا گیا
بندھن وفا کے توڑ کر سارے چلا گیا
اسے خود ہی تو اس نے کی تھی محبت کی ابتدا
ہاتھوں میں ہاتھ دے کر خود ہی چھڑا گیا

**گلشن چوہدری گل ..... چک محمود**

اسے کہنا کہ سانسیں اب بھی تیرے ہی نام سے چلتی ہیں
یہ دل اب بھی تیرے ہی نام پہ دھڑکتا ہے

**عائشہ شکیل ..... گوجرہ**

سرِ شام نکل پڑی ہوں میں بھی سورج کو ڈھونڈنے
تاریک راتوں میں ایک دیا تو جلانا ہوگا

**شارق عزیز ..... نوشہرہ ستی**

محبت کو بھلا دینا بھلا کیسی محبت ہے؟
کسی کو یوں ستا دینا بھلا کیسی محبت ہے؟
مجھے بتلاؤ محفل میں چراغوں کی جگہ جاناں
کسی کا دل جلا دینا بھلا کیسی محبت ہے؟

**دلاور تہذیب حسین تہذیب ..... رحیم یار خان**

کر عطا اس بار اک ایسی بہار بے خزاں
اس برس ہم خستہ حالوں کا بھی حال اچھا رہے
کامیاب و کامراں ہو ہر قدم سارا برس
اے خدا سالِ گزشتہ سے یہ سال اچھا رہے

**صباس گل ..... رحیم یار خان**

میرے مالک جو سال گزرا ہے
سال ایسا نہ پھر کبھی لانا
زندگی گل کی بھی مہک اٹھے
ایسی گھڑیاں بہار کی لانا

**شہزادی وردہ ..... مہمسر گجرات**

سیاہ رات میں جلتے ہیں جگنوؤں کی مانند
دل کے زخم بھی کمال ہوتے ہیں

**مرتضیٰ اسد ..... ساہیوال**

کسی سے تیرے آنے کی سرگوشی کو سنتے ہی
میں نے کتنے پھول چنے اور اپنی شال میں رکھے

**صائمہ شبیر علی ..... خانپور**

دل کی بستی ویران لگتی ہے
بنا تیرے زندان لگتی ہے
ساتھ ہوتا ہے جب تمہارا
تو ہر مشکل آسان لگتی ہے

**امبر گل ..... جیٹھو سندھ**

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کے سب مل کے گائیں اب کے برس
دلوں میں پھول اگائیں نئی محبت کے
کہ نفرتوں کو دل سے مٹائیں اب کے برس
کریں کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

www.naeyufaq.com

biazdill@naeyufaq.com

# نیرنگ خیال

## ایمان وقار

### حسین لمحات

ہزاروں باتیں کرنی ہیں تجھ سے
میں ہزاروں سے باتیں کرنا نہیں چاہتی
تیرے ساتھ گزرے لمحات حسین لگتے ہیں
میں ان لمحات کو کھونا نہیں چاہتی
تو جو ہنستی ہے تو دل کو ملتا ہے سکون
میں تمہیں اداس دیکھنا نہیں چاہتی
سنا ہے کہ ہر محبت کو زوال ہے اس زمانے میں
میں تیرے سے بچھڑنے کا سوچنا نہیں چاہتی
میں تیرے بغیر رہ تو سکتی ہوں جاناں
مگر میں تیرے بغیر رہنا نہیں چاہتی

کنول رحمان...... جھنگ

### انتظار

میرا دیس چھوڑ کر پردیس جانے والے
نئے نئے سپنے دکھانے والے
وعدہ کیا تھا دسمبر میں آ جاؤں گا
نئے سال میں تم کو اپنا بناؤں گا
اک بار آ کے اتنا تو بتا دے
کہ تیرے ہجر میں دن کیسے گزارے
تم تو چھوڑ کر رخصت ہو گئے
آنے کا وعدہ کر کے پھر نہ پلٹے
دنیا کو کیسے سمجھاؤں
تیرے نہ آنے کی وجہ کیا بتاؤں
مجھ کو امید دلانے والے
جا کر واپس نہ آنے والے
لو گیا دسمبر منتظر ہے انجم

نیا سال آ گیا رکا ہے میرا انجم
تم کو میری قسم جاؤ اک بار
بیتا میرا انتظار
کرتی ہوں انتظار
آ جاؤ......

انجم انجم اعوان...... کراچی

### درد

کس کی
بے وفائی
کا درد
لکھوں
اپنوں کی
بے وفائی کا
یا دوست کی
بے وفائی کا
دوست کی
بے وفائی کا
درد بھر
جائے گا
آہستہ آہستہ
لیکن......
اپنوں کی
بے وفائی کا
درد ہمیشہ
تنہائی کی
صورت میں
ساتھ رہے گا

ثمر بگلا ثمر...... کوٹلی گجرات

### قسمت

ایک دن اس نے یونہی
ہنستے ہوئے مجھ سے پوچھا
بوجھو تو میں کہاں ہوں؟

میں نے کہا میرے دل میں
میری دھڑکن میں
میری روح میں
میری سانس میں
میرے دن میں
میری رات میں
میری ذات میں میرے جذبات میں
یہ سن کر وہ خاموش ہو گئی
پھر اس نے پوچھا
اور میں کہاں نہیں ہوں؟
یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے
اور میں نے کہا
میری قسمت میں

انس شہزادی کھرل...... جڑانوالہ

### مسافر

بہار موسم میں ڈھلتی شام کو
وہ کچے راستوں سے آ رہا تھا
جب آسماں پر گھٹا چھائی ہوئی تھی
درختوں پر کلیاں کھلی ہوئی تھیں
گلاب کے سرخ پھول خوشبو پھیلا رہے تھے
مجھے لگا تھا

یہ سب سہانا سا منظر
اسی مسافر کے آنے سے نظر آ رہا ہے
مگر

میرے "پنجاب" کے یہ "چار موسم"
ان میں ہے اک "بہار موسم"
وہی تو تھا جب "بہار موسم"
مجھے لگا تھا
وہ کچے راستوں سے آنے والا
یہیں رکے گا
ہمارے گاؤں کی کچی مٹی کی سوندھی خوشبو
حسین منظر اسے متاثر جو کر رہے ہیں

تو یہیں رکے گا
مگر مسافر تو پھر مسافر تھا
وہ جن راستوں سے گزر کر
گاؤں کی دہلیز میں آ رکا تھا
وہیں سے پھر وہ چلا گیا تھا
وہ تھا مسافر......!!

لیلیٰ ریحانہ...... وڈھیوالی بھکر

### سفر

شام سے یوں بھی ڈر لگتا ہے
سونا سونا گھر لگتا ہے
تنہا تنہا صحرا میں جیسے
سامنے کوئی سفر لگتا ہے
تاروں کی جانب جب دیکھوں
سامنے کوئی سفر لگتا ہے
پھیکا پھیکا صبح کا موسم
اجڑا اجڑا شام سا گھر لگتا ہے
میں نے کتابوں میں رکھا ہے
اک تتلی کا پر لگتا ہے
رات گئے جو گھر آتا ہے
مجھ کو وہ انصر لگتا ہے

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ صدر

### ہم راز

بجلی سی میری ایک دوست ہے
نازک دل سی میری ہم راز ہے
بجلی سی اس کی شکل ہے
پُرکشش چہرہ جیسے مہکتی چاندنی
جب وہ مسکراتی ہے
تو گلاب کی طرح کھل جاتی ہے
ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتی ہے
ذرا سا منانے پر مان جاتی ہے
روٹھ کر بہت حسین لگتی ہے
جیسے پوری رات کا آدھا چاند

غصے کی تیز گرمیوں کی چھاؤں ہے
ضد کی پکی مگر وہ سردیوں کی دھوپ ہے
میرا اس سے خون کا رشتہ تو نہیں ہے
مگر وہ خونی رشتے سے زیادہ عزیز ہے
ناممکن ہے اس جیسا کوئی اور ملے
ممکن ہے ندا تجھ جیسے اسے ہزاروں ملے
ندا افتخار..... چشتیاں

**انا کی دیوار**

ہر دکھ کو کیسے سخن بیاں کروں
پرت پرت کھول کر کیسے عیاں کروں
انا کی دیوار پر بکھرے نقش ہیں
کیسے میں ان کو بھلا زباں دوں
بہت ہی بکھرے ہیں یادوں کے ذرے
کیسے بھلا میں بچ کر گزرا کروں
جو غم زیست کی کتاب میں شامل نصاب ہوں
اب کتنے لبادوں سے میں ان کو چھپایا کروں
شائستہ جٹ..... چیچہ وطنی

**حکم**

حکم تیرا ہے تو تعمیل کیے دیتے ہیں
زندگی ہجر میں تحلیل کیے دیتے ہیں
تو میری وصل کی خواہش پر بگڑتا کیوں ہے
راستہ ہی ہے چلو تبدیل کیے دیتے ہیں
آج سب اشکوں کو آنکھوں کے کنارے پہ لاؤ
آج اس ہجر کی تکمیل کیے دیتے ہیں
ہم جو جیتے ہوئے اچھے نہیں لگتے تم کو
تو حکم کر آنکھ ابھی جھیل کیے دیتے ہیں
بشریٰ رضوان..... بہاولپور

**کانچ سی گڑیا**

کانچ سی اک گڑیا
کانچ سا اس کا دل
ہنستی مسکراتی سی رہتی تھی
پھر ایک دن.....
نہ جانے کیا ہوا
وہ کانچ کا دل ٹوٹ گیا
کوئی بہت ہی خاص
اسے بے مول کر گیا
وہ کانچ سی گڑیا اب
بہت ہی اداس رہتی ہے
وہ کانچ سی گڑیا
روتی رہتی ہے
طیبہ ملک..... صادق آباد

**تصویر**

اک استعارہ تھما گیا وہ جاتے جاتے
بھلے اپنا بنا گیا وہ جاتے جاتے
اس کی نظر میں بدلنا کوئی کمال نہیں تھا
میری ذات مٹا گیا وہ جاتے جاتے
عمر بھر اس خوشی نے ستایا مجھے
کہ مجھ پہ جذبات لٹا گیا وہ جاتے جاتے
نیند بھی رات بھر جاگتی رہی پھر
اپنی ہمراہی کا احساس دلا گیا وہ جاتے جاتے
اس کی اک جھلک ہی زندگی تھی میری
تصویر آئینے میں سجا گیا وہ جاتے جاتے
دل کے آنگن میں خزاں بھی نہ اتری
میری سانس ہلا گیا وہ جاتے جاتے
میری میت پہ وہ ملنے آئے گا ضرور
اک وعدہ تو نبھا گیا وہ جاتے جاتے
عائشہ شکیل..... گوجرہ

**اے ہمدم**

تنہا سفر بھی کٹا نہیں کرتے
بن ہم سفر بھی رہا نہیں کرتے
پاکیزہ ان محبتوں میں اے ہمدم
قیمتی آنکھوں میں بھی ڈھونڈا نہیں کرتے
بنا کے رکھتے ہو راز دل میں
اور کہتے ہو محبت کیا نہیں کرتے



جالا لگی ہوئی ان کھڑکیوں کو
کیوں نکھارنے کا ارادہ نہیں کرتے
اپنے ہی عکس کو ڈھونڈتے ہو
بن سائے کے جیا نہیں کرتے
بشریٰ رفیق..... لاہور

**اداس آنکھیں**

اداس آنکھوں میں طوفان لے کر
منتظر ہوں کہ جب تو لوٹے
دیکھے میری طرف
اور پھر
عجیب بات ہو
ان طوفانوں کی نظر
تمہارے جذبات ہوں
پکڑو جب ہاتھ میرا تم
ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ کر
کہہ دوں کہ
مت چھونا مجھے
نفرت ہے مجھے تم سے
نفرت بس نفرت
شاہ زور..... چوکی

**خوشی کا احساس**

تیرے ساتھ ہونے کا احساس بھی جب ہوتا ہے ساتھ
کائنات کی ہر خوشی کا احساس بھی تب ہوتا ہے ساتھ
تو میرا ہاتھ تھامے ہوئے چلتا ہے قدم بہ قدم اکثر
تیری قربت کے یقیں کا احساس بھی تب ہوتا ہے ساتھ
میں تیری ہی گود میں سر رکھ کر سوتا ہوں ہر رات
تیرے وجود کی حدت کا احساس بھی تب ہوتا ہے ساتھ
تجھ کو دیکھوں میں غور سے خود میں اتار لینے کی چاہ سے
تیرے بے پناہ حسن کا احساس بھی تب ہوتا ہے ساتھ
تجھ کو عشق، جان، دل، اپنا سب کچھ کہوں پھر بھی "چھتا"
کسی کمک کے رہ جانے کا احساس بھی تب ہوتا ہے ساتھ
ثمر رومیسہ..... مریدکے

**گمنام سی زندگی**

دل کو چین قرار نہیں
پتا نہیں کیوں
دل کا موسم اچھا نہیں
شاید
کھتے کھتے گم ہو جانا
سوچ میں ڈوبے ہوئے
ابھی کچھ سلجھانا
ابھی کبھی انسان
زندگی کی راہوں میں
ایسے بھی رُک جاتا ہے
نہ آگے کی خوشی
نہ پیچھے کا پتا
ایمن وقار..... مقام نامعلوم

**بچھڑ کر**

بچھڑ کر مجھ سے وہ خوب رویا ہوگا
بچھڑ کے جیسے میں تڑپی ہوں
وہ بھی خوب تڑپا ہوگا
جب یاد آئی ہوگی میری
چاند تاروں میں مجھے وہ تکتا ہوگا
مدت ہوئی مجھ سے ملے اسے
مجھ سے ملنے کو اب وہ ترستا ہوگا
ثمرینہ انصاری..... گوجرانوالہ

**محبوب**

وہ جو نظر کے سامنے محبوب نہ ہو
وہاں دل مضطر کو میں سمجھاؤں کیسے
وہ جو ایک پردہ ہٹانا گراں تھا مجھے
وہاں ہزاروں پردے ہٹاؤں میں کیسے
وہ جو اندھیرے کا بسیرا ہے زندگی پہ
وہاں روشنی کی شمع میں جلاؤں کیسے
وہ جو اک رب بستا ہے دل میں
وہاں دوسرا کوئی میں رب بساؤں کیسے

وہ جو منزل میں کامیابی کھڑی ہے
وہاں سفر سے خوف میں کھاؤں کیسے
وہ جو عشق میں موت مقدر ہے میرا
وہاں قبر میں اترنے سے میں گھبراؤں کیسے
میمونہ شیروانی...... کبیروالا

**اک نصیحت**

میں جھوم جاؤں تو شرابی نہ سمجھنا
گر جاؤں سجدے میں تو پجاری نہ سمجھنا
تھوڑا سا بک گیا ہوں محبت میں
جو آگے بڑھوں تو شکاری نہ سمجھنا
مجھ سے چھین لی ہیں خوشیاں میرے اپنوں نے
ہاتھ جو پھیلاؤں تو بھکاری نہ سمجھنا
مجھے آتا ہے اب بھی دوستی کا خیال
بہت کچھ کھویا ہے میں نے، اناڑی نہ سمجھنا
اک نصیحت میری یاد رکھنا "دوست"
دوستی کو کبھی تم وقت گزاری نہ سمجھنا
بیہ وڑائچ...... گجرات

**دل**

کچھ نہیں ہے جاں کھونے کو
یہ سوچنے والے اکثر
اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں
اس خون کے لوتھڑے کو
جو طاقت دیتا ہے
انسان کو مضبوط بناتا ہے
جان لو تمہارے پاس ہے سب سے قیمتی چیز
اس کی حفاظت اگر تم نہ کر پائے تو
تم کھو دو گے
خود کو
بنت حوا مغل...... سرگودھا

**پھول**

جانے کتنے ہی مرے پھول سہارے ہوں گے
اور یہ پھول مری آنکھ کے تارے ہوں گے

جس محبت نے ہمیں زیست کے بخشے لمحات
ہم اسی پیار میں پھر جان سے ہارے ہوں گے
تیر کھا کے بھی جو زندہ ہو سلامت ہی رہے
ایسے عاشق تو میاں پیار سے مارے ہوں گے
میرا یہ خواب بہت جلد مکمل ہوگا
آپ کے ہوں گے ہم اور آپ ہمارے ہوں گے
میں بھی سوچ کے رہتا ہوں کہ بس میرے سوا
اس کے سب دوست اسے جان سے پیارے ہوں گے
پڑھ کے غزلیں جو گیا ہے ابھی محفل سے عزیز
اس کے اشعار یقیناً ترے بارے ہوں گے
شارق عزیز میاں اعوان...... چکوال

**نیا سال اور جنم دن میرا**

نئے سال کی جگمگ راتیں
روشن دن اور نکھرے سویرے
ٹھنڈی صبح اور گلاب کی کلیاں
اوس میں جو ہیں بھیگی ہوئی
کف اڑاتی چائے اور تم
سردیوں کی نرم سی دھوپ
آنکھوں پہ رکھ کے ہاتھ
سورج کو تکتے جانا
یاد ہے کیا اب بھی تم کو
ہمارا وہ نیا سال منانا
ایک کیک کی دو خوشیاں
نیا سال اور جنم دن میرا
یاد ہے مجھ کو تیرا وہ
اک تجھ سے ہی جشن منانا
نیا سال اور جنم دن میرا
مل کے اک ساتھ منانا
مدیحہ نورین مہک...... گجرات

www.naeyufaq.com

dkp@naeyufaq.com

ہما احمد

پیارے آنچل کی پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! میری طرف سے تمام قارئین اور رائٹرز کو پھولوں کی طرح مہکتا سلام پیش ہے۔ امید ہے کہ آپ سب بخیر و عافیت سے ہوں گی اور سردیوں سے لطف اندوز ہو رہی ہوں گی۔ میری دعا ہے کہ یہ نیا سال ہم سب کے لیے خوشیوں اور کامیابیوں کی نوید بن کر آئے آمین۔ سب سے پہلے تو میں اپنی کیوٹ سی دوست شازیہ پرویز شازی سے مخاطب ہوں۔ جانو مجھے بھی تم بہت زیادہ اچھی لگتی ہو۔ میں نے تمہارے بارے میں ہر دفعہ پیغام بھیجا تھا پر یہ جو ہما آپی ہے ناں ان کو پتا نہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے جو میرا ہر پیغام اپنی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہیں۔ میں نے کچھ پیغام غلط پتے پر بھیجے تھے اور یہ پتا نہیں آنچل والوں کا ایک ٹھکانہ نہیں ہر ماہ نیا پتا لکھا ہوتا ہے اب بندہ کیا کرے میں نے تو سوچ رکھا ہے اگر اس ماہ میرا پیغام نہ شائع ہوا تو میں نے آنچل کے دفتر آ جانا ہے لڑنے کے لیے بس بہت ہو گیا مجھے آنچل میں دو سال سے جگہ نہیں مل رہی میں بہت دکھی ہوں دل میں بہت غصہ آنچل والوں کے لیے۔ خیر جانو میں نے تمہارے بابا جانی کی وفات کا سنا مجھے بے حد دکھ ہوا اللہ پاک تمہارے بابا جانی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور تمہیں تمہارے گھر والوں کو صبر عطا کرے ہمیشہ خوش رہو آمین اور میں ہر ماہ تمہاری نگارشات کا بے صبری سے انتظار کرتی ہوں۔ جانو دعاؤں میں یاد رکھنا ہمیشہ مجھے۔ حرا غفور اور ایمن غفور کیسی ہیں آپ دونوں میں آپ دونوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آپ دونوں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ میری نٹ کھٹ سی دوستیں تبسم بشیر، ماہا بشیر حسین، ثمرہ گلزار، نور چوہدری، گلشن چوہدری، کنول شیریں، اسلم حبیبی شاہد، فائزہ شاہ، فائزہ بھٹی، سحرش سحر، عائشہ شکیل، ام ہانی، ارم آصف، حنا ارشد، خوشی سرفراز، زارا تعبیر، نجلی رب نواز، ماہم نور انصاری، کرن شہزادی، زرتاب خان، نور المثال، عائش کشمالہ، دعائے سحر، کنول مریم، اقرا مجاہد، رضوانہ وقاص، میر عبری اور دوسری تمام بہنوں سے دلی وابستگی رکھتی ہوں آپ سب بھی امید کرتی میری دوستی قبول کریں گی۔ ہم زہرہ، مدیحہ نورین مہک (شادی مبارک) لیٹ وش کر رہی ہوں پر خوش رہیں آپ دونوں ہمیشہ آمین۔ میری کیوٹ سی آپیاں پروین افضل شاہین، ارم کمال، نجم انجم اعوان، فریدہ جاوید فری کیسی ہیں آپ سب زینب نے آپ لوگوں کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھا۔ نورین انجم (کیوٹ گرل) کیسی ہو میں تمہیں بھلا سکتی ہوں بھلا۔ خوش رہو۔ آنی قیصر آرا کی کمی آنچل و حجاب میں بہت محسوس ہوتی ہے۔ ان کی رحلت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ خیر دنیا فانی ہے سب کو ہی جانا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اور میری خالہ سمیت سب کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ ثم آمین۔ سحر ناز کہاں چلی گئی ہو یار مجھے یقین ہی نہیں ہو رہا تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ زینب ادھوری ہے ہر پل تمہاری کمی محسوس ہوتی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد زینب دلبر سے میں زینب کاشف بن گئی ہوں تم ہوتی تو میری ہر خوشی میں تم بہت زیادہ خوش ہوتیں۔ آنی مس یو اینڈ آنچل کی پریوں کوئی مجھے ایف بی پر دوستی کرنا چاہے تو پلیز دل کم موسٹ ویلکم شازیہ جانو تمہارے لیے اپنی پرسنل آئی ڈی کا نام لکھ رہی ہوں مجھے تمہارے رابطے کا انتظار رہے گا۔ (ماہ روش اعوان) یہ میری آئی ڈی نیم ہے اس کی بائیو میں آنچل میں کاشف علی کے نام سے ہیڈنگ ہوں گی دیکھ لینا بہت لمبا ہو گیا پیغام اس سے پہلے کہ ہما احمد اپنا خط ردی کی ٹوکری کی نظر کریں جا رہی ہوں۔ اللہ پاک آنچل و حجاب اور میری سب دوستوں کو ہمیشہ خوش رکھے اور میری طرف سے سب کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو اللہ اس سال میں مزید کامیابیاں اور ترقیاں عطا فرمائے آمین۔ باقی وقت تو گزر جاتا ہے لیکن اپنے ساتھ زخم چھوڑ جاتا ہے۔ باتیں بھول جاتی ہیں یادیں رہ جاتی ہیں۔ باقی تمام پڑھنے والوں کو میرا سلام، ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ زندگی رہی تو اگلے ماہ پھر ملیں گے۔ اللہ حافظ فی امان اللہ۔

زینب دلبر اعوان...... کراچی

سال نو آنچل اسٹاف، مصنفین اور آپ تمام قارئین کے نام

yaadgar@naeyufaq.com

جویریہ سالک

## وحدانیت

لوگوں کی اکثر یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں نہیں سنتا کیا کبھی ہم نے یہ غور کیا ہے کہ ہم دعائیں کیا مانگتے ہیں، ان کی نیت کیا ہوتی ہے، کیا ہم کامل یقین سے دعائیں مانگتے ہیں، نہیں، قطعی نہیں مانگتے اگر ہم دعا مانگ بھی رہے ہوتے ہیں تو اس میں ہماری بھلائی اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً اے اللہ آج اتنی بارش دے کہ دل بھر جائے، اس دعا سے ہمارا دل تو بھر جاتا ہے مگر دوسروں کا حال برا ہوتا ہے۔ دعا میں کھلیت نہیں ہوتی۔ اللہ مجھے فلاں چیز دے میں اس سے یہ وہ کروں گا، بھلا رب العزت کیسے وہ دعا قبول کر سکتا ہے جس میں ایک انسان کا بھلا ہو اور دوسرے کا نقصان۔ میرا ایمان ہے کہ جب بھی سچے دل سے نفع نقصان سوچے بغیر دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ کہتے ہیں انسان سخت مشکل میں ہو تو اگر وہ کوئی دعا مانگے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ اس وقت کی دعا کسی بھی نفع نقصان سے پاک ہو کر دل میں ایمان پختہ رکھ کر قبول ہونے کے یقین سے مانگی جاتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔

حنا ناز ...... چند داون خان

## نیت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی لہٰذا جس نے دنیا حاصل کرنے کی نیت سے ہجرت کی اسے دنیا ہی ملے گی۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کی اسے عورت ہی ملے گی پس مہاجر کی ہجرت کا صلہ وہی ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ (بخاری)

## دکھاوے کی نماز

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا میں تمہیں دجال کے فتنے سے زیادہ خطرناک بات سے آگاہ نہ کروں؟ ہم نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شرک خفی دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو اور نماز کو اس لیے لمبا کرے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

شیخ ساجد تنویر ...... ڈیرہ غازی خان

## حضرت محمد ﷺ

+ آپ ﷺ جو چادر مبارک اوڑھتے تھے اس کی لمبائی چار گز اور چوڑائی سوا دو گز تھی۔
+ آپ ﷺ جو عمامہ پہنتے اس کی لمبائی سات گز تھی۔
+ آپ ﷺ کو دو خوشبوئیں پسند تھیں عود اور مشک۔
+ آپ ﷺ جس دھات کی انگوٹھی پہنتے تھے وہ چاندی تھی۔
+ آپ ﷺ کے پاس تین تلواریں تھیں۔ ذوالفقار، آسور، بتار۔
+ آپ ﷺ کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ عضبی اور قسویٰ۔
+ آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر دی یہ پہاڑی مکہ میں ہے۔

ثنا شاہ ...... چکوال

## کسب حلال کی فضیلت

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "کہ اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی اسی کا حکم دیا ہے کہ پاک چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔" اور فرمایا "اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ان میں سے پاک (حلال) چیزوں میں سے کھاؤ۔" پھر فرمایا کہ ایک شخص طویل سفر کرتا ہے جو پریشان حال اور بدن گرد آلود ہے (یعنی کہ اس حالت میں ہے کہ جو دعا کرے وہ قبول ہو) وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟

یعنی اگر قبولیت دعا کی خواہش ہو تو کسب حلال اختیار کرو کیونکہ اس کے بغیر دعا کے اسباب بےکار ہیں۔

صفی ملک ...... قادر پور راں

## حضور پاک ﷺ نے فرمایا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسنؓ کا بوسہ لے رہے تھے۔ تو وہ بولا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو (بچوں اور یتیموں اور عاجزوں اور ضعیفوں پر) رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہ کرے گا۔" (مسلم)

کنول نور ...... گجرات

## انمول معلومات

- انسانی دل دھڑکتے ہوئے جو پریشر رکھتا ہے وہ خون کو تیس فٹ دور تک پھینک سکتا ہے۔
- بڑے کینگرو ایک چھلانگ میں تیس فٹ کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔
- عورتیں مردوں سے دگنا آنسو بہاتی ہیں۔
- ایک اوسط انسان دن میں تیرہ مرتبہ ہنستا ہے۔
- ذہین لوگوں کے بالوں میں زنک اور تانبا زیادہ ہوتا ہے۔
- اُلو واحد جانور جو سر گھمائے بغیر اپنے عقب میں دیکھ سکتے ہیں وہ خرگوش اور طوطا ہے۔
- جس وقت آپ شرم سے سرخ ہو جاتے ہیں تو آپ کے معدے کا استر بھی سرخ ہو جاتا ہے۔
- پہلی بار لے ڈیوائن موٹر سائیکل سن ایلس سو تین میں بنائی گئی تھی اور اس میں کاربوریٹر کی جگہ تارپین استعمال کیا گیا تھا۔
- فٹبال کے ایک میچ کے دوران اکثر کھلاڑی سات میل تک بھاگ لیتے ہیں۔
- خون کے سرخ خلیے کو پورے جسم کا چکر لگانے میں صرف بیس سیکنڈ لگتے ہیں۔

لاریب چوہدری ...... گجرات

## انسانی حقوق کی پاسداری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے، زکوٰۃ اور دوسری مقبول عبادتیں لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو اس کے حق کے بقدر نیکیاں دی جائیں گی ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے اس کے حق کے بقدر نیکیاں دی جائیں گی پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان حقوق کے بقدر حق داروں اور مظلوموں کے گناہ جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

(مسلم باب تحریم الظلم)

انیس حبیب خان ...... کراچی

## سنہری اقوال

- اگر گھر میں غریب مہمان آ جائے تو قرض لے کر بھی اس کی مہمان نوازی کرو۔
- ریاکار گویا اللہ تعالیٰ کی نسبت لوگوں کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔
- عورت کی بد خلقی پر صبر کرنے والا حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کے برابر ثواب پائے گا۔
- محتاجوں سے بہ شگفتگی خندہ پیشانی ملنا احسان میں ہے اور صدقہ سے بہتر ہے۔ بادشاہ کے کارندوں کے ظلم کی باز پرس بادشاہ سے بھی ہوگی اور اس کے کارندوں سے بھی۔

❁ دل صاف نہیں تو سارا بر باد ہوگا۔
❁ محبت کے لحاظ سے ہر ایک باپ یعقوب علیہ السلام اور حسن کے لحاظ سے ہر ایک بیٹا یوسف علیہ السلام ہے۔
❁ نام میں کیا دھرا ہے گلاب کو کسی نام سے پکاریں اس کی لطافت اور نگینی میں فرق نہیں آتا۔

ثمرین آفتاب..... حسن ابدال

## نیل پالش

نیل پالش لگاتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ زندگی کا کچھ پتا نہیں، اگر اچانک موت آ جائے اور نیل پالش لگی ہو تو یاد رکھنا وہ مٹے گی نہیں کیونکہ مرنے کے بعد ہمارے جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور ایسے میں کوئی سلوشن نیل پالش دور نہیں کر سکتا اور نیل پالش نہ اترنے سے ہمارا غسل نہیں ہوگا۔

رضوان وقاص..... ہری پور

## چھوٹے لفظ بڑی بات

☐ عقل مندوں کے لیے مشکلات محض عارضی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔
☐ امید نہ ہوتی تو دنیا بے نور ہو جاتی۔
☐ غصہ ضبط کرنا دانائی کی علامت ہے۔
☐ نیکی کر کے بھول جانا نیکی کو دگنا کر دیتا ہے۔
☐ زبان کو قابو میں رکھو یہ تمہاری شخصیت کا ہتھیار ہے۔
☐ جس نے غم سہنا سیکھ لیا گویا اس نے فلسفہ حیات جان لیا۔
☐ لگاتار کوشش کلید کامیابی ہے۔

شاہ بہرام انصاری..... ملتان

## سچے موتی

○ خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔
○ جو چیز پیچھے ہٹ جاتی ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔
○ محنت ہمارے ہاتھ میں ہے اور نصیب اللہ کے ہاتھ میں۔ ہمیں اسی سے کام لینا ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

○ اگر تم چاہو تو خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔
○ آدمی کو جب اس کی اساس سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔

زینب لیبرا اعوان..... کراچی

## لفظ زندہ رہتے ہیں

جب کسی شخص کو بہت زیادہ تنگ کیا جاتا ہے تو وہ ایسے شخص کی تلاش میں ہوتا ہے جس کو وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کی کہانیاں سنا کر اپنا دکھ ہلکا کر سکے۔

وقاص عمر..... جنگزو حافظ آباد

## عبادت

عبادت فرشتہ تو بنا سکتی ہے انسان نہیں کیونکہ انسان درد سے بنتا ہے۔

(واصف علی واصف)

عائشہ صدیقہ احمد زئی..... اسلام آباد

## مشکل وقت

مشکل وقت بارش کی مانند ہے جس میں کوئی بکھر جاتا ہے اور کوئی نکھر جاتا ہے۔

## اپنے

اپنے وہ نہیں ہوتے جو آپ کی غلطیوں کا تماشا بنائیں بلکہ اپنے وہ ہوتے ہیں جو آپ کی غلطیوں پر پیار، مان، بھروسے، احترام اور ادب کا پردہ ڈالیں۔

## اکڑ

اکڑ تب تک چلتی ہے جب تک پکڑ نہیں ہوتی۔

## مایوس

مایوس ہونا چھوڑ دیں کیونکہ جو دروازے زمین والوں کی سازشوں سے بند ہوتے ہیں ناں ان سے بھی بڑے دروازے اللہ پاک کے فضل سے کھل جاتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

## "ماں"

زندگی کی کتاب کا سب سے حسین لفظ "ماں" ہے۔ ماں ایک مقدس روح ہے جو کہ ہر وقت اولاد پر محبت و شفقت کے پھول برساتی ہے۔ ماں تو اولاد کی سب سے بہترین دوست

ہوتی ہے۔

## "باپ"

سمجھ نہیں آرہا کہ آپ کو بابا کہوں، پاپا کہوں، زندگی کہوں، محبت کہوں یا پھر اپنا سائبان کہوں۔ باپ اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ سب سے مخلص اور خوبصورت رشتہ ہے۔ باپ محبت، شفقت، خلوص، ایثار اور قربانی کا پیکر ہے۔ باپ کی مثال تو اس شجر کی مانند ہے جو اپنے اوپر سختی، بارش، دھوپ، طوفان، گرمی اور سردی سہتا ہے لیکن اپنی اولاد کو ہمیشہ خوش ذائقہ اور تازہ پھل فراہم کرتا ہے۔

تاشہ فیاض..... ہری پور

## پسند

مجھے بہت پسند ہے
سردی کی ہلکی دھنک
سرائی خشکی
بھیگی ہوائیں
اداسی میں ڈوبی شامیں
پتوں کا گرنا
رات کی تاریکی اور
بادلوں میں چھپا چاند
سورج کی آخری جھلک
برستی بارش
اور
شور مچاتی لہریں

شہزادی وردہ..... جسم، گجرات

## قیدی

ہم بھی انسان "قیدی" ہیں۔ کوئی اپنے ماضی کا، کوئی اپنے مستقبل کی ان دیکھی بندگی لامتناہی زنجیروں کا اور کوئی اپنی خواہشوں کا جو اس کے حال کو بے حال کیے رکھتی ہیں۔ غرض کہ کسی نہ کسی آرزو، کسک یا پریشانی نے ہمیں قید کیا ہوا ہے۔ بظاہر ہم سب جسمانی طور پر آزاد ہیں مگر ذہنی طور پر ہم ان دیکھی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اس قید نے ہمیں جسمانی طور پر مجبور اور بے بس کیا ہوا ہے۔ ذہنی قید بھی بہت بری چیز ہوتی ہے۔ طاقتور سے طاقتور انسان کی زندگی بھی سمندر میں ڈولتی کشتی جیسی ہو جاتی ہے اور اس ڈولتی کشتی کو سہارا خود پر یقین رکھ کر ہی مل سکتا ہے۔ جب تک زندگی ہے اور ہمارے سانس چل رہی ہیں تب تک ہم کسی نہ کسی فکر، الجھن، پریشانی یا خواہش کو مکمل کرنے کی دھن میں مگن رہیں گے۔ شاید اسی کو زندگی کہتے ہیں، ہم اپنے سرابوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور آخر کار موت ہمیں اپنے پنجے میں دبوچ لیتی ہے۔ اگر اس دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنت کیوں بناتا؟ جنت تو ہمیں اپنی محرومیوں پر صبر و شکر کرنے پر اور اللہ کی رضا حاصل کرنے پر ملے گی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت اور رضا کا حصول حاصل کرنے کا قیدی بنائے۔ ہمیں لایعنی الجھنوں اور پریشانیوں کے گرداب سے بچائے آمین۔

مریم منور..... سمندری

## سچی خوشی

ہم اس دنیا میں خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ خوشی کا راز کیا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ خوش رہنے کا راز "آب حیات" ہے یا پھر آپ کو ہر آسائش میسر ہو۔ آپ خوش رہ سکتے ہیں؟ "نہیں" زندگی کی حقیقی خوشی تو دوسروں کو خوش رکھنا ہے۔ دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنی خوشی قربان کرنے سے ہمارا دل ایک ایسی خوشی سے سرشار ہوتا ہے جس کو ہم محسوس تو کر سکتے ہیں لیکن اس خوشی کو ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے اور اسی خوشی کو ہم "سچی خوشی" کہتے ہیں۔

محمد کمیل ساگر..... مقام نامعلوم

❁

ج:۔ جی نہیں، ہماری لکھائی آپ کی لکھائی کی طرح صاف نہیں بلکہ واقعی میں ہی صاف ہے۔
س:۔ ایسا سنا ہے آنچل کے سلسلوں کے انچارج بدلنے کے لیے الیکشن کی تیاری کی جارہی ہے؟
ج:۔ فی الحال تو بلدیاتی امیدواروں کے انتخاب کی تیاری کی جارہی ہے۔
س:۔ یہ ہم سے پوچھے کر آدھے صفحے ختم کیوں کردیے گئے، اتنی کنجوسی کی آپ سے توقع نہیں تھی؟
ج:۔ کاغذ کی بڑھتی قیمت کے سبب یہ مشکل فیصلہ لینا پڑا۔
س:۔ آپ سال میں کتنی دفعہ چند دیتی ہیں اور کس کو؟
ج:۔ یہ باتیں بتائی نہیں جاتیں نظر لگ جاتی ہے۔
س:۔ آپ کو چھوٹے سوال اچھے لگتے ہیں یا طویل؟
ج:۔ سوال، سوال ہوتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

زینب دلبر اعوان...... کراچی

س:۔ ارے آپ خوش ہوگئی ناں مجھے دیکھ کر؟ پہلی بار آپ کی محفل میں جو قدم رکھا ہے۔
ج:۔ پہلی بار آمد پر خوش آمدید اب خود ہی کہیں جگہ دیکھ کر بیٹھ جاؤ۔
س:۔ سنا ہے آپ کے بال چڑیوں کے گھونسلے جیسے ہیں؟
ج:۔ اچھا ہوا آپ نے بتادیا اپنے گھونسلے جیسے بالوں کا۔
س:۔ پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں آپ نے اپنے نام کے ساتھ میرے ساں کا نام کیوں لکھا ہوا ہے؟
ج:۔ میں کہیں بتاؤں گی۔
س:۔ شمائلہ جانو ذرا مجھے یہ تو بتائیں یہ چھوٹی بہن پناہ کیوں ہوتی ہیں جیسے کہ میری ہے۔
ج:۔ توبہ کرو، چھوٹی بہن پناہ نہیں اللہ کا تحفہ ہوتی ہیں۔
س:۔ شمو آپی آخر میرا انتظار تمام ہورہا ہے نئے کپڑے، نئے جوتے، نیا میک اپ آپ بھلا بتائیں وہ کون سا دن آرہا ہے؟
ج:۔ کسی کی بربادی کا۔

کنول حسین...... جلالپور پیروالہ

س:۔ اگر آپ کو پتہ چلے کہ آپ کو جو سوال بھجوائے جاتے ہیں وہ نقل ہیں تو پھر......؟
ج:۔ ہم یہ دیکھتے ہیں سوالات بھیجنے والی ہماری کتنی اپنی ہے۔
س:۔ ہم اپنے مذہبی تہوار سو کر کیوں گزارتے ہیں؟
ج:۔ اپنی کہہ دیں ہو سب کے ساتھ نہیں ہوتا۔
س:۔ میں اتنی اچھی کیوں ہوں سوچ کر جواب دیں؟
ج:۔ ہماری محبت کی وجہ سے۔
س:۔ آپ شرمندہ کرنے والے جواب کیوں دیتی ہیں؟
ج:۔ سوال کا جواب دیتے ہیں، جیسا سوال ویسا ہی جواب۔

سائرہ احسان...... اسلام آباد

س:۔ نفرت کو محبت سے ختم کرنا چاہیے تو محبت کو کس طرح شروع کرنا چاہیے؟
ج:۔ جب نفرت کو ختم کریں گی تو محبت اسی دم شروع ہوجائے گی خود بخود۔
س:۔ آپی شمائلہ دنیا کا سب سے خوبصورت تعلق بتائیے؟
ج:۔ ماں اور بچے کا۔

قرشی
خالص
عرقِ گلاب
سپرے
چہرے کی شگفتگی و تروتازگی کے لیے
چہرہ کِھلے
جیسے گلاب!
Gold Standard Quality
DRAP
Enlisted
Qarshi www.qarshi.com | www.qarshihealthshop.com | QarshiNaturalHealth